اِعلاءُ کلِمۃُ اللہ

فی بیان

وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیرِاللہِ

چشم روشن کن ز خاک اولیا
تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا (رومیؒ)
اِعلاءُ کلمۃِ اللہ
تصنیف لطیف
مامور من الرسول، مجدّدِ دین و مِلّت، فاتحِ قادیانیت، امام المسلمین
اعلیٰ حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز
Marfat.com
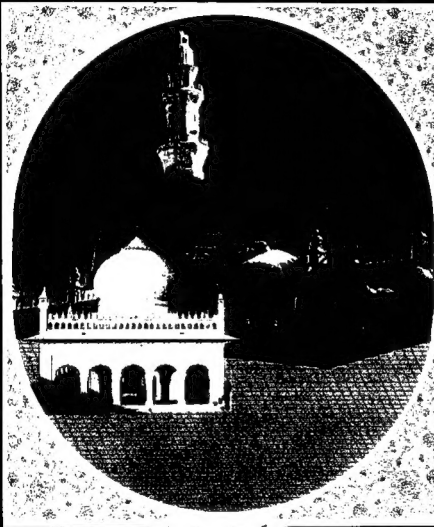
حُرِّمَت عَلَيكُمُ المَيتَةُ وَالدَّمُ وَلَحمُ الخِنزِيرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ (قرآن حکیم)

وَ تَعَاوَنُوا عَلَی البِرِّ وَالتَّقوٰی۔

اِعلاءِ کَلِمَةِ اللّٰه

فی بیان

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیرِ اللّٰهِ

تصنیفِ لطیف

ماموِر من الرسول، مجدّدِ دین و ملّت، فاتحِ قادیانیت، امام المسلمین

اعلیٰ حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہٗ العزیز

بایماء

حضرت پیر سیّد غلام محی الدین گیلانی قدس سرہٗ العزیز

باہتمام

حضرت پیر سیّد غلام معین الدین گیلانی قدس سرہٗ العزیز

حضرت پیر سیّد شاہ عبدالحق گیلانی مدظلہ العالی

سجادہ نشین گولڑہ شریف

بار .... ہشتم

مقام اشاعت .... گولڑہ شریف

کمپوزنگ وڈیزائنگ .... محمد نعیم

تعداد 4000

تاریخ اشاعت .... ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ اکتوبر 2011ء

مطبوعہ .... ایم ایم پبلی کیشنز لاہور

ہدیہ .... -/150 روپے

ملنے کے پتے .... کتب خانہ درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور

فرید بک سٹال۔38 اُردو بازار لاہور

فاتحِ قادیانیّت، مجدّدِ دین وملّت

حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی قدّس سرہٗ العزیز

حیات وخدمات:۔

عالمِ ربّانی، عارفِ لاثانی، رہبرِ شریعت، ہادیٔ طریقت، قبلۂ عالم سیّدنا ومولانا حضرت خواجہ پیر سیّد مہر علی شاہ الحسنی الگیلانی قدس سرہٗ ان بزرگانِ دین اور علماء کاملین سے ہیں جو بڑی مدت کے بعد کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کی نگاہیں باریک سے باریک حقیقت کو دیکھتی ہیں اور جن کی نظروں میں انسانی زندگی کے تمام نقوش خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی پوری وضاحت کے ساتھ نمایاں رہتے ہیں اور جن کے قلوب انوار سبحانیہ کے معدن اور اسرارِ ربانیہ کے مخزن ہوتے ہیں۔ وہ ایک طرف اپنا تعلق محبوبِ حقیقی سے استوار رکھتے ہیں اور ایک طرف نوعِ انسانی کی ہدایت ورہنمائی اور ان کی ہر جائز خیر خواہی کے لیے ہر میدان میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اُن کا وجود اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے غیر فانی معجزات کا نمونہ ہوتا ہے اور ان کا خُلق اخلاقِ خداوندی کا آئینہ ہوتا ہے۔ آنے والی سطور میں انتہائی اختصار کے ساتھ آپؒ کی حیات وخدمات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

خاندان اور تعلیم وتعلّم:۔

آنجنابؒ ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۶ء قصبہ گولڑہ تحصیل وضلع راولپنڈی میں ایسے گھرانے میں جلوہ افروز ہوئے جو اس خاندانِ سادات قادریہ گیلانیہ کی شاخ ہے جس کے مشہور جدِ امجد حضرت میراں شاہ قادر قمیصؒ، سرکارِ بغداد قدس سرہٗ سے مامور ہو کر تشریف فرمائے ہندوستان ہوئے اور مختلف علاقوں میں تبلیغ وارشاد فرما کر قصبہ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں مستقل سکونت اختیار فرمالی تھی۔ جہاں آج تک آپؒ کا خاندان موجود ہے۔ صاحبِ مخازنُ النسب نے آپؒ کے

تفصیلی حالات تحریر کیے ہیں۔ نیز شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی اخبار الاخیار میں آپؒ کے سیّد گیلانی اور ایک صاحبِ کمال بزرگ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت قبلۂ عالم سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ کے والد گرامی پیر سیّد نذر دین شاہؒ کے جدِّ امجد سیّد روشن دینؒ اور اُن کے برادرِ حقیقی سیّد رسول شاہؒ سب سے اوّل قصبہ ساڈھورہ شریف سے حجازِ مقدس اور بغداد شریف ہوتے ہوئے واپسی پر گولڑہ شریف میں اقامت پذیر ہو گئے۔ چنانچہ اس خاندان کے متعدد کشف و کرامات علاقہ میں آج تک مشہور ہیں۔ جن سے دو واقعات قابلِ ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ پیر سیّد روشن دین شاہؒ جب ابتداء میں یہاں تشریف فرما ہوئے تو علاقہ کے بعض شیعہ سادات نے آپؒ کے سیّد ہونے کے متعلق کچھ شکوک و شبہات کیے۔ آخر کار ایک موقع پر آپؒ نے ان سے وجہ دریافت کی تو یہ من گھڑت مقولہ پیش کیا ''کاٹھ نہ کی سیّد نہ سنی'' جس پر آنجنابؒ نے اپنی کلاہ مبارک زمین پر رکھ دی اور فرمایا جو کہ سیّد صحیح النسب ہوگا وہی اس کو اٹھائے گا۔ معترضین میں سے ایک صاحب جن کو اپنی سیادت پر بڑا ناز تھا اُٹھے اور پورا زور لگایا مگر ٹوپی نہ اٹھ سکی۔ ناچار شرمندہ ہو کر عرض کی کہ اجازت ہو تو اُٹھالوں۔ آپؒ نے شفقت بھری نگاہ سے دیکھا اور فرمایا، اُٹھالے۔ اور یہ بھی فقط اُس کی عاجزانہ درخواست پر ظہور میں آیا ورنہ حشر دہی ہوتا جو پہلے ہوا تھا۔

دوسرا یہ ہے جب سکھوں کے دور میں حضرت قبلۂ عالمؒ کے والدِ گرامی حضرت سیّد نذر دین شاہؒ کو ایک غلط الزام میں زندہ جلانے کی تجویز کی گئی تو باقاعدہ لکڑیوں کا چتہ تیار کیا گیا اور آپؒ کو بٹھا کر آگ لگانے کی پوری کوشش کی گئی مگر چتہ مشتعل نہ ہوا اور سکھوں نے سخت شرمندہ ہو کر آپؒ کو رہا کر دیا۔ حضرت قبلۂ عالمؒ نے اپنے والد ماجد اور اُن کے ماموں حضرت پیر فضل دین شاہ گیلانیؒ کی سرپرستی میں ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل فرمائی۔ بچپن کا زمانہ تھا ایک دن استاد نے نہایت تاکید کی کہ کل کے سبق کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آنا ورنہ ماروں گا۔ اتفاقاً اس مقام سے کتاب کرم خوردہ تھی اور دوسرا نسخہ موجود نہ تھا۔ آپؒ پریشانی کے عالم

میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر بارگاہِ خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا خداوندا! اگر تو مجھے عبارت سکھا دے تو اس میں تیرا کوئی نقصان نہ ہوگا اور میں استاد کی مار سے بچ جاؤں گا۔ سبحان اللہ یہ کہنا تھا کہ ایک سبزسی عبارت آپؒ کے سامنے چمکی جس کو آپؒ نے ضبط فرمالیا۔ دوسرے دن جب استاد نے پوچھا تو آپؒ نے سب عبارت یاد سنادی حالانکہ کتاب میں عبارت موجود ہی نہ تھی اور نہ کوئی دوسرا نسخہ وہاں موجود تھا استاد بڑے متعجب ہوئے اور راولپنڈی جا کر دوسرا صحیح نسخہ تلاش کر کے ملاحظہ کیا تو حرف بہ حرف درست پایا۔ واپس آ کر کہنے لگے کہ پیرزادہ جی! تمہیں اللہ تعالیٰ بڑی شان عطا کرے گا۔ میرے لیے بھی دعا کرنا، اور آپؒ کو مزید تعلیم دینے سے معذرت ظاہر کی۔ جس پر آنجنابؒ علاقہ ہزارہ مقام بھوئی کو روانہ کیے گئے۔ وہاں پر مولانا محمد شفیعؒ مرحوم سے آپؒ نے قطبی تک کتابیں پڑھیں بعد میں وادئ سون سے گاؤں انگہ شریف ضلع خوشاب میں مولانا حافظ سلطان محمودؒ کے درس میں داخل ہوئے جو علاوہ ماہرِ علوم ظاہرہ ہونے کے حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مخلص مرید اور صاحبِ نسبت تھے۔ اس دوران میں استاد مرحوم کے ساتھ آپؒ کو سیال شریف بکثرت جانے کا اتفاق ہوا کرتا اور آخر کار آپؒ حضرت اعلیٰ سیالویؒ سے بیعت بھی ہو گئے۔ قیامِ انگہ کے زمانہ میں آپؒ نے تحصیل علم میں وہ مجاہدہ کیا کہ بسا اوقات سخت سردیوں میں لحاف کے بغیر ساری رات مطالعہ میں گزر جاتی اور صبح کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرماتے۔ دو اڑھائی سال کے مختصر وقت میں آپؒ نے اکثر درسی کتب پر عبور حاصل فرمالیا اور ساتھ دوسرے طلباء کو سبق پڑھانے کا سلسلہ بھی استاد محترم نے آپؒ کے سپرد فرمایا۔ ان مشاغل کے باوجود سیال شریف کی حاضری اور روحانی ترقی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ جب کبھی موقعہ ملتا تو تنہائی میں اشعارِ شوقیہ اور غزلیاتِ ذوقیہ سے بھی محظوظ ہوتے رہتے۔ خبر ہونے پر شائقین چھپ چھپ کر آپؒ کی ان وجدانی کیفیتوں سے مستفید اور لذت اندوز ہوتے چونکہ آپؒ کی طبیعت مبارکہ شہرت سے متنفر تھی اس لیے انگہ سے کوچ فرما کر آپؒ نے کچھ عرصہ علاقہ چکوال میں ایک مشہور عالم مولانا برہان الدینؒ مرحوم کے ہاں کچھ

اسباق حاصل فرمائے۔ بعد ازاں با جازت اپنے مشائخ کے ہندوستان کا رُخ فرمایا۔ مولانا احمد حسن کانپوریؒ جن کے کتب معقول اور مثنوی شریف پر حواشی بھی موجود ہیں، اُس زمانے میں زیارتِ حرمین شریفین کا ارادہ فرمائے ہوئے تھے۔ آپؒ نے مولاناؒ مرحوم سے استفادہ کا خیال ظاہر فرمایا مگر مولانا نے سفر حرمین کے ارادہ کی وجہ سے معذرت کی۔ آخر کار جب آنجنابؒ کے فضل و کمال کا سورج درخشاں ہوا تو ایک دفعہ بموقعہ عرس پاکپتن شریف مولانا مرحوم حاضر ہو کر اچانک آپؒ کے قدموں میں گر پڑے۔ کافی ہجوم تھا۔ اتنے میں کسی نے کہا کہ یہ مولانا احمد حسن کانپوری ہیں۔ آپؒ نے فوراً اٹھا کر گلے لگا لیا اور دورانِ قیام بڑی محبت آمیز مجلسیں ہوتی رہیں۔ مولاناؒ نے اِس حد تک اظہارِ عقیدت کیا کہ کاش! مجھے آپؒ کو ایک دو سبق پڑھانے کا شرف حاصل ہو جاتا اس لیے نہیں کہ آپؒ کا استاد کہلاؤں بلکہ اس لیے کہ آپؒ کے دعواتِ صالحہ میرے شاملِ حال ہو جاتے۔ واضح ہو کہ ہندوستان کے دیگر مشاہیر علماء مثلاً مولوی اشرف علی تھانوی، مولانا انور علی شاہ کشمیری صدر مدرس دار العلوم دیو بند، مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی، مولانا فضل حق رامپوری وغیرہ آپؒ کے کمالاتِ علمیہ کے مداح تھے۔ مولانا رحمت اللہ سے آپؒ کی ملاقات مکہ شریف میں ہوئی اور مسئلہ ندائے غائبانہ اور جمعہ فی القریٰ پر مفصل گفتگو ہوئی۔ جس پر مولانا مرحوم نے اپنے سابقہ خیال سے رجوع فرما کر آپؒ کے ساتھ اتفاق ظاہر کیا اور آپؒ کو فقط ایک متبحر عالم ہی نہیں بلکہ انسانِ کامل تصور کرتے ہوئے آپؒ سے بیعت ہونے کی درخواست کی اور کچھ وظائف کی اجازت بھی حاصل کی۔ آپؒ کے سفرِ حج کے واقعات اس قسم کے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپؒ کے فضل و کمال کا سورج فقط ہند ہی میں نہیں بلکہ مرکز اسلام حجازِ مقدس میں بھی ایسا درخشاں ہوا کہ بڑے بڑے علم اور فن کے ستارے اس روشنی میں ماند پڑ گئے۔ خصوصاً حضرت مولانا حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی کے سامنے مثنوی شریف کے ایک شعر کی تشریح اور حاجی صاحبؒ مرحوم پر سن کر وجدانی کیفیت طاری ہونا وغیرہ ایسے وقعات ہیں جن سے آپؒ کی شانِ علمی کا نمایاں پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ آپؒ

مولانا احمد حسنؒ سے رخصت ہوئے اور استاذ الکل مولانا لطف اللہؒ مرحوم کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ دوران قیام وہ علمی جوہر دکھائے کہ مولانا مرحومؒ کی توجہ کا مرکز بن گئے اور جب علی گڑھ کے بعض اراکین نے مولانا کے مدرسہ کو فیل کرنے کی غرض سے سخت قسم کے امتحان کی تجویز کی تو مولانا نے قبل از امتحان آزمائشی طور پر طلباء سے سوالات کیے تو آنجنابؒ کے جوابات ایسے پسند فرمائے کہ اسی دن ممتحن کے پاس روانہ کردیے۔ چنانچہ دوسرے دن معلوم ہوا کہ ممتحن مذکور نے یہ کہہ کر اراکین کالج سے امتحان لینے کے متعلق معذرت کی کہ جس مدرسہ کے طالب علم کا یہ کمال ہے اس کا امتحان لینا میرا کام نہیں۔ مولاناؒ مرحوم اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فرمایا کرتے تھے پیرزادہ جی! میرے مدرسے کی لاج تم نے رکھ لی۔ ایک موقعہ پر مولانا کے بڑے مشہور شاگرد مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی جو اس وقت دہلی میں مدرس تھے وہاں تشریف لائے اور اثنائے قیام میں علم نحو کے ایک مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ آنجنابؒ کے طرزِ بیان کو سن کر حیران رہ گئے اور آخر میں جب حکومت برطانیہ کی طرف سے لاہور یونیورسٹی کے ایک بڑے عہدے پر فائز ہوئے اور تحریک مرزائیت کے خلاف مناظرہ کے دوران میں آنجنابؒ کی تحقیق سننے کا اتفاق ہوا تو فرمانے لگے کہ یہ علوم لِدنیہ کی شان ہے جس میں اکتساب کو دخل نہیں۔ تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپؒ نے تمام انتہائی کتابوں سے فراغت پا کر تحصیلِ حدیث کے لیے سہارنپور کے مشہور شیخ الحدیث مولانا احمد علی صاحبؒ محشی بخاری شریف سے کتب حدیث شروع فرمائیں۔ دورانِ تدریس ایک دن مولانا سے کسی نے سوال کیا کہ قیامِ تعظیمی پر کیا دلیل ہے؟ آپؒ نے وہ حدیث پیش کی جس میں آیا ہے کہ حضرت سعدؓ انصاری کے آنے کے وقت حضورﷺ نے انصار سے فرمایا قوموا الی سید کم (کہ اپنے سردار کے لیے اٹھو) سائل نے پھر سوال کیا کہ ہوسکتا ہے کہ کسی اور وجہ سے اٹھنے کا حکم دیا ہو۔ قیامِ تعظیمی پر کون سا قرینہ ہے۔ مولانا مرحوم نے آنجنابؒ کی طرف دیکھا۔ آپؒ نے فوراً فرمایا کہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مشتق پر حکم کیا جاتا ہے تو اس کا مصدر حکم کی علت ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں

حضرت سعدؓ کی سیادت اور سرداری قیام کی علت ہوگی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا مقصد حضرت سعدؓ کی تعظیم کرانا تھا۔ آپؒ کے اس طرزِ استدلال کو سن کر سائل خاموش ہوگیا اور شیخ الحدیثؒ بہت ہی خوش ہوئے۔ چونکہ مولانا (آپ کا سلسلۂ اساتذہ تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتا تھا آپ نہ دیوبندی تھے اور نہ ہی آپؒ کے اساتذہ میں کوئی دیوبندی ہے) کے حلقۂ درس میں اہلحدیث طبقہ کافی ہوتا تھا۔ اس لیے مسائلِ اختلافیہ پر بارہا گفتگو ہو جاتی تھی۔ آنجنابؒ انہیں ایسے دندان شکن جواب دیتے کہ پھر اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہ جاتی۔ ان کمالات کو دیکھ کر ایک دن مولانا نے آپؒ کی اپنے مقام پر دعوت فرمائی اور بعد فراغت سندِ حدیث لکھ کر فرمایا کہ آپؒ کو زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں اپنے وطن تشریف لے جایئے اور خلقِ خدا کو مستفیض فرمایئے۔ چنانچہ آپؒ ۱۸۷۷ء میں تقریباً بیس اکیس سال کی عمر میں علومِ متداولہ سے فارغ ہو کر مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور اپنے آبائی قصبہ گولڑہ شریف میں کافی خلقِ خدا کو علم و عرفان کی نعمت سے مالا مال فرمایا۔

جذب و سلوک اور خلافت:۔

قبل ازیں گزر چکا ہے کہ اکتسابِ علومِ ظاہرہ کے ساتھ علومِ باطنہ کی طرف بھی آپؒ کی پوری توجہ رہی۔ سرکارِ ولایت حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدنا غوثِ اعظمؓ کے ارواحِ طیبہ سے بلاواسطہ مستفیض ہونے کا تذکرہ متعدد مقامات پر آپؒ کی کلامِ منظوم میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں حسب قواعدِ طریقت سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور شیخ الوقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ اور اپنے خاندان کے ایک مشہور بزرگ حضرت پیر فضل الدین شاہ قادری گیلانیؒ سے آنجنابؒ کو بیعت و ارشاد و تلقین و تربیتِ خلق اللہ کی اجازت حاصل ہوئی۔ اور ان ارواحِ طیبہ کی عنایات اور توجہات کے ساتھ ساتھ جس قدر ریاضات و مجاہدات آنجنابؒ نے کیے بلا ریب قرونِ سابقہ کے بزرگانِ دین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مہینوں کے مہینے مختلف

پہاڑوں اور جنگلات میں بسر کر کے مالوفاتِ طبعیہ سے کنارہ کش رہنا آنجنابؒ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ آخر عمر میں جبکہ عالمِ استغراق میں متواتر کئی سال سے غذا وغیرہ کو با قاعدہ استعمال فرمانے سے کافی حد تک احتراز فرمالیا تھا اور بعض اطبا نے حقیقتِ حال سے ناواقفیت کی بناء پر یہ وجہ بیان کی کہ آپؒ کی کمزوری قلتِ غذا کے سبب سے ہے تو فرمایا کہ ہرگز نہیں یہ لوگ میری مرض کی شناخت نہیں کر سکتے درویش کے لیے غذا کے بغیر گزارہ کرنا کچھ مشکل کام نہیں۔ غرضیکہ حصولِ عرفان و تحصیلِ کمالات کے ذریعے عموماً دو ہی ہیں۔ جذب وعشق اور ریاضت و مجاہدہ، جس طریقہ سے دیکھا جائے آپؒ کی ذات بابرکات یکتائے روزگار نظر آتی ہے۔

کمالات و کرامات:۔

دنیا عموماً ولایت کا معیار کرامت کو سمجھتی ہے لیکن یاد رہے کہ کرامات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ایک حسیّہ اور دوسری معنویّہ۔کراماتِ حسیّہ جیسے عام طور پر اولیاء کرام سے تصرّفات منقول ہیں۔ مثلاً ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا، دور دراز مسافت کو تھوڑے سے وقت میں طے کرلینا، توجہ سے کسی کی حاجت روائی کر دینا۔ جن کا ثبوت متعدد آیات و احادیث سے بھی ملتا ہے لیکن اس قسم کے واقعات غیر ولی سے بھی ہونے ممکن ہیں۔ چنانچہ بعض اہلِ ریاضت غیر مسلم افراد کو بھی یہ مقام حاصل تھا جسے اہلِ شرع استدراج سے تعبیر کرتے ہیں۔لیکن کراماتِ معنویہ یعنی ذوق وشوقِ الٰہی، استقامتِ شریعت اور پیغمبرﷺ کی ذاتِ بابرکات سے والہانہ عقیدت اور محبت اور ملتِ اسلامیہ پر ہر آنے والی آفت کا حتی الوسع مقابلہ کرنا۔اپنے خداداد اثر و تاثیر سے امتِ مسلمہ کو اختلاف سے نکال کر صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کی سعی کرنا، ارشادِ خلق اور گم گشتگان راہ شریعت و طریقت کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچا دینا، مشکل سے مشکل علمی اور عرفانی نکات کی تہہ تک پہنچ کر طالبانِ حق کی پیاس کو بجھانا، صبر و قناعت، تسلیم و رضا، جود و سخا، عفو و کرم، حلم و حیا جیسے مقاماتِ عالیہ سے خود پیراستہ ہو کر دوسروں کو آراستہ کرنا۔ یہ وہ انعامات

ہیں جو محض انہی حضرات کا حصہ ہیں جن پر عنایاتِ ایزدی اور فضلِ ربانی کا خاص ظہور ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو خلافتِ الٰہیہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے کمالات کے متعلق بزرگانِ دین میں یہ مشہور ہے کہ **الا ستقامة خیر من الف کرامة** یعنی آدابِ شریعت و طریقت کی پابندی ہزار دیگر قسم کی کرامتوں سے افضل ہے۔ گو آنجنابؒ کی زندگی کا ہر لمحہ اس قسم کی کرامات سے معمور نظر آتا ہے لیکن یہاں فقط چند ایک ایسے کمالات کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے جو کہ اسلام اور امتِ مسلمہ کی خیر خواہی اور جذبۂ اخلاص اور اخوتِ اسلامیہ کی بناء پر آنجنابؒ سے ظہور پذیر ہوئے۔ جن میں غور کرنے کے بعد ہر منصف مزاج انسان آپؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ردِّ مرزائیت:۔

۱۹۰۰ء کے قریب جبکہ ختمِ نبوت جیسے مسلّمہ عقیدۂ اہل اسلام میں مختلف تاویلات کے ذریعے سے مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں میں اختلاف کا ایک طوفان کھڑا کیا اور حضرت مسیح ابن مریمؑ جن کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے اور واپس قربِ قیامت میں تشریف لانے کے متعلق کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے دلائلِ متواترہ موجود ہیں، ان کی کرسی کو اپنے لیے خالی کرنے کی کوششِ بے سود کی۔ تو اِس خطرناک تحریک کو مٹانے میں جس طرح آنجنابؒ نے کارہائے نمایاں کیئے وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ تقریر و تحریر ہر لحاظ سے امتِ مسلمہ کے اس متفقہ عقیدے کو آپؒ نے دوبارہ ایسا اظہر من الشمس کیا کہ مخالفین کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اور اظہارِ حق کے لیے یہاں تک جرأت مندانہ اقدام کرتے ہوئے فرمایا کہ اس معاملہ میں اختلاف کرنے والے بھی سفید کاغذ میدان میں رکھ دیں اور میں بھی رکھ دیتا ہوں۔ جس کے کاغذ پر خود بخود غیبی تحریر ہو جائے وہی سچا سمجھا جائے گا۔ دنیا جانتی ہے کہ آپؒ کے

اس واضح چیلنج کو سن کر مخالفین دم بخود رہ گئے اور میدانِ مناظرہ میں آنے تک کی جرأت بھی نہ کر سکے۔ کتاب شمس الہدایۃ دربارۂ اثباتِ حیات مسیحؑ اور سیفِ چشتیائی وغیرہ آپؒ کی تصنیفات اس معاملہ کی زندہ مثالیں ہیں۔

ردِ نجدیت:۔

جب بارہویں صدی کے مشہور نجدی لیڈر محمد بن عبدالوہاب نجدی نے توحید کی آڑ میں ذواتِ مقدسہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے متعلق نامناسب خیالات کا اظہار کیا اور حرمین شریفین کے اہالیان کے خون اور مال سے کھیلنا شروع کیا۔ جس کی تعلیمات کے اثرات سے متاثر ہو کر بعض لوگوں نے یہاں بھی وہی سلسلہ شروع کیا اور ایک زبردست اختلاف اور فتنہ مسلمانوں میں برپا ہونے لگا تو آپؒ نے اس معاملہ میں نہایت ہی اعتدال اور انصاف کے ساتھ ان تمام مسائل پر اپنی مشہور کتاب ''اعلاء کلمۃ اللّٰہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللّٰہ'' تصنیف فرما کرامتِ مسلمہ پر بڑا احسان فرمایا۔ کتاب مذکور کے اندر غور کرنے سے اس معاملہ کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں اور ایک منصف اور حق پرست انسان کے لیے بجز تسلیم کے چارہ نہیں رہ جاتا۔ توسل، نذرونیاز، سماع موتیٰ اور علمِ غیب وغیرہ مسائل پر آپؒ نے ایسے محققانہ انداز میں قلم اٹھایا کہ بڑے بڑے علماء دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ آخر کتاب میں اس مسئلہ تکفیر کے متعلق آپؒ نے نہایت ہی متکلمانہ تحقیق فرمائی ہے جس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آج کل جیسا کہ تکفیر بازی کا بازار گرم ہے یہ اسلام میں کس حد تک معیوب ہے اور بغیر کسی خاص شرعی وجہ کے کسی مسلمان کو کافر کہنے کے کس قدر خطرناک نتائج ہیں۔

آپؒ کے بارہ سوالات:۔

آنجنابؒ کے اس قسم کے نجدیت سوز کارناموں کو دیکھ کر اس مشن کے بعض ہواخواہوں نے بجائے دلائل کا جواب دینے کے سب وشتم اور گالی گلوچ کا راستہ اختیار کیا۔

مشاہیر اولیاء کرام جیسے محی الدین ابن عربیؒ وغیرہ کے خلاف کفر تک کا فتویٰ لگانے سے بھی دریغ نہ کیا اور دس مشکل سوالات مختلف علوم سے شائع کرا کے اعلان کیا کہ پیر صاحب یا دیگر علماء اہلسنت ان کا جواب دیں۔ آپؒ نے اثنائے سفر میں صرف چند گھنٹوں کے اندر فقط ان دس سوالات کے جوابات پر ہی اکتفا نہ فرمایا بلکہ اپنی طرف سے اسی نوعیت کے پورے ایک سو ایک (۱۰۱) سوال تیار فرمائے۔ لیکن ان میں سے فقط بارہ سوالات شائع فرما کر آخر میں تحریر فرما دیا کہ "چونکہ جواب سے جواب ہی ہوگا لہٰذا اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے" جب اتنی بڑی جماعت کے خلاف اس قدر زبردست پیشن گوئی کرنے سے بعض احباب نے اظہار پریشانی کیا تو فرطِ جوش میں آ کر فرمایا کہ "اگر وہ لوگ کسی بھی سوال کا جواب لکھ دیں تو جن انگلیوں سے میں نے سوالات لکھے ہیں وہ کٹوا دوں گا" چنانچہ آپؒ کا ارشاد حرف بحرف سچا ہوا۔ یار لوگوں نے اپنے نجدی ہم خیال لوگوں کے تعاون سے ہر ممکن کوشش کی مگر جوابات پر قادر نہ ہو سکے۔ جناب قاری عبداللہ جو مکہ شریف میں مقیم تھے ان سے معلوم ہوا کہ جب آپؒ کے سوالات وہاں حجاز شریف میں پہنچے تو علماء حجاز کے متعدد اجلاس ان کے حل کے لیے منعقد کیے گئے مگر بجز حیرت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آنجنابؒ کے ان سوالات و جوابات کو دیکھ کر فقط ہندوستان ہی نہیں بلکہ ممالک عربیہ عراق، مصر اور ترکستان تک کے علماء کرام عش عش کر اٹھے۔ یہ ذخیرہ رسالہ "الفتوحات الصمدیہ" میں طبع ہو کر آج تک منظر عام پر جلوہ فرما ہے۔

آنجنابؒ کی اعتدال پسندی:۔

علاوہ ازیں شیعہ سنی اور مقلد غیر مقلد کے مابین اختلافات کے وجوہ اور ہر فریق کے بعض متعصبانہ خیالات کی تردید اور ان سب فِرَقِ اسلامیہ میں ہم آہنگی اور اتحاد پیدا کرنے کے متعدد نمونے آپؒ کے ملفوظات اور مکتوبات میں ملتے ہیں۔ جہاں ایک طرف شیعہ حضرات کے اس خیال کی آپؒ نے زبردست تردید فرمائی ہے کہ خلافت بلافصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کا حق تھا اور نعوذ باللہ خلفاءِ ثلاثہ علیہم الرضوان ناحق تھے وہاں ان متعصب سُنیوں کے اِس نظریہ کی بھی تردید فرمائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہر لحاظ سے خلفاءِ ثلاثہ سے پیچھے تھے۔ حالانکہ متعدد احادیث سے آنجناب کا علم و حلم، جود و سخا اور بعض دیگر اوصافِ کاملہ میں یکتائے روزگار ہونا اظہر من الشمس ہے اور جہاں آپ نے جناب سید الشہداء کے مصائب و مناقب کو صحیح طور پر بیان کرنے اور سننے کو مودتِ اہلبیت کے لوازمات سے شمار فرمایا۔ وہاں غلط سلط روایات کا عترتِ رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے وقتی طور پر لوگوں کے جذبات کو ابھارنا معیوب قرار دیا اور جو لوگ یزید اور ابن زیاد وغیرہ دشمنانِ اہلبیت کی صفائی کرتے ہوئے اتنا کہنے سے بھی نہیں شرماتے کہ کیا ہوتا اگر حضرت امام عالی مقامؓ یزید کی بیعت کر لیتے۔ ان کی تردید کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یزید اور دیگر اشقیاء جنہوں نے عترتِ رسول ﷺ پر مصائب کے پہاڑ ڈھائے ازروئے حدیثِ صحیحہ ایذا دہندگانِ رسول ﷺ ہیں اور مستحقِ لعنت ہیں۔ لیکن کسی فرد یا قوم پر لعنت کو ضروریاتِ مذہب سمجھ کر یہی رٹ لگانے کے بجائے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی آلِ پاک پر درود بھیجنا افضل ہے کسی کے ملعون ہونے کے متعلق دلائلِ شرعیہ کی وجہ سے عقیدہ رکھنا اور بات ہے اور اس پر لعنت کرنے کو مشغلہ بنا لینا اور بات ہے نیز حدیثِ مشہور جس میں حضور ﷺ نے اسلام کے اندر بارہ خلفاء ہونے کے متعلق خبر دی ہے۔ شیعہ حضرات اسے اپنے مذہب کے اثبات کے لیے ایک اٹل دلیل سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد بارہ ائمہ اہلبیتِ کرام ہی ہیں۔ اس حدیث کی آنجنابؒ نے ایسی عجیب تشریح فرمائی ہے کہ ہر فرقے کا منصف مزاج آدمی پڑھ کر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ غلبۂ ادب کی وجہ سے بعض احادیث پر بغیر تاویل کے عمل کرنا جیسا کہ بعض متقدمین سلف صالحین سے منقول ہے چنداں معیوب نہیں لیکن حضرات ائمہ مجتہدین کو انکارِ حدیث سے متہم کرنا اور ان کی خدماتِ دینیہ سے بالکل منہ موڑ لینا جیسا کہ بعض متعصب غیر مقلدین کا شیوہ ہے نہایت نامناسب رویہ ہے۔ واقعات اور تاریخ اس امر پر شاہد ہیں کہ حضرات ائمہ مجتہدین نے جو کچھ کیا نہایت خلوص اور دیانت کے ساتھ کیا۔ نعوذ باللہ ایسے خادمانِ دین کے متعلق یہ نظریہ رکھنا سراسر انصاف کے خلاف ہے۔

نظریۂ وحدت وجود:۔

صوفیائے اسلام کے نظریہ وحدتِ وجود جس پر اکثر مشاہیر اولیاء کرام ایک ہزار ہجری تک متفق چلے آئے ہیں اور ہر مسلک اور مشرب کے اربابِ حال کی کلام اس سے مملو نظر آتی ہے۔ جن میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ، امام عبدالوہاب شعرانیؒ، حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، حضرت غریب نواز اجمیریؒ، حضرت محبوب الٰہی دہلویؒ، حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت مجددالف ثانی سرہندیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے متعلق بعض متاخرین مشائخ نے مجدد الف ثانیؒ کی کچھ تحریرات سے اس قسم کے نتائج برآمد کیے جن کی وجہ سے اس گروہِ صدق وصفاء میں کافی اختلاف کا احتمال پیدا ہو گیا تھا۔ علاوہ ازیں بعض اربابِ تصوف نے غلبۂ حال کی وجہ سے اس کشفی مسئلہ کو کلمۂ توحید کا مرادی معنی قرار دے کر تمام امتِ مسلمہ کو اسی کا مکلف ہونے پر زور دیا اور جو اس کا قائل نہ ہوا سے مشرک و کافر تک لکھ دیا۔ چنانچہ شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی کی کتاب ''کلمۃ الحق' اس امر کی پوری تصدیق کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امر سے امتِ مسلمہ کے اکثر افراد کا کلمۂ توحید کے معنی پر ایمان رکھنے سے محروم ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ یہ مقام فقط حال سے تعلق رکھتا ہے اور سوائے اولیاء کرام اور عرفاء عظام کے ہر کس و ناکس کی رسائی اس تک مشکل ہے۔ آنجنابؒ نے اس خطرہ کو بروقت محسوس فرماتے ہوئے اپنی معرکتہ الآراء کتاب ''تحقیق الحق فی کلمۃ الحق'' تصنیف فرما کر ان سب خطرات کا سدِ باب فرما دیا۔ کتاب کیا ہے علم و عرفان کا ایک بحرِ ذخار ہے، جس کے پڑھنے سے مصنف کے عرفانی کمالات کا پتہ چلتا ہے۔ مفتی محمد حسن مرحوم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اپنے شیخِ طریقت مولوی اشرف علی تھانوی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر پیر صاحبؒ یہ کتاب تصنیف نہ فرماتے تو اہل ظاہر کے لیے کلمۂ توحید پر اپنا ایمان ثابت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ کیونکہ مصنف ''کلمۃ الحق'' نے کتاب و سنت اور لغت و بلاغت کے دلائل قاہرہ سے

یہ ثابت کر دیا تھا کہ کلمہ طیبہ کا مفہوم توحیدِ وجودی میں ہی منحصر ہے جس کے بغیر ایمانِ شرعی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا اور واقعی بات ہے کہ اگر حضرت قبلہ عالمؒ جیسے محقق عارف اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے تو علماء ظاہر میں سے کسی کو بھی کتاب مذکورہ کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہوسکتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کے اس اصولی کلمہ طیبہ میں اہل اسلام کے دو بڑے گروہوں میں تصادم پیدا ہو جاتا جس کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے۔ آنجنابؒ نے ایک طرف لکھنوی کے دلائل کے دندان شکن جوابات دے کر دلائل اور براہین سے یہ ثابت فرمایا کہ کلمہ توحید کا وہ معنی جس پر زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام اہل اسلام متفق چلے آئے ہیں ایمان شرعی کے حاصل کرنے اور کفر و شرک سے نجات پانے کے لیے وہی کافی ہے البتہ اس مفہوم ظاہری کے ساتھ ایک باطنی مفہوم کی طرف بھی اشارہ موجود ہے اور کتاب وسنت کے بعض اشارات بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو کہ محض اربابِ باطن، حضراتِ اہل اللہ کے مکشوفات سے ہے اور اس کا انکار کرنا کفر نہیں۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ اس قدر مشاہیر اولیاء کرام کے متفقہ نظریہ کو محض کم فہمی کی بناء پر خلافِ شرع اور غلط کہنے میں سوء خاتمہ اور شقاوت وحرمان کا خطرہ ضرور ہے۔ دوسری طرف آپؒ نے اس مسئلہ کی مکمل تشریح اور تفسیر فرما کر علماء ظاہر کے بعض بے محل اعتراضات کا پردہ چاک کر دیا جو کہ کم فہمی کی بناء پر ہر دور میں اِس نظریہ کشفیہ کے متعلق وارد کیے جاتے رہے ہیں علاوہ ازیں وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کے درمیان فرق اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کلام سے بعض پیدا شدہ شبہات کا مکمل جواب تحریر فرما کر اس نو پیدا اختلاف کو بھی کافی حد تک ختم کر دیا جو صوفیائے وجودیہ اور شہودیہ کے مابین پیدا ہو رہا تھا۔ کتاب مذکور کے علاوہ آپؒ کے مکتوبات اور ملفوظات میں بھی اس موضوع پر کافی ذخیرہ موجود ہے جو کہ اربابِ ذوق کے لیے موجب بصیرت ہے۔

مسلمانانِ ہند کی سیاسی رہنمائی:۔

جنگِ بلقان کے زمانہ میں جب مسلمانانِ ترکستان حکومت برطانیہ سے برسرِ پیکار

تھے تو ہندوستان کے اکثر اکابر نے ہجرت کی تحریک۔ شروع کی۔ آپؒ نے بمعہ بعض دیگر اکابرِ ہند، اس تحریک کی زبردست مخالفت کی اور اس کے خطرناک نتائج سے مسلمانوں کو بروقت متنبہ کیا۔ اربابِ تحریک نے مختلف قسم کے غلط الزامات عائد کیے حتیٰ کہ حکومت برطانیہ کی ہمنوائی سے بھی مطعون کیا مگر آپؒ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ تحریک والوں کی طرف سے بعض خصوصی نمائندے تبادلۂ خیال کے لیے حاضرِ خدمت ہوئے مگر آپؒ کے دلائل کے سامنے بجز خاموشی کے چارہ نہ رہا اور اُلٹا اکابرینِ تحریک کی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے اور بات بھی معقول تھی۔ کیونکہ شرعی لحاظ سے جہاں پر شعائرِ اسلام کے ادا کرنے سے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض نہیں اور ہندوستان سے ہجرت کرنے کی نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ جس سے علاوہ کسی اسلامی مفاد حاصل نہ ہونے کے یہ زبردست خطرہ بھی موجود تھا کہ اگر بانیانِ تحریک کی خواہش کے مطابق تمام مسلمان یہاں سے بستر بوریا باندھ کر چل کھڑے ہوتے تو اس غربتِ اسلام کے دور میں پھر کہاں سے لا کر اس ملک میں سابقہ روایات کو قائم کرتے۔ الحمدللہ اس نازک دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے آنجنابؒ جیسے دور اندیش اور مفکرِ اسلام نے میدان میں قدم رکھ کر ان خطرناک نتائج سے کافی حد تک مسلمانوں کو محفوظ کر لیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد دنیا پر واضح ہو گیا کہ آنجنابؒ کا مسلک بالکل صحیح اور اسلامی نظریات کے عین مطابق تھا۔ اس جنگ کے بعد جذبۂ آزادی سے متاثر ہو کر جب اہلِ ہند نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا تو اِس بے معنی اتحاد کے مخالفین میں سے آنجنابؒ پیش پیش تھے۔ اس موضوع پر آپؒ کا مفصل کلام مکتوباتِ مطبوعہ میں موجود ہے جو کہ لکھنؤ کے مشہور عالم مولانا عبدالباری فرنگی کے استفسار پر آپؒ نے تحریر فرمائی اور مسلمانانِ ہند کو شرعی طریقہ سے آزادی حاصل کرنے کا طریقہ کار متعین فرما کر انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کرنے کو شرعی لحاظ سے غلط ثابت کیا۔ چنانچہ تحریکِ کانگرس میں شمولیت کے متعلق آپؒ کا فتویٰ مکتوباتِ مذکورہ میں اب تک موجود ہے جس میں آپؒ نے تصریح فرمائی

ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ شمولیت ہرگز درست نہیں۔

حکومتِ برطانیہ سے استغناء اور بے باکی:۔

اور طرفہ یہ کہ ایک طرف اس قسم کی تحریکوں کی مخالفت فرما کر مسلمانوں کو ان کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا اور دوسری طرف حکومتِ برطانیہ کو اس اختلاف سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ چنانچہ آج تک آپؒ کے وہ خطوط موجود ہیں جن کے اندر کھلے الفاظ میں انگریز افسروں کو متنبہ کیا گیا کہ ان تحریکوں کی مخالفت سے میرا مقصد حکومتِ برطانیہ کا تعاون ہرگز نہیں اور نہ اس قسم کی توقع مجھ سے رکھی جائے۔ انگریزوں کے متعدد نمائندے جاگیر وغیرہ کی پیشکش کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے مگر آپؒ نے سب کو ٹھکرا دیا۔ حتیٰ کہ جب دہلی دربار میں جارج پنجم کے اعزاز کے لیے اکثر اکابرِ ہند شامل ہوئے تو آپؒ نے اس حاضری کو اسلامی وقار کے خلاف تصور کرتے ہوئے صاف انکار فرما دیا۔ اس قسم کے واقعات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آپؒ کا دامنِ تقدس انگریزوں کی ہمنوائی کے اتہام سے بالکل مبرّا تھا اور آپؒ نے جو کچھ بھی کیا وہ فقط اسلامی نظریات کی بناء پر ظہور میں آیا۔ اسی سلسلہ میں ایک انگریز افسر کی جاگیر کے متعلق پیشکش کے جواب میں آپؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''مجھے حکومت کی طرف سے جاگیر کی ضرورت نہیں بلکہ مشرق سے لے کر مغرب تک سارا جہان ہمارے جدِّ امجد سیّدنا غوثِ اعظمؓ کی جاگیر ہے جو ہماری وراثت ہے''۔ آنجنابؒ کے ان جرأت مندانہ اقدامات اور استغناء و توکل کے محیّر العقول واقعات کے پیش نظر جمہور اہل اسلام کے علاوہ متعدّد غیر مسلم انگریز، ہندو، سکھ وغیرہ بھی آپؒ کو اسلام کا ایک سچا پیروکار اور نہایت باخدا انسان سمجھ کر عقیدت سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ اس دورِ اختلاف میں بھی آپؒ کے علاوہ کسی ہستی پر اسلامی فرقوں کا اس قدر اتحاد اور اتفاق نظر نہیں آتا۔ شیعہ، سنی، غیر مقلد دیوبندی، بریلوی علماء دین اور مغربی تعلیمی طبقہ کے اکثر منصف افراد آپؒ کی حقانیت اور خلوص کے سچے دل سے

معترف ہیں اور اسی وجہ سے آپؒ کا حلقۂ اثر پاک اور ہند کے علاوہ برما، افغانستان، عراق و عرب، ترکستان وغیرہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جس پر زائرین دربار کی کثرت اور اعراسِ مشائخ پر بے نظیر اجتماعات کافی شاہد ہیں۔ یہ ہیں آپؒ کے دینی اور ملی خدمات کے چند اہم کارنامے۔ علاوہ ازیں علومِ شرعیہ اور معارف و اسرار کی معرکۃ الآراء کتابوں کی تدریس اور احیائے اسلام و تصوّف کے دیگر واقعات اگر تفصیلاً ذکر کیے جائیں تو ایک دفترِ طویل بھی ناکافی ہے۔ آپؒ حضرت شیخ اکبرؒ جیسے محقق صوفیائے اسلام کی پیچیدہ سے پیچیدہ کتابوں کا ایسا درس دیتے تھے کہ سامعین جو علماء و فضلاء ہوتے وہ محوِ حیرت ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آنجنابؒ اور آپؒ کے مشائخ علیہم الرّضوان کے صدقے جملہ اہل اسلام کو راہِ راست پر قائم رکھے۔

وفاتِ حسرت آیات:۔

آنجنابؒ نے اگرچہ عمر شریف کے آخری دس سال میں زیادہ تر کام اور سفر وغیرہ ترک فرما دیا تھا تاہم متعلقین اور متوسّلین پر اس قدر شفقت رہی کہ بعض اوقات کچھ نہ کچھ کلام بھی فرما لیتے اور تھوڑا بہت چلنا پھرنا بھی گوارا فرما لیتے۔ جب آپؒ کے فرزندِ ارجمندؒ غالباً ۱۹۲۹ء میں حج سے واپس تشریف لائے تو چند قدم اٹھ کر نہایت محبت سے ملے اور فرمایا تم ایسی جگہ سے آئے ہو جس کی وجہ سے میرے لیے یہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ اور ویسے بھی کمال شفقت کی وجہ سے آپؒ کے دورانِ سفرِ حج کبھی کبھی آپؒ کے احباب کے پاس جو میرا میں رہتے تھے، تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے کہ وہ تو نہیں چلو اس کے دوستوں کی ملاقات کر لیں۔ ۱۹۳۱ء میں آپؒ پر بالکل ہی حالتِ محویت اور استغراق طاری ہو گیا۔ غذا بالکل متروک ہو گئی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ مولوی محبوب عالم زائرین کی معروضات کو کئی کئی دفعہ پیش کرتے تب آپؒ حسب ضرورت کسی وظیفہ کا ارشاد یا دعائے حصولِ مقاصد فرماتے۔ آخر ۱۹۳۷ء کی اندوہگیں گھڑیاں قریب آنے لگیں جن کے متعلق ایک باخدا آدمی نے آپؒ کے فرزندِ ارجمند کو

بموقعہ حج پہلے ہی مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی سال اپریل سے زائرین کی تعداد معمول سے زیادہ ہونی شروع ہوئی۔ مئی کے پہلے ہفتے میں بخار کی علامات نمودار ہوئیں اور آخری دو تین دن تو یہ حالت تھی کہ بار بار ہاتھ مبارک سر کی طرف اٹھاتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کسی کا استقبال فرما رہے ہیں۔ آخر سہ شنبہ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء بوقت عصر ساڑھے پانچ بجے آپؒ نے خفیف تبسم سے حاضرین کو ذوق آشنا فرماتے ہوئے اسم ذات اللہ فرمایا اور قبلہ رخ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر آنجنابؒ کے فرزندِ ارجمند قدس سرّہٗ کا حوصلہ اور ضبط باوجود نہایت رقیق القلب ہونے کے توفیق الٰہی سے عملی صورت میں رونما نہ ہوتا۔ تو مصیبت زدگانِ فراق کا اس واقعہ ہائلہ سے وہ حشر ہوتا کہ تجہیز و تکفین کے وقت زائرین کے جذبات کو روکنا ممکن نہ ہوتا۔ اس اندوہگیں واقعہ پر آپؒ ہی کی وہ ذات تھی جس نے تشفی بخش کلمات اور ضبط و استقامت سے تجہیز و تکفین کا مناسب انتظام فرمایا اور قبلۂ عالمؒ کے جسم اطہر کو شرعی غسل دے کر رات کو برائے زیارتِ اہلِ بیت حرم سرا پہنچایا گیا۔ دوسرے دن ایک بجے سے چھ بجے تک قبلۂ عالمؒ کی چارپائی مبارک کو آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ کے صحن میں اونچے تخت پر رکھا گیا تا کہ مخلوق آسانی سے زیارت کر سکے۔ یوم چہار شنبہ یکم ربیع الاوّل ساڑھے چھ بجے شام نماز جنازہ مولانا قاری غلام محمد خطیب جامع مسجد آستانہ عالیہ کی امامت میں ادا کی گئی۔ جنازہ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اندازہ لگایا گیا جس میں دوسرے مذاہب کے لوگ ہندو، سکھ وغیرہ کثیر تعداد میں شریک تھے اور سب سے پچھلی صفوں میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔

آٹھ بجے شام حضور قبلۂ عالمؒ کا جسمِ اطہر مسجد شریف کے جنوبی باغ میں روپوش ہو گیا۔

؎ صورت از بے صورتی آمد بروں　　　باز شد انا الیہ راجعوں

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب کے مصنف قدس سرہٗ کی ذاتِ ستودہ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

بلا ریب آں جناب مُسلم شریف کی اس حدیث کے کامل تر مصداق ہیں جس میں حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو محبوب اور پسند فرما لیتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بُلا کر فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُسے دوست رکھ۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر آسمان میں ندا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتے ہیں تم بھی اسے دوست رکھو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اُس سے محبت کرتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین میں مستقر کر دی جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر جب وہ کامل انسان کمالِ اتباعِ محمدی کی وجہ سے یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہ کے مقام پر فائز ہو کر خالقِ کائنات کا محبوب ہو جاتا ہے تو تمام کائنات میں اس کی محبت کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ذیل بیّن شاہد ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ط (الآیۃ) (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے (مخلوقات میں) محبت پیدا فرما دے گا) اِس لیے جہاں آپ بریلوی مکتبِ فکر کے علماءِ کرام میں ایک عارف محقق اور عالم مدقق تسلیم کیے گئے ہیں۔ وہاں دیوبندی طبقہ کے اکابر علماء بھی آنجناب کے علم وعرفان کے ثناخوان نظر آتے ہیں۔ اور ان دو بڑے اسلامی فرقوں کے علاوہ دیگر اسلامی اور غیر اسلامی فرقوں میں بھی آپ ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے جنازہ میں تقریباً ہر مسلک کے مسلمانوں کے ساتھ بعض غیر مسلم افراد کو بھی صفوں کے پیچھے روتے ہوئے یہ کہتے سُنا گیا کہ آپ جگت پیر یعنی سارے جہان کے پیر ہیں۔ اور ایسی عالم گیر مقبولیت کی حامل ہستیاں دُنیا میں بہت کم ہُوا کرتی ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

گو آنجناب کے سوانح وحالات کو کماحقہ منظرِ عام پر لانا ایک مشکل کام ہے۔تاہم اس ناچیز کی مرتب کردہ آنجناب کی سوانح حیات مہرِ مُنیر کے پڑھنے سے کچھ نقاب کُشائی ہوتی ہے۔

آنجناب کے فیوض وبرکات کے دریائے بے کراں سے ایک عالم مستفیض ہوا۔اور علم وعرفان کی ہزاروں پیاسی روحوں نے حاضرِ خدمت ہوکر اپنی پیاس بُجھائی۔جن کے سینہ ہائے بے کینہ سے پھر ایک خلقِ خُدا نے استفاضہ کیا۔نیز تصنیفات،مکتوبات وفتاویٰ کا ایک ایسا غیر فانی ذخیرہ آپ نے چھوڑا جو رہتی دُنیا تک متلاشیانِ حق کے لئے خضرِ راہ کا کام دے گا۔چُنانچہ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اس کی وجہ تالیف خود آنجناب کے اپنے الفاظ میں خطبہ سے ظاہر ہے جس کی اہمیت اور افادیت ہر ذی بصیرت پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔کتاب ہذا میں جو ایک مقدمہ،تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے ارشادِ الٰہی وَ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ کے ساتھ اس کے متعلقہ سوالات وجوابات،نذر ونیاز کا معنی اور اقسام سماعِ موتی،غیب پر اطلاع،توسّل اور ذبح فوق العقدہ،لزوم والتزامِ کفر کے درمیان فرق،کسی کلمہ گو کی تکفیر وغیرہا جیسے اہم مسائل کو نہایت ہی محققانہ اور منصفانہ انداز میں بیان فرما کر مسلمانوں کے مابین اختلاف اور تشدد کو کافی حد تک ختم کرنے میں آنجناب نے ایک زرّین اسلامی خدمت سرانجام دی ہے۔جزاہ اللّٰہ تعالیٰ عنا و عن سائر المسلمین۔کتاب کی اہمیت اس امر سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ خاندان ولی اللّٰہی کے چشم وچراغ حضرت خاتم المحدثین جناب شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ایک معاصر عالم مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی اور اُن کے متبعین کے درمیان مدت سے مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں جو اختلاف چلا آرہا تھا جس کی وجہ سے بہت سے لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہوکر تفرقہ کا شکار ہورہے تھے۔کتاب ہذا میں آنجناب نے اختلاف مذکور پر محاکمہ فرما کر اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو کافی حد تک روک دیا۔اور یہ آپ کی خصوصیات سے ہے کہ جہاں آپ کسی بھی شخصیت کی دینی خدمات اور علمی کمالات کے معترف اور مداح ہیں وہاں اگر اس سے حق کے خلاف کوئی بات نظر آئی تو نہایت

ہی مؤدبانہ طور پر اس کی تردید کے ساتھ مسلکِ حق کو اس انداز میں بیان فرمایا کہ منصف کے لئے چون و چرا کی گنجائش باقی نہ چھوڑی جیسا کہ کتاب ہذا اور آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف تحقیق الحق اور تصفیہ مابین سنی وشیعہ سے یہ امر پورے طور پر واضح ہوتا ہے حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختمِ نبوت جیسے اہم اصولی مسائل کے متعلق آپ کی کتاب سیفِ چشتیائی شہرۂ آفاق بن چکی ہے۔
فروعی مسائل میں عموماً آپ نے وہاں قلم اُٹھایا جہاں فریقین میں افراط وتفریط کی وجہ سے اصولی اختلاف کی نوعیت پیدا ہوگئی۔ یعنی ایک فروعی اجتہادی مسئلہ کی بناء پر ایک فریق نے دوسرے کی تکفیر و تفسیق شروع کر دی ایسی صورت میں آپ جیسے حکیم الاُمّت کا سکوت ممکن نہ تھا جیسا کہ آپ کے فتاویٰ، مکتوبات اور ملفوظات سے واضح ہے۔ چونکہ کتاب ہذا عربی فارسی عبارتوں کے علاوہ بعض مشکل مضامین پر مشتمل ہے اس لئے راقم الحروف نے آسانی کے لئے سابقہ ایڈیشن کی طرح موجودہ ایڈیشن میں اُردو ترجمہ کے ساتھ بعض وضاحتی نوٹ بھی دے دیئے ہیں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ راقم الحروف اور حضرتؒ کے نیاز مندان محمد حیات خان اور محمد فاضل خان جنہوں نے اس طبع میں خاص تعاون کیا اور سب قارئینِ کرام کو دینِ اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان کے ساتھ دُنیا سے رُخصت فرمائے۔ آمین!

نیاز مند:۔ فیض احمد فیض عفی عنہ
جامعہ غوثیہ۔ گولڑہ شریف

ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ
مُطابق ستمبر ۱۹۸۴ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیمؕ

اَلْحَمْدُ[1] لِلّٰہِ الَّذِی قَضیٰ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اِیَّاہُ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَ حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ جَآءَ مِنْ عِنْدِہٖ بِمَا اَمَرَ وَنَھٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْ ھُمْ بِاِحْسَانِ ابْتِغَاءَ لِمَرْضَاۃِ رَبِّھِمُ الْاَعْلٰی۔

اما بعد می گوید ملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ جعل آخرتہ خیر امن اولہ چونکہ در حلّ و حُرمتِ جانور منذ ور و نام نہاد اولیاء اللہ از عرصۂ دراز اختلافے میانِ علماء دین شکر اللہ سعیہم رُوئے دادہ و متبعانِ ہر دو فریق کہ در سخن فہمی یا دیانت و تقوےٰ بہرہ وافی و حظِّ کافی نمی دارند مسلک افراط و تفریط رامے گیرند۔ بعضے می گویند کہ جانورے کہ برائے فاتحہ بزرگان شہرت دادہ شُد یا طعامے کہ بنامِ اوشاں تشہیر یافتہ بوجہ داخل بُودن اودر عموم وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ مُطلقاً حرام است۔ گروہے

اما بعد ملتجی الی اللہ (قبلہ و کعبہ حضرت خواجہ سیّد پیر) مہر علی شاہ (رحمۃُ اللہ علیہ) وجعل آخرتہ خیر اُمن اُولہٗ فرماتے ہیں کہ مُدت مدید و عرصۂ بعید سے عُلماء کرام شکر اللہ سعیہم کا اولیاء اللہ کے نذر کیے ہوئے جانور کی حِلّت و حُرمت کے بارے میں اختلاف چلا آتا ہے اور فریقین کے وہ متبعین اور پیَر و جو سخن فہمی یا دیانت اور تقویٰ سے پُوری طرح بہرہ ور نہیں ہیں افراط اور تفریط کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ ایک فریق کا خیال ہے کہ جس جانور پر اولیاء اللہ کا نام لے لیا جائے یا کسی طعام کو اُن کی فاتحہ کے لئے مشہور کر دیا جائے کہ یہ فلاں بزرگ کی نیاز اور فاتحہ کے

---

[1] سب تعریف اُس خُدا کے لئے ہے جس نے فیصلہ فرمادیا کہ ہم نہ تو اُس کے سوا کسی کی عبادت کریں اور نہ اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور درُود و سلام اُس کے رسول و حبیب جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر جو خُدا کی طرف سے وہ چیز لائے جس کے ساتھ امر و نہی فرمایا۔ آپ اپنی خواہش سے نہیں کہتے وُہ تو وحی الٰہی ہے جو اُن پر القا ہوتا ہے اور آپؐ کے آل و اصحابؓ پر اور ان لوگوں پر جنھوں نے سچے دل سے خدائے بزرگ و برتر کی رضا طلبی کے لئے آل و اصحابؓ کی پیروی کی۔ (مترجم عفی عنہ)

دیگر ذبح علی القبور رابعد ازاں کہ بنامِ خُدائے عزوجل باشد مطلق حلال مے دانند گو کہ درقصدِ آں ذابح مقصود ازاں تقرب لغیر اللہ بُود۔

لئے تیار کیا گیا ہے تو وُہ ازرُوئے وَمَـا اُهِـلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ مطلقاً حرام ہے۔ دُوسرا فریق اُس جانور کو جو اولیاء اللہ کے مزارات پر لے جا کر اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جاتا ہے مطلقاً حلال کہتا ہے خواہ اُس ذابح کا ارادہ تقرب لغیر اللہ کا ہی کیوں نہ ہو۔

بنا برآں محرر سطور عفی عنہ ربہ الغفور سطرے چند در بیان مسئلہ مذکورہ حسب فہم ناقصِ خود بسلکِ تحریر آوردہ تا کہ دیگر مُسلمانان افراط وتفریط آں صاحباں رابگوشِ حق نیوشِ خود جانند ہندو ایں رسالہ ایست اخوان الصفا رانافع وعجالہ ایست عساکر وساوس رادافع مشتمل برمقدمہ وسہ باب وخاتمہ۔

لہٰذا محرر السطور عفی عنہ ربہ الغفور مذکورۃ الصدر مسئلہ کی تحقیق کے لئے چند سطریں تحریر میں لاتا ہے تا کہ عام مُسلمان اس افراط وتفریط سے بچ جائیں۔ یہ رسالہ سچے دوستوں کے لئے نافع اور شیطانی وساوس کے لشکروں کا دافع ہے۔ اس کے ابتداء میں مقدمہ پھر تین باب اور آخر میں خاتمہ ہے۔

بے بہرگی از علم ومحرومی از تقویٰ گو کہ ایں بے ہیچ رانیز اجازتِ ایں مہم عظیمُ الشان نمے داد چہ ایں منصبے ست شایان باہل الذکر کہ ماموریم بسوال ازوشاں و منصہ ایست برائے وارثان اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا کہ عندالاختلاف مجبوریم بآوردن رُوئے خُود بدوشان پس کسے کہ تہی دست است ازیں وآں اوراچہ حاصل بغیر از سخرہ وریشخندی اہلِ زمان۔ لکن باصرار بعضے ازمُخلصانِ قلبی وعنایت فرمایانِ دلی اعنی جناب مخدومی

اگرچہ علم وتقویٰ سے محرومی اس ناچیز کو بھی اس عظیم الشان مہم کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کیونکہ یہ منصب اُن اہلِ ذکر کی شان کے لائق ہے۔ جن سے حسبِ ارشادِ الٰہی (**فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**) ہمیں سوال کرنے کا حکم ہے اور یہ میدان اُن اہل تقویٰ کے لئے ہے جو حسبِ فرمانِ الٰہی اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (اگر تم خُدا سے ڈرو گے تو تمہارے لئے (حق و باطل کے مابین) امتیاز پیدا فرمادے گا) ایسے ربانی علوم کے وارث ہیں جن کی طرف بوقتِ

امیر حمزہ صاحب برادرِ حقیقی اُستاذی و مولائی کشاف معضلات حقائق، حلالِ مشکلاتِ دقائق، ماہرِ منقول و معقول، واقفِ فرُوع و اصول، اُسوۂ علماء امصار، قدوۂ فضلاء اعصار، مرکزِ دائرۂ ارشاد، محورِ کرۂ سداد، سباحِ دریائے درایت، سیاحِ بیداء روایت، قاضی قضایائے معضلہ، مُفتی فتاوائے مشکلہ، مقتدانا الاجل، مولانا و مولی الکل، ابُو البرکات، ماحی البدعات، جناب مولوی محمد شفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ و اعنی جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب و جناب مولوی منہاج الدین صاحب و جناب مولوی عبدالمجید صاحب و جناب مولوی فیروز الدین صاحب مجبُورانہ قلم برداشتم متوکلاً علی ملہم الصدق والصواب و الیہ المرجع والمآب۔

اختلاف توجہ کرنے پر ہم مجبور ہیں۔ جو شخص ان دونوں یعنی علم اور تقویٰ سے خالی ہوا اُسے جگ ہنسائی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ مگر بعض مخلصین و عنایت فرمایانِ دِلی یعنی مخدُومی امیر حمزہ صاحب برادرِ حقیقی اُستاذی و مولائی ابُو البرکات ماحی البدعات جناب مولوی محمد شفیع صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب و جناب مولوی منہاج الدین صاحب و جناب مولوی عبدالمجید صاحب و جناب مولوی فیروز الدین صاحب رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اصرار پر خُدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے جو سچائی اور صواب کا الہام فرمانے والا ہے اور اُسی کی طرف مرجع اور واپسی ہے، مجبوراً قلم اُٹھایا۔

☆☆☆☆☆☆

مُقدِّمہ

دربیانِ بعضے امُور کہ دانستن آنہا ضرُوری است۔ بدانکہ تفسیر القرآن بالقرآن مقدم است برہمہ طرقِ تفسیر۔ بعد ازاں تفسیر بالسُّنۃ چہ آں شارح وموضح است برائے قرآن پس ازاں تفسیر باقوالِ صحابہ کرامؓ خصوصاً اعیان اوشاں مثل خُلفاء اَربعہ، عبداللہ بن مسعُود و عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم واما تفسیر تابعین وتبع تابعین پس اگرہست ازطریق روایت نظر کردہ شود درصحت آں طریق و اگر محض بالرائے باشد۔ فلیس بحجۃ ومفسران از تابعین مجاہد بن جبر از تلامذہ ابن عباس کہ بُخاری وشافعی برتفسیر اواعتماد نمودہ است و سعید بن جبیر وعکرمہ مولی ابن عباس و طاؤس بن کیسان یمانی وعطاء ابن ابی رباح ایں ہمہ ازعلماء مکہ مکرمہ واصحاب ابن عباس بُودہ اند رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و اصحاب ابن مسعود کہ علماء کُوفہ اند نیز ازتابعین اند رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثل علقمہ بن قیس واسود بن یزید وغیرہما۔ بداں کہ تفسیر بالرائے جائز نیست بخلاف تاویل کہ آں درست است تفسیر آں راے گویند کہ لغیر ازنقل دانستہ نشود مثل اسباب

اُن امور کے بیان میں جن کا جاننا ضروری ہے۔ واضح ہو کہ تفسیر کے تمام طریقوں میں سے اول درجہ تفسیر القرآن بالقرآن کا ہے۔ (یعنی ایک آیت شریف کا معنی سمجھنے میں دُوسری آیت سے مدد لی جائے۔ کیونکہ **اِنَّ الْقُرْاٰنَ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضاً** ۔ بعض قرآن بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ (مترجم) دوسرا درجہ تفسیر **بِالسُّنَّۃ** کا ہے۔ یعنی حدیث شریف نے جو قرآن کے جو معانی بتلائے ہیں۔ تیسرا درجہ صحابہ کرام کی تفسیر کا ہے۔ خصوصاً کبار صحابہ مثلاً خلفائے اربعہ اور عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کا مرتبہ ہو گا۔ چوتھا درجہ تابعین اور تبع تابعین کی تفسیر کا ہے وہ جس طریق سے مروی ہوگی اُس طریق کی صحت پر نظر کی جائے گی۔ اگر اُنہوں نے محض اپنی ذاتی رائے سے قرآن کریم کے معانی بتلائے ہیں تو وہ استدلال اور حجت کے قابل نہیں ہوں گے۔ مندرجہ ذیل حضرات تابعین میں سے عمدہ مفسر سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً مجاہد بن جبر جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں اور امام بخاری اور امام شافعی صاحب نے اُن کی تفسیر پر اظہار اعتماد کیا ہے۔ سعید بن جبیر، عکرمہ مولی ابن عباسؓ، طاؤس بن کیسان یمانی، عطا بن ابی

نزول وغیرہ تاویل آں است کہ ممکن باشد
ادراکِ او بقواعدِ عربیہ **قال سلیمان
الجمل فی حاشیة الجلالین
اصل التفسیر الکشف والا بانة
واصل التاویل الرجوع
والکشف وعلم التفسیر
یبحث فیه عن احوال القرآن
المجید من حیث دلالته علی
مراد اللّٰه تعالیٰ بحسب الطاقة
البشریة ثم هو قسمان تفسیر و
هو مالا یدرک الا بالنقل
کاسباب النزول و تاویل وهوما
یمکن ادراکه' بالقواعد العربیة
فهو مما یتعلق بالدرایة والسِّرُّ
فی جواز التاویل بالرائے
بشروطه دون التفسیران
التفسیر کشهادة علے اللّٰه
وقطع بانه عنی بهذا اللفظ هذا
المعنے ولا یجوزالا بتوقیف
ولذا جزم الحاکم بان تفسیر
الصحابی مطلقاً فی حکم
المرفوع والتاویل ترجیح لا
حدالمحتملات بلا قطع
فاغتفر انتهی۔**

رباح یہ حضرات ابن عباسؓ کے اصحاب کہلاتے ہیں۔ اور مکہ مکرمہ کے علمائے کرام میں شمار کئے جاتے ہیں۔ علقمہ بن قیس اور اسود ابن یزید وغیرہما جو حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں اور علمائے کوفہ کہلاتے ہیں۔ سب تابعین ہیں اللہ تعالیٰ ان سب حضرات سے راضی ہو۔

جاننا چاہیے کہ تفسیر بالرائے درست نہیں اور تاویل بالرائے درست ہے۔ تفسیر اُسے کہتے ہیں جو بات نقل یعنی روایت کے بغیر معلوم نہ ہو سکے۔ جس طرح شانِ نزول وغیرہ اور تاویل وہ ہے جو قواعد عربیہ کے ذریعہ معلوم کی جا سکے۔

علامہ سلیمان الجمل جلالین شریف کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تفسیر کا معنیٰ کشف اور اظہار ہے اور تاویل کے معنیٰ رجوع اور وضاحت ہے اور علم التفسیر وہ ہے جس میں قرآن مجید کے احوال سے انسانی طاقت کے مطابق بحث کی جائے۔ اس حیثیت سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرتی ہے۔ پھر یہ علم دو قسم ہے۔ اول تفسیر جو بغیر نقل اور روایت کے معلوم نہ ہو سکے۔ جیسے اسباب نزول دوم تاویل جو عربی قواعد سے معلوم ہو سکے۔ لہٰذا اس کا تعلق عقل سے ہے۔ اور اس بات کا راز کہ تاویل بالرائے جائز ہے اور تفسیر بالرائے ناجائز یہ ہے کہ تفسیر میں انسان اللہ تعالیٰ پر گواہی دیتا ہے کہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے قطعی طور پر

یہی معنے لیے ہیں اور یہ چیز بغیر توقیف (نقل و سماع) کے ناممکن اور ناجائز ہے۔ اسی لئے حاکم نے یقینی طور پر کہا ہے کہ حضرات صحابہ کی تفسیر مطلقاً حدیث[1] مرفوع کا درجہ رکھتی ہے۔ اور تاویل بالرائے میں دو احتمالوں میں سے ایک کو غیر یقینی طور پر ترجیح دے دینا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن کریم کی ایسی تشریح جس کا تعلق تفسیر سے ہو اپنی طرف سے نہیں ہوگی۔

[1] یعنی صحابہ کرام کی قرآن کریم کی ایسی تشریح جس کا تعلق تفسیر سے ہو اُن کی اپنی طرف سے نہیں ہوگی۔ اسی لیے امام حاکم کی تحقیق یہ ہے کہ صحابی کی تفسیر کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ اُس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سُنا ہوگا۔ البتہ تاویل کے طور پر عُلمائے صحابہ سے تشریحات منقول ہیں۔ (مترجم فیض عفی عنہ)

باب اول

دربیان معنے آیت کریمہ **وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** در ضمن سوالاتے چند وجواب ازاں ہا۔

اس باب میں آیتِ کریمہ **وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** کا معنے بیان کیا جائے گا اور اسی ضمن میں چند سوال وجواب کا ذِکر ہوگا۔

سوال

چہ مے فرمائند علماء دینِ مُبین و مُفتیانِ شرع متین اندریں صُورت۔ زید نیّت کرد کہ اگر فلاں حاجت حسبِ مُرادِ من برآید بُز سیّدی عبدالقادرؒ یا سیّدی خواجہ بزرگ اجمیریؒ یا گاوٗ قبلۂ عالم مہارویؒ یا گوسفند حضرت خواجہ محمد سُلیمان تونسویؒ یا توشۂ حضرت خواجہ احمد عبدالحق رودلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم خواہم دادو بعد حصُولِ مُراد حیوانات مذکورۃ الصدر راذبح بنامِ خُدا عزّوجل کردو توشہ رابدراویش خورانیدہ ثوابِ طعام و فاتحہ بُروحِ حضرت خواجہ بخشید۔ آیا خوردنِ جانوراں وتوشہ مذکورہ درصُورتِ مسطُورہ جائز است یانہ ونسبت بسُوئے غیر خدائے عزوجل وتشہیر بنام بزرگان مُوجبِ حُرمتِ آنہامے شود یانہ؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے ارادہ کیا ہے کہ اگر فلاں کام میری خواہش کے موافق انجام پذیر ہو جائے تو میں سیدی عبدالقادرؒ یا سیدی خواجہ اجمیریؒ کا بکرا یا حضرت قبلۂ عالم مہارویؒ کی گائے یا حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا دُنبہ یا حضرت خواجہ احمد عبدالحق رودلویؒ کا توشہ وغیرہ دُوں گا اور حاجت پُوری ہو جانے کے بعد حیوانات مذکورہ کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا اور توشہ درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اس طعام کھلانے اور فاتحہ کا ثواب حضرت خواجہ کی روح پر فتوح کو بخش دیا۔ کیا مندرجہ بالا جانوروں اور توشہ کا کھانا جائز ہے یا نہ۔ اور غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے اور بزرگان کے اسمائے گرامی کے ساتھ مشہور کرنے سے یہ چیزیں حرام ہو جائیں گی یا نہ؟

الجواب وهوالموفق للصواب

بنفس تشہیر بنام بزرگان اشیاء مذکورہ حرام نمے شود۔ قال اللہ تعالیٰ: فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ؕ وَقَالَ ایضاً وَ مَا لَكُمْ أَن لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔

محض بزرگوں کے ناموں سے مشہور کر دینے سے یہ چیزیں حرام نہیں ہوسکتیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اُن میں سے کھاؤ اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ ایمان رکھتے ہو۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اُن چیزوں میں سے نہیں کھاتے جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ ہم وہ چیزیں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں جو تم پر حرام ہیں۔

سوال

آیت مذکورہ عام است مخصوص بآیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ یعنی حرام کردہ شد بر شما مُردار و خون یعنی مسفوح و گوشتِ خوک و آنچہ نامِ غیرِ خدا بوقت ذبح اُو یاد کردہ شود و آنچہ بخبہ کردن مُردہ باشد و آنچہ بسنگ یا عصا مُردہ باشد و آں چہ از جائے بلند اُفتادہ بمیرد

آیت مذکورہ عام ہے اور دوسری آیت **حرمت علیکم** سے اس کی تخصیص کی گئی ہے جس میں بیان فرمایا گیا ہے کہ تم پر مردار، خون، سؤر کا گوشت اور وہ چیز جس پر غیر خدا کا نام یاد کیا گیا ہے یا جو گلا گھونٹ کر ماری گئی یا پتھر اور عصا کے ساتھ قتل کی گئی یا بلند جگہ سے گر کر مر گئی یا سینگ لگنے سے مرگئی یا اُسے درندہ نے کھا لیا مگر وہ جسے تم نے ذبح کر لیا ہو حلال ہے اور جو (معبودانِ باطل کے) نشانوں پر ذبح کی گئی وہ حرام ہے اور قرعہ کے تیروں کے ذریعے تقسیم کرنا بھی یہ سب باتیں فسق ہیں۔ الآیۃ

وآنچہ بشاخ زدن مُردہ باشد و آنچہ اُورادرندہ خوردہ باشد الاّ آنچہ بعد ایں آفتہا ذبح کردہ باشید و حرام نمودہ شدہ است آنچہ ذبح کردہ شُد برنشان ہائے معبودانِ باطل۔ و حرام کردہ شُد طلب نمودن شما معرفت قسمت خودرا بہ تیر ہائے فال ایں ہمہ فسق است۔ واشیاءِ مذکورہ در **وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ** بہ داخل است چنانچہ تصریح فرمودہ است بداں خاتم محدثین و زبدۃ مفسرین مولانا عبدالعزیز دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیرآیت **وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ** یعنی دیگرآں جانور کہ آواز برآوردہ شُدہ شُہرت دادہ شدہ در حقِ آں جانورکہ **لِغَيْرِ اللّٰهِ** یعنے برائے غیر خُدا است (ثم قال بعد ہذا) خواہ در وقتِ ذبح نامِ خدا بگیر دیانہ زیرا کہ چوں شُہرت داد کہ ایں جانور برائے فلاں است ذِکرنام خُدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد۔ چہ آں جانورمنسوب بآں غیرگشت وخُبثے درو پیدا شُد کہ زیادہ از خُبث مُردار است زیرا کہ مُردار بے ذِکر نام خُدا جان دادہ است و جانِ ایں جانوررااز آں غیرخُدا قراردادہ گشتہ اندوآں عین شِرک است و ہرگاہ ایں خُبث دردَے سرایت کرد دیگر بذکرنامِ خُدا حلال نہ ے شود مانندِ سگ و

اوراشیاءِ مذکورہ **وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** میں داخل ہیں۔ چنانچہ خاتم المحدّثین وزُبدۃ المفسرین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ بالا کے تحت تصریح فرمادی ہے کہ وہ جانور جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا ہواور غیر کے نام ہومشہور کیا گیا ہو وہ جانور غیر خدا کیلئے ہے۔ ذبح کے وقت خدا کا نام لیں یا نہ لیں۔ کیوں کہ جب مشہور کیا گیا کہ یہ جانورفلاں کے لئے ہے تو پھر ذبح کے وقت خدا کا نام لینا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کیونکہ وہ جانور غیر خُدا کی طرف منسوب ہو چکا اور اس مین اس قدر پلیدی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ مُردار سے بھی زیادہ ہوگیا ہے۔ کیونکہ مُردار تو خدا کا نام لیے بغیر مرگیا ہے اوراس جانور کی جان کو غیر خُدا کے لئے قراردے کرذبح کیا گیا ہے اور یہ بالکل شِرک ہے۔ جب یہ پلیدی اس میں سرایت کرگئی پھر خُدا کا نام لینے سے کبھی حلال نہیں ہوسکتا جس طرح کُتا اور سُؤر خُدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتے۔ (اس کے بعد فرماتے ہیں) کہ اس آیت کے الفاظ چار جگہ پر قرآن مجید میں ذکر کیے گئے ہیں۔غور کرنا چاہے کہ اللہ تعالیٰ نے **وَمَا اُهِلَّ بِهٖ** فرمایاہے نہ **ذُبِحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ**۔ لہٰذا غیر کے نام پرشہرت دینے کے بعد کہ یہ گائے فلاں کی اور یہ بکری فلاں کی ہے۔خُدا

خوک کہ اگر بنامِ خدا مذبوح شوند حلال نمے گردند الخ (اندکے بعد ازیں مے فرماید) ودر لفظ ایں آیت کہ چہار جا از قرآن مجید وارد شدہ است تامل باید کرد کہ **مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** فرمودہ اند نہ ذبح باسم غیر اللہ پس ذبح کردن بنام خدا ہمراہ شہرت وآواز برآوردن بآں کہ فلاں گاؤ فلانی و بُز فلانی ذبح مے کند ہیچ فائدہ نمے کند و گوشت آں جانور حلال نہ مے گردد و اُھِلّ رابر ذبح حمل کردن خلاف فقہ وعرف است ہرگز اہلال درلغت عرب وعرف آں دیار وآں وقت بمعنے ذبح نیامدہ در ہیچ شعر و عبارت بلکہ اہلال درلغت عرب بمعنے بلند کردن آواز شہرت دادن است چنانچہ اہلالِ ہلال استہلال طفل نو تولد و **اُهِلّ** بمعنے تلبیہ حج وغیرہ ذلک مستعمل است واگر کسے بگوید **اُهْلَلْتُ لِلّٰهِ** ہرگز معنے **ذُبِحْتُ لِلّٰهِ** فہمیدہ نخواہد شد ونیز اگر **اُهِلَّ** رابر **ذُبِحَ** حمل کردہ شود پس **ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ** مراد خواہد شد **ذُبِحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ** ازکجا فہمیدہ شود تامدعائے ایں مردم حاصل شود پس دریں عبارت اہلال رابمعنے ذبح

کے نام کے ساتھ ذبح کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اوراس جانور کا گوشت حلال نہ ہو سکے گا۔ **اُهِلَّ** کو ذبح کے معنے پر حمل کرنا فقہ اورعرف کے بالکل خلاف ہے۔ عرب کی لغت اور عرف میں اہلال کے معنے ذبح ہرگز کہیں نہیں آیا۔ کسی عبارت اور شعر میں یہ معنے موجود نہیں۔ بلکہ عرب کی لغت میں اہلال بلند کرنے اور شہرت دینے کے معنے میں وارد ہے۔ چنانچہ اہلال ہلال یا استہلال طفل نوزائیدہ یا اہل بمعنے تلبیہ حج وغیرہ مستعمل ہے اور اگر کوئی عربی زبان میں **اُهْلَلْتُ لِلّٰهِ** کہے تو اس کے معنے **ذُبِحْتُ لِلّٰهِ** ہرگز نہیں سمجھے جاتے اور اگر اھل کو ذبح کے معنے پر حمل کر بھی لیں پھر بھی اس کے معنے **ذبح لغير اللّٰه** ہوں گے ذبح باسم غیر اللہ کہاں سے سمجھے جائیں گے۔ تاکہ ان لوگوں کا مطلب پورا ہو سکے۔ لہذا اس عبارت میں اہلال کا معنے ذبح کرنا اور پھر لغیر اللہ کی جگہ باسم غیر اللہ بنالینا کلام الٰہی کی تحریف کے قریب پہنچ جاتا ہے (پھر فرماتے ہیں) یہ چاروں چیزیں یعنے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر شہرت دے کر ذبح کیا جائے اس جنس سے ہیں جو ہر حالت میں ہر شخص پر حرام ہیں اور اس قسم سے نہیں جو ایک

نئے چاند کے دیکھنے کے وقت آواز بلند کرنا کہ وہ چاند ہے یا بچہ پیدا ہوتے وقت جو چیخ مارتا ہے یا حج کے تلبیہ میں جو آواز بلند کی جاتی ہے۔ ان سب میں یہی مادہ مستعمل ہے۔ (فیضی مترجم عفی عنہ)

گرفتن باز بغیر اللہ رابجائے باسم غیر اللہ
ساختن قریب تحریف کلامِ الٰہی مے
رسد) بازمے فرماید) وایں ہر چہار چیز کہ
مذکور شد یعنی مردار وخون وگوشتِ خوک و
جانورے کہ برائے غیر خدا مقرر کردہ ذبح
نمایند ازاں جنس است کہ برجمیع فرقہ بادر
جمیع حالات حرام است وازیں قبیل نیست
کہ برفرقہ حرام باشد و برائے دیگراں
حلال مانند مالِ زکوٰۃ وصدقات یادر حالتے
حرام است و در حالتے دیگر حلال، مانند
دوائے گرم سمی مضر کہ برمحرور مزاجاں حرام
است وچوں مزاج برودت پیدا کند حلال
مے شود۔ انتہیٰ بقدر الحاجۃ۔

گروہ پر حرام ہوں اور دوسرے پر حلال جیسا کہ
زکوٰۃ اور صدقات کا مال کہ غنی وغیرہ پر حرام ہے
اور مسکین پر حلال ہے یا گرم زہریلی دوا گرم
مزاج شخص پر گرمی کی حالت میں حرام ہے کیونکہ
اُس کے لئے قاتل ہے اور جب مزاج میں
برودت پیدا ہو جائے تو حلال ہے۔ کیونکہ اب
قتل کا اندیشہ نہیں رہا۔ انتہیٰ بقدر الحاجۃ۔

جواب

معنے **مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ** آنچہ بالا
مرقوم شدہ وآنچہ در تردید معنے **ماذبح
باسم غیر اللہ** مذکور گشتہ مخدوش فیہ
است بچند وجوہ۔ اول منقوض است بہ
بحائر وسوائب ووصائل وحوامی چہ ایں ہمہ
جانوراں را شہرت بنام بتان ونسبت بآنہا
متحقق بود معہذا تشہیر ونسبت مذکورہ دراں با
خبث پیدا نکردہ تا کہ دیگر بذکر نام خدائے
عزوجل حلال نہ شدندے۔ تشریح مقام
آنکہ اہل جاہلیت احکامے چند اختراع
کردہ بودند ودر آنہا بقول اسلاف خود

وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا جو معنے اوپر
ذکر کیا گیا ہے اور ماذبح باسم غیر اللہ کی تردید
میں جو کچھ فرمایا گیا ہے قابلِ تامل اور مخدوش
ہے اولاً اس لیے کہ قرآن کریم میں بحیرہ اور
سائبہ وصیلہ اور حوامی کا ذکر ہے۔ یہ سب جانور
بتوں کے نام پر شہرت دیئے جاتے تھے اور ان
کی طرف قطعاً منسوب ہوتے تھے۔ مع ہذا اس
شہرت اور نسبت نے ان میں بالکل خبث پیدا
نہیں کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے بھی
حلال نہ ہوسکیں۔ تشریح مقام کے طور پر ہم
مفصلاً سمجھائے دیتے ہیں کہ اہل جاہلیت یعنی

تمسک مے نمودند ازاں جملہ بحیرہ وآں مادہ شتر ے است کہ اورا برائے بتاں مقرر مے کردند و شیر اُو بہ کسے نہ مے دادند و سائبہ کہ برائے بتاں جانور ے راہے گذاشتند و بار بر پشت اُونے نہادندو وصیلہ آں مادہ شتر ے است کہ اول بار در اول عمر شتر مادہ زاید و بعدازاں بغیر فصل دیگر بار مادہ پس آں را برائے بتاں مے گذاشتند و حامی فحلے کہ از و چند بچہ گرفتند ے واز رکوب وجز آں اُورا معاف داشتند ے حق سبحانہ وتعالیٰ در تردید ایں با آیت فرستاد **مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** وبخوردن آنہا امر فرمود کما **قال كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ** من الثمار و الزرع والانعام واحلہا لکم **وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ** ای طرقہ وآثارہ **كما فعل المشركون واهل الجاهلية من تحريم مالم يحرمه الله و تحليل مالم يحلله فتح البيان۔** و نووی در شرح مسلم نوشتہ **المراد انكار ماحرموا على**

زمانہ قبل از اسلام کے لوگوں نے چند احکام خود اختراع کر لیے تھے اور اُن میں اپنے اسلاف کے طریقہ کو سند سمجھتے تھے۔ مثلاً بحیرہ وہ اونٹنی ہوتی جو بتوں کے نام پر آزاد کردی جاتی اور اس کا دودھ کوئی شخص استعمال نہ کرسکتا۔ سائبہ وہ جانور ہوتا جس پر بتوں کا نام لے کر باربرداری ترک کردی جاتی۔ وصیلہ اُس اونٹنی کو کہتے تھے جو پہلی بار مادہ شتر جنے اور پھر متصلاً دوسری دفعہ بھی مادہ شتر، پھر بتوں کے نام پر آزاد کردی جائے۔ اور حامی اُس اونٹ کو کہتے تھے جس سے چند بچے حاصل کر لینے کے بعد سواری وغیرہ معاف کردی جاتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مندرجہ بالا بناوٹی احکام کی تردید نازل فرمائی۔ یعنی اشیاء مذکورہ کو حرام سمجھنا یہ کفار کا افترا اور بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو حرام نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا کہ کھاؤ جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا ہے۔ (میوے ہوں یا کھیتی باڑی یا چہار پائے، یہ سب چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں) اور شیطان کے راستوں کی تابعداری مت کرو جس طرح کفار اور اہل جاہلیت نے اختراع کیا ہے۔ یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں فرمایا اُسے حرام سمجھ لیا اور جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کا حکم نہیں دیا اُسے حلال سمجھ لیا۔ (فتح البیان) نووی نے مسلم کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت سے مُراد کفار پر انکار کرنا

انفسهم من السائبة والوصيلة والبحيرة والحام وانها لم تصر حراما بتحريمهم و كل ما ملكه العبد فهو حلال حتى يتعلق به حق انتهى بعضے از فضلاء عصر جواب از نقض مذکور در اخبار اہلحدیث مورخہ ۳۔ ذیقعد ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۰ جنوری بر صفحہ نہم بریں طریق شائع فرمودہ (وہاں بڑا بھاری شبہ آیت بحیرہ سے کیا جاتا ہے۔ مگر میرے خیال میں اس آیت کا مطلب بالکل صاف ہے کہ عرب کے لوگوں کے ایک خود ساختہ خیال کی تردید کی جاتی ہے جو وہ بحیرہ سائبہ، حام وغیرہ کی نسبت رکھتے تھے۔ بحیرہ، سائبہ کی نسبت جو روایات آئی ہیں ان کا بیان مقدم ہے۔ واضح تر وہ ہے جو امام شافعیؒ سے منقول ہے۔ کہ **قالوا اذا انتجت الناقة خمسة ابطن انا ثابحرت اذنها فحرمت و به قال ابو عبيده البعير يسيب نذرا علٰے الرجل ان سلّمه الله من مرض او ابلغه منزله فلا يجلس عن رعي ولا ماء ولا يركبه احد قاله**

ہے کہ جن چیزوں کو تم نے حرام سمجھ لیا ہے وہ تمہارے حرام ٹھہرانے سے حرام نہیں ہو جاتیں بلکہ جس چیز کا انسان مالک ہو وہ حلال ہے جب تک اُس کے ساتھ کسی کا حق متعلق نہ ہو بعض ہم عصر فضلاء نے اخبار اہلحدیث مجریہ ۳۔ ذیقعد ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۰۵ء میں اعتراض مذکور کا جواب بدیں طور شائع کیا ہے کہ اس آیت میں اہل عرب کے بناوٹی خیال کی تردید ہے جو ان جانوروں کے حرام ہونے کے متعلق رکھتے تھے۔ ان جانوروں کے بارے حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد یہ ہے کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب اونٹنی پانچ مادہ بچے جنتی تو مشرکین اُس کے کان چھیدتے اور اس کا گوشت حرام سمجھتے اور سائبہ کی تفسیر میں ابوعبیدہ نے فرمایا کہ مشرکین کی عادت تھی کہ یوں نذر مانتے کہ اگر مجھے خدا نے شفا دی یا اپنی منزل تک سالم پہنچ گیا تو یہ سواری کا جانور چارہ اور پانی سے کہیں بھی نہ روکا جائے گا اور نہ اس پر کوئی سوار ہوگا۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو یکے بعد دیگرے دو مادہ بچے جنے۔ حام وہ نر ہے جس کے بچہ کا بچہ پیدا ہو جائے تو مشرکین کہتے تھے کہ اس کی پیٹھ محفوظ

۔ اخبار اہل حدیث کے مضمون میں لفظ لا یجلس ہے۔ حالانکہ اصل لفظ لا یحبس ہے جس کا معنی حبس یعنی روکنے کا ہے۔
فیض مترجم عفی عنہ

ابو عبیدة الوَصیلة ھی ناقة ولدت انثی بعد انثی الحاَم اذا ولد ولد الفحل قالو احمی ظھره فلا یرکب۔ فتح البیان
(اس کے ترجمہ کے بعد پھر فاضل مجیب لکھتا ہے۔ ان روایات کے اعتبار سے بحیرہ، سائبہ میں اھلال لغیر اللہ تو کسی طرح نہیں پایا جاتا۔ اقوال روایات مذکورہ کی تحویل امام شافعیؒ پر محض غلط ہے۔ شافعیؒ کا مقولہ بحیرہ کے متعلق صرف اتنا ہی ہے **کانو اذا نتجت الناقة خمسة ابطن انا ثا بحرت اذنھا فحرمت** پس دیکھو فتح البیان متعلق آیت **ماجعل اللہ من بحیرة** کے۔ دُوسری غلطی مجیب کی (**فلا یجلس**) ایسا نہیں بلکہ (**فَلَا یَخْبَسُ**) ہے تیسری غلطی روایت مذکورہ بالا کو (واضح تر) ٹھہرانا، حالانکہ بُخاری اور مُسلم اور عبدالرزاق اور عبد بن حمید ونسائی و ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ و ابن مردویہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں۔ **قَالَ البحیرة التی یمنع درّھا**

ہو گئی اس پر کوئی سوار نہ ہوگا۔ فتح البیان۔ اس کے ترجمہ کے بعد پھر فاضل مجیب لکھتا ہے۔ ان روایات کے اعتبار سے بحیرہ، سائبہ میں **اھلال لغیر اللہ** تو کسی طرح نہیں پایا جاتا۔ اقول جواباً میں کہتا ہوں کہ روایات مذکورہ کے متعلق امام شافعیؒ کا حوالہ غلط ہے۔ الخ

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا بحیرہ وہ جس کا دودھ بتوں کے لئے روک لیا گیا ہو اور کسی آدمی کو دودھ نکالنے کی اجازت نہ ہو۔ سائبہ وہ ہے جس کو بتوں کے لئے وا گزار کر دیں اور اس پر کوئی چیز نہ لادی جائے۔ وصیلہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو پہلی دفعہ مادہ جنے اور دوسری دفعہ بھی مادہ ہی جنے اور ان ہر دو حمل کے درمیان نر نہ پیدا ہو بلکہ دونوں مادہ حمل متصلاً ہوں تو پھر اُسے بتوں کے لئے آزاد کر دیتے ہیں۔ جس اونٹ سے کئی دفعہ بچے حاصل کر لیے جائیں اور پھر بتوں کیلئے آزاد کر دیا جائے اور اُسے بار برداری سے معافی دے دی جائے بلکہ کوئی چیز بھی اُس پر بار نہ کی جائے اُسے حامی کہتے ہیں۔ انتہی موضع الحاجة (دُرّ منثور) اس معتبر روایت کے مطابق غیر اللہ کے لئے نامزد کرنا

للطواغيت ولا يحلبها احد من الناس والسائبة كانوا يَسيِّبُونها لِا لهتهم لا يحمل عليها شئى والوَصيلة الناقة البكر تبكر فى اول انتاج الابل ثم تثنى بعد بانثى وكانوا ايسيِّبُونها لطواغيتهم ان وصلت احد هما بالاخرے ليس بينهما ذكر والحامى فحل الابل يضرب الضراب المعدود فا ذا قضے ضرابه ودعوه للطواغيت واعفوه من الحمل فلم يحمل عليه شيءٌ وسموه الحامى۔ انتهٰى موضع الحاجة درمنثور۔ بحسب اس معتبرہ روایت کے اهلال لغير الله بحیرہ وغیر ہا میں موجود ہے۔ چوتھی غلطی اختلاف روایت کو جو بحیرہ وغیر ہا میں آئے ہیں (منع جمع پر حمل کرنا مع آں کہ فتح البیان وغیرہ میں ہے۔ ان العرب كانت تختلف افعالها فى البحيرة) جس سے

موجود ہے۔ چوتھی غلطی یہ ہے کہ اُن جانوروں کے بارے مختلف روایات کو منع الجمع پر حمل کیا حالانکہ فتح البیان وغیرہ میں ہے کہ اہل عرب کے افعال بحیرہ وغیرہ کے بارے میں مختلف تھے۔)

سب روایات کا جمع کرنا منظور ہے۔ پھر فاضل مجیب اسی جواب میں لکھتا ہے کہ وہاں اس بارہ میں روایات مختلف ہیں جن میں سے بعض میں ذکر ہے کہ ان حیوانوں کا دودھ بتوں کے نام پر وقف ہوتا تھا۔ بعض میں ذکر ہے کہ خود ان کی ذات وقف ہوتی تھی۔ اگر ان روایات کو بھی ان لفظوں کی تفسیر میں لیا جائے تو بھی یہ بات ثابت نہ ہوگی کہ اہلال لغیر اللہ قبل از ذبح موجب حرمت نہیں الخ اقول یہ بات ثابت ہے کہ اہلال لغیر اللہ یعنی تشہیر و انتساب لغیر اللہ قبل از ذبح موجب حرمت نہیں۔ لقولہ تعالیٰ **كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ** الخ کما نقلنا سابقاً من فتح البیان۔ ولقوله تعالىٰ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالاً طَيِّباً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ** قال ابن عباس رضی اللہ عنهما نزلت فی قوم من ثقيف وبنی عامر بن صعصعة وخزاعة وبنی

اقول۔ جواباً میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات ثابت ہے کہ غیر خدا کی طرف کسی جانور کو منسوب کرنا ذبح کرنے سے پہلے حرام ہونے کا سبب نہیں ارشادِ الٰہی **كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ** اس پر دلیل ہے جس طرح پہلے ہم فتح البیان سے نقل کر چکے ہیں۔ اور **كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ** سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ جانور حلال پاکیزہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ثقیف کی قوم کے حق میں اور عامر بن صعصعۃ اور خزاعۃ اور بنی مدلج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

مدلجٍ حرموا علیٰ انفسھم ما حرموا من الحرث والبحائر والسوائب والوصائل والحام۔ تفسیر ابو سعود۔ ولقوله تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا کلوا من طیبات ما رزقنا کم قال سلیمان الجمل تحت قوله تعالیٰ انما حرم وھو قصر قلب للرد علیٰ من استحل ھذہ الاربعة وحرم الحلال غیرھا کالسوائب انتھٰی ۔ یہ پانچویں غلطی ہوئی فضل مجیب اسی تحریر میں مفسرین سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تردید میں لکھتا ہے (کیونکہ اگر ماذبح یا عندالذبح کی قید لگائی جائے تو یہ ما کا لفظ مخصوص بالحیوانات ہو جائے گا اس لیے کہ ذبح تو حیوانات ہی کا ہوتا ہے۔ حالانکہ ما کا لفظ حیوانات کے علاوہ تمام چیزوں کو شامل ہے پس یہ تخصیص بلا مخصص کیوں کر ہو سکتی ہے۔ تعجب تر تو بعض علماء حنفیہ سے ہے جن کا اصول ہے کہ عموم قرآنی کی تخصیص خبرِ واحد سے بھی جائز

کیوں کہ انہوں نے بحیرہ وغیرہ اپنے اوپر حرام سمجھ لیے تھے۔ (تفسیر ابو سعود) نیز آیت **کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ** بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ علامہ سلیمان الجمل آیت **اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ** کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قصرِ قلب ہے اُن لوگوں کی تردید کے لئے جو ان چار چیزوں کو حلال سمجھتے تھے یعنی دم اور میتۃ وغیرہ کو، اور اس کے ماسوا سوائب وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے جو حقیقت میں حلال ہیں۔

نہیں وہ بھی اس آیت میں بلا مخصص
تخصیص کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اقول
جناب مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی۔
وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر
میں لکھتے ہیں۔ (ودیگر آں جانور کہ آواز
برآوردہ شدہ شہرت دادہ شد درحق آن
جانور کہ بغیر اللہ یعنے برائے غیر خدائے
است) اسی جواب میں آپ نے شاہ
عبدالعزیز کی تفسیر سے اہلال کی تحقیق میں
کام لیا ہے۔ اور تین سطر کے بعد اُن کو بھی
زیر الزام تخصیص مخصص رکھ دیا۔ اب
تخصیص عام کے متعلق معروض ہے۔
موصولات یا موصوفات کا عموم بعد از لحاظ
اپنے صلات یا صفات کے ہوتا ہے۔ جس
کا ثمرہ یہ ٹھہرا کہ افرادِ غیر موصوفہ کو شامل نہ
ہوں گے۔ مثلاً **فَانكِحُوْا مَا طَابَ
لَكُمْ** میں کلمہ ماطیبات ہی کو اور ایسا ہی **كل
اِمْرَاَةٍ اتزوجها فهى طالق**
میں لفظ **كل امرئةٍ متكلم** کی منکوحہ
ہی کو شامل ہوگا۔ پس **ما نحن فيه**
میں لفظ ما مع لحاظ صلہ اس کے معنی **اهل
به لغير الله** کے عام کہا جائے گا۔
خواہ اہلال بمعنی مطلق **رفع الصوت**

یا جائے یا بمعنی **رفع الصوت عند الذبح**۔ رہا یہ امر کہ ان دونوں معنوں میں کون سا معنے صحیح ہے اس کو اور دلائل سے ثابت کیا جائے گا۔ لفظ ما کے عموم کو اس تصحیح میں کوئی دخل نہیں بلکہ عند العقلاء آپ کا طرز استدلال مستلزم دور ہو گا۔ کیونکہ ما کا عموم اہلال کے اطلاق پر اور اہلال کا اطلاق ما کے عموم پر موقوف ہو گا۔ **وھو کما ترٰی**۔ پھر ہم کہتے ہیں اگر فاضل مجیب کو اس پر بھی تشفی نہیں تو لیجئے صریح نص قرآنی جس سے بحائر اور سوائب میں **اھلال لغیر اللّٰہ** بمعنے تشہیر وانتساب **الیٰ غیر اللّٰہ** صاف طور پر پایا جاتا ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ وقالوا ھذہ انعام وحرث حجر لا یطعمھا الا من نشاء بزعمھم فمعنی الایۃِ ھذہ انعام وحرث ممنوعۃٌ یعنون انھالا صنامھم قال مجاھد** یعنی **بالانعام البحیرۃ والسائبۃ والوصیلۃ والحام۔ فتح البیان**۔ ہر جگہ تفسیر کے متعلق مقدمہ کا لحاظ ضروری ہے۔

۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار کہتے ہیں یہ جانور اور کھیتیاں ممنوع ہیں اُن کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر جس کے لئے ہم چاہیں یعنی یہ جانور بحیرہ، سائبہ، وصیلہ وغیرہ بتوں کے لئے ہیں اور کسی کو استعمال کرنا درست نہیں۔ (فتح البیان)

☆☆☆☆☆

111595

فائدہ

جانورے کہ اورا سائبہ یعنی سانڈی گذارند اگر کسے اورا ذبح بنام خدا تعالیٰ کردہ و گوشت اورا کشیدہ پختہ و بریاں ساخت پس در تناولِ آں قبل ادائے قیمت بہ مالکش اختلاف است نزد بعضے علماء جائز بعضے محققین ناجائز می گویند کہ ہنوز خبثے باقی است چہ بحکم مغصوب است۔ رسالہ مولانا برہان الدین۔

اقول۔ شاید وجہ قولِ محققین آنست کہ از رہا کردن جانور ملک باطل نمے شود۔ پس اگر مالک بر **بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ** ذبح نماید حلال است و یا غیر مالک بہ اذن مالک و بے اذنِ مالک اگر کسے ذبح کند حکم غصب دارد و حرمتش بایں جہت خواہد بود نہ بجہت آں کہ تشہیر دادہ شدہ است آں حیوان و منسوب نمودہ است **لِغَيْرِ اللّٰهِ** در فتاوے عالمگیری مے نویسد **مسلم ذبح شاة المجوسي لبيت نارهم اوالكافر لإلهتهم توكل لانه سمى اللّٰه تعالىٰ ويكره للمسلم كذا في التاتارخانية ناقلا عن جامع الفتاوى۔**

جس جانور کو سائبہ یعنی سانڈ بنا کر چھوڑا جاتا ہے اگر کوئی شخص اس جانور کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کر کے گوشت وغیرہ بھون لے تو اس گوشت کے کھانے میں اس کے مالک کو قیمت ادا کرنے سے پہلے اختلاف ہے۔ بعض علماء جائز فرماتے ہیں اور بعض محققین ناجائز کیونکہ مغصوب ہونے کی وجہ سے ابھی تک اس میں خبث باقی ہے۔ (رسالہ برہان الدین)

اقول۔ شاید محققین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ سانڈ چھوڑ دینے سے جانور پر مالک کی ملکیت زائل نہیں ہو جاتی۔ لہذا اگر خود وہ مالک **بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہہ کر ذبح کرلے تو حلال ہوگا یا دوسرا شخص مالک کی اجازت سے ذبح کرے پھر بھی حلال ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص بغیر مالک کی اجازت کے ذبح کرے تو وہ جانور بوجہ غصب کے حرام ہوگا نہ بوجہ شہرت دینے اور آواز بلند کرنے کے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مجوسی کی بکری اللہ کا نام لے کر ذبح کرے جو اس نے آتش کدہ کی بھینٹ کے لئے ذبح کرائی یا کسی کافر نے اپنے بتوں کے لئے ذبح کرائی ہے تو اس کا کھانا جائز ہے لیکن مسلمان کے لئے مکروہ ہے۔ اسی طرح تاتارخانیہ نے جامع الفتاویٰ سے نقل کیا ہے۔

درفوائد برہانی نوشتہ مجوسی گاؤ ے بمسلمانے داد کہ بنامِ نار کہ معبودِ اوست ذبح کند مسلم بنامِ خدا ذبح کرد گوشتِ او حلال است کذافی کتب الفقہ۔

فوائد بُرہانی میں لکھا ہے کہ اگر کسی مجوسی نے اپنی گائے مسلمان کے حوالے کی اور کہا کہ اس کو آگ کے نام پر ذبح کرو لیکن مسلمان نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کی تو اُس کا گوشت حلال ہے۔(ھکذا فی کُتب الفقہ)

پس اگر مشرکے برائے بھوانی سانڈ ویا مسلمے بنامِ بزرگے جانور رہا نماید خوردنش حرام نیست زیرا کہ ازیں انتساب خللے درو واقعہ نہ شدہ خصوصاً وقتیکہ آں مسلم جانور سائبہ را برائے فاتحہ آں بزرگ بغرض فربہ شدن رہا کردہ باشد آرے نظر بحق العبد درآں خللے ہست اگر غیر مالک بغیر اذن ذبح نماید وآں ہم درصورتے کہ مالک از رہا کردن قصد اخراج از ملک نہ کردہ باشد و اللہ اعلم۔

لہٰذا اگر کوئی مشرک بھوانی کے لئے سانڈ چھوڑے، یا کوئی مُسلمان کسی بزرگ کے نام پر جانور رہا کر دے تو اُس کا کھانا حرام نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس تشہیر اور نسبت سے اُس کی حلت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا خصوصاً جب اُس مالک نے جانور مذکور کو موٹا ہونے کے لئے چھوڑا ہو۔ ہاں حق العبد کے لحاظ سے اُس میں خلل ہوگا۔ اگر کوئی دوسرا شخص مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر لے اور مالک نے چھوڑتے وقت اپنے ملک سے خارج کر دینے کا ارادہ نہ کیا ہو تو اُس کا گوشت حق العبد کی وجہ سے حلال نہ ہوگا۔

ازیں جا فرقے بین میانِ سائبہ وغیرہ و میانِ جانور منذور للاولیاء فہمیدہ باشی چہ در اول تقرب الیٰ غیر اللہ باطلاق ور ہا کردن جانور ست و در ثانی تقرب بذبح آں ۔ پس اگر تقرب و خوشنودی آں بزرگ ازیں ذبح بایں قصد است کہ ثواب خوردنِ گوشت مذبوح و فاتحہ بروح آں بزرگ رسانیدہ شود تا حلال است و ہمیں معنے ناذرین برائے اہل اللہ مرادمی دارند۔ کما صرح بہ حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ و یجی ء و اگر تقرب بذبح بایں غرض است کہ نفس ذبح و اخراج روح حیوان برائے آں بزرگ است و با گوشت و اہداء ثواب سروکارے نے تا حرام شود کما یجی ء ۔ لیکن ناذر برائے اولیاء اصلاً ایں معنے مرادنمی دارد بدلیل عدم خوشنودی او و عدم خروج او از عہدہ نذر در ذہن خودش در صورتے کہ گوشت مذبوحِ اورا کسے نہ خورد۔ وجہ دوئم برائے مخدوش فیہ بودن

مندرجہ بالا کلام سے سائبہ اور منذورۃ اولیاء کے درمیان فرق واضح ہوگیا ہے۔ کیونکہ سائبہ کے واگذار کرنے میں تقرب الی الغیر مقصود ہے اور یہاں ذبح کے ساتھ تقرب الی اللہ مقصود ہے۔ لیکن تقرب فقط اس معنے کے لحاظ سے کہ اس مذبوح کا گوشت کھانے اور فاتحہ کا ثواب فلاں بزرگ کی روح کو پہنچے۔ عام نذر ماننے والے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ کما صرح بہ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس قصد کے ساتھ ذبح مذکور کا گوشت یقیناً حلال ہے اور اگر تقرب بالذبح سے مقصود خود ذبح اور اس حیوان کا روح نکالنا اس بزرگ کے لئے ہے اور گوشت کے ہدیہ کرنے اور ثواب وغیرہ سے اس کا کوئی سروکار نہیں تو حرام ہے۔ لیکن جاہل سے جاہل مسلمان بھی یہ ارادہ کبھی نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کے خیال میں اگر اس کی ذبیحہ کا گوشت کوئی شخص نہ کھائے تو وہ اپنے آپ کو اپنی نذر کی ذمہ داری سے عہدہ برا

ایں کہ اھل را بر ذبح حمل کردن خلاف فقہ و عُرف نیست چہ اہلال درعرف آں دیار وآں وقت بمعنے ذبح آمد افصح الفُصحاء و ابلغ البلغاء سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمودہ

اذا سمعتم الیھود و النصاریٰ یھلون لغیر اللّٰہ فلاتاکلوا واذ الم تسمعوھم فکلوا فان اللّٰہ قد احَل ذبائحھم وھو یعلم ما یقولون. فتح البیان جلد اول۔ صفحہ ۲۲۲۔

نہیں سمجھتا۔ اور نہ اس بات پر کسی صورت میں راضی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ ایصالِ ثواب کا ہوتا ہے۔ نہ محض اخراجِ روح[1] کما ھوداب الکفار۔ وجہ دوئم یہ ہے کہ لفظ اُھل کا ذبح کے معنی پر حمل کرنا فقہ اور عرف کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اہلال اس ملک اور اس وقت کی زبان کے مطابق ذبح کے معنے میں پایا جاتا ہے۔ فتح البیان جلد اول صفحہ ۲۲۲۔ تمام فصیحوں بلیغوں سے بڑھ کر فصیح و بلیغ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں یعنی اگر تم یہود اور

☆☆☆☆☆☆

[1] کس قدر ظلم ہے کہ محض ایک مفروضہ اور مزعومہ واہمہ کی بناء پر کہ جہلاز بان سے اگر چہ مندرجہ بالا تفسیر اور وضاحت کر بھی دیں پھر بھی ان کا عقیدہ قلبی محض تقرب الی الغیر کا ہوتا ہے اور بدیں وجہ وہ جانور حرام ہوجاتا ہے اور ایسا کرنے والا کافر ہوجاتا ہے۔ کیا یہ ظنوا المومنین خیرا کے صراحۃً خلاف نہیں حلال کو بیک جنبش قلم وزبان حرام کہہ دینا اور وہ بھی صرف ایک زعمِ باطل کی بناء پر **وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ و حرمواما رزقھم اللّٰہ افتراء علی اللّٰہ۔**

خلاصہ یہ کہ جب تک یہ بات بالکل واضح نہ ہوجائے کہ ذبح سے مقصد محض غیر اللہ کا تقرب اور اس کی رضا جوئی کے لئے جانور کا روح نکالنا ہے اور مستحقین کو گوشت کھلا کر بزرگوں کو ثواب پہنچانا اور ان کے لئے دُعا و فاتحہ خوانی مقصود نہیں تب تک کسی مسلمان کلمہ گو شخص کو محض گمان کی بناء پر مشرک سمجھنا اور اس کی ذبیحہ کو حرام سمجھنا دُرست نہیں کیونکہ یہ سراسر عقیدہ حقہ اہلسنت والجماعت کے خلاف ہے۔ مترجم فیض عفی عنہ

نصارے کو سنو کہ وہ ذبیحہ پر غیرِ خُدا کا نام لے
رہے ہیں پھر تو اُن کی ذبیحہ کو نہ کھاؤ اور اگر تم نے
خود نہیں سُنا تو پھر کھا سکتے ہو کیونکہ اللہ تعالی نے
اہلِ کتاب کی ذبائح کو ہم پر حلال فرمایا ہے۔
حالآنکہ وہ خود جانتا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

شہاب برقولِ بیضاوی تحت قولہٗ تعالیٰ (**وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ**) ای رفع بہ الصوت الخ مے نویسد **هذا اصله ثم جعل عبارة عماذبح لغير الله** ومعنی لغوی برائے اہلال گوکہ ہماں رفع الصوت است لٰکن بوضع عرفے استعمال اوور معنے ذبح و احرام آمدہ کہ ہر یکے ازیں با عند قیام القرینہ مراد مے باشد و **قولهم الحقيقة اى اللغة تتترک بدلالة العادة فی استعمال الالفاظ المنقولة شرعاً اوعرفاً عاماً او خاصاً) مشهورٌ مذكورٌ فی محله فان قلت هذا اذا كانت الحقيقة مهجورة والافعند الامام ابی حنيفة رضی الله**

شہاب نے بیضاوی کے حاشیہ پر **وما اهل به لغير الله** کے معنے رفع بہ الصوت کے ساتھ کیے ہیں۔ یہ معنے اصلی ہیں پھر بعد میں یہی الفاظ **عما ذبح لغير الله** سے تعبیر کیے گئے ہیں تو گویا اہلال کا لغوی معنے تو صرف آواز بلند کرنا ہے۔ مگر وضع عرفی کے ساتھ ذبح اور احرام کے معنے میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا ان معانی میں سے ایک کا تعین قرینہ کے ساتھ ہوگا اصولیین کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ حقیقت یعنی لغت الفاظ منقولہ کی استعمال کے وقت عادی طور پر

تعالیٰ عنہ ھی اولی من العرف قلت یعتبر العرف عند تعذر الحقیقة اتفاقاً وھھنا قد قامت القرینة علے تعذرارادة الحقیقة اعنی قوله تعالیٰ کلوا مما رزقکم اللّٰه ونحوه من الایات الواردة فی ھذاالباب۔ لہذا سلف صالحین از مفسرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین از اہلال معنے ذبح یا رفع الصوت مقید بقید عندالذبح گرفتہ۔قال البیضاوی ای رفع به الصوت عند ذبحه۔ درتفسیر کبیراست قال الاصمعے الاھلال اصله رفع الصوت فکل رافع صوته فھو مھل و قال ابن احمر۔ یُھِلُّ بالفد فد رکبانھا۔ کما یھل الراکب المعتمرُ۔ ھذا معنے الاھلال فی اللغة ثم قیل للمحرم مھل لرفعه

ترک کردی جاتی ہے۔خواہ نقل شرعی ہو یا عرف عام کی یا عُرفِ خاص کی۔ **سوال** یہ معاملہ تو حقیقتِ مہجورہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔یعنی جس جگہ لفظ کے حقیقی معنے ترک کردیئے گئے ہیں تو وہاں عُرفی معنے مُراد لیے جاتے ہیں ورنہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عُرف سے حقیقت اولیٰ ہے۔ **جواب**۔ جب حقیقت متعذر ہو یعنی لفظ کے اصلی اور حقیقی معنے مُراد نہ لیے جاسکتے ہوں تو پھر سب کا اتفاق ہے کہ عُرفی معنے مُراد لیے جائیں گے۔ اور یہاں حقیقت کے تعذر پر قرینہ موجود ہے اعنی قولہ تعالیٰ **كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ** اوراسی قسم کی دوسری آیات جو اس باب میں نازل ہوئی ہیں اسی وجہ سے تمام سلف صالحین نے اہلال کی تفسیر ذبح یا رفع الصوت مقید بقید عندالذبح سے کی ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے۔ای رفع به الصوت عند ذبح۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ امام اصمعی (جو لغت کے بڑے امام ہیں) فرماتے ہیں کہ اہلال کا اصلی معنے آواز بلند کرنا

الـصـوت بـالتـلبيةِ عـنـدالاحـرام هـذا مـعـنـے الاهـلال يـقـال اَهَـلَّ فـلان بـحـجةٍ او عمرة ای احرم بها وذلک لانـه يـرفـع الصوت بـالتـلبية عـنـد الاحـرام والـذابـح مهـل لان الـعـرب كـانـوا يسـمـون الاوثـان عـنـد الـذبـح و يـرفـعـون اصـواتهـم بـذكرها انتهٰى۔ در تفسیر خازن آمدہ یعنی وما ذبـح للاصنام والطواغيت واصل الاهلال رفع الصوت و ذلک انهـم كانو يرفعون اصواتهم بـذكـر الـهتهـم اذا ذبحوا لـها فـجرےٰ ذلک مجرىٰ امر هم وحالهم حتى قيل لكل ذابح مهـل وان لم يجهر بالتسمية انتهٰـى ودرمدارک نوشتہ ای ذبـح لـلاصـنـام فـذكر عليه غير اسم الله الخ انتهٰى۔ علامہ سیوطی در دُرِّمنثور مے نویسد وما اهل به لغير الله

ہے۔پس جو شخص بھی آواز بلند کرے گا اُس کو عربی میں مُہل کہیں گے۔ابنِ احمر کا ایک شعر ہے (ترجمہ: میدان میں اُس کے سواروں نے آواز بلند کی جس طرح عمرہ کرنے والا سوار آواز بلند کرتا ہے)۔لغت میں اہلال کے یہی معنے ہیں۔اسی وجہ سے محرم کو مُہل کہتے ہیں۔کیونکہ وہ احرام کی حالت میں تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرتا ہے۔کہا جاتا ہے یعنی (حج یا عمرے کا احرام باندھا ہے کیونکہ اُس نے بلند آواز کے ساتھ تلبیہ کہا ہے۔ذابح کو بھی مُہل اسی وجہ سے کہا جاتا ہے) کہ اہلِ عرب ذبح کے وقت بلند آواز کے ساتھ بتوں کا نام لیتے تھے۔انتہیٰ کلامہ۔ تفسیر خازن میں بھی یہی کچھ لکھا ہے کہ اہلال کا اصلی معنے آواز بلند کرنا ہے۔کیونکہ وہ لوگ اُن ذبائح پر جو بتوں کے لئے ذبح کرتے تھے اُن بتوں اور خداؤں کا نام بلند آواز کے ساتھ

اخرج ابن المنذر عن ابن عباس فی قولہ
تعالیٰ **وما اہل قال ذبح** واخرج
ابن جریر عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ **وما
اہل بہ لغیر اللّٰہ** یعنی **ما اہل
للطواغیت** واخرج ابن ابی حاتم عن
مجاہد **وما اہل قال ماذبح لغیر
اللّٰہ** واخرج ابن ابی حاتم عن ابی العالیہ
وما اہل بہ لغیر اللّٰہ یقول **ما
ذکر علیہ اسم غیر اللّٰہ
انتھٰی** ۔ در فتح البیان آمدہ یعنے **ما ذبح
للاصنام والطواغیت
وصیحَ فی ذبحہ** ۔ در مظہری مے
نویسد **قال الربیع بن انس
یعنی ما ذکر عند ذبحہ اسم
غیر اللّٰہ والاہلال اصلہ
رویۃ الہلال یقال اہل الہلال
ثم لما جرت العادۃ برفع
الصوت بالتکبیر عند رویۃ
الہلال سمی لرفع الصوت
مطلقاً الاہلال و کان الکفار
اذا ذبحوا لاٰلہتہم یرفعون
اصواتہم بذکرہم فجریٰ**

پکارتے تھے لہذا یہ عُرف جاری ہو گیا کہ ہر ذابح
کو مُہل کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ **بسم اللّٰہِ اَللّٰہُ
اَکْبَرُ** بلند آواز سے نہ بھی کہے۔ انتہی تفسیر
مدارک میں ہے کہ بُتوں کے لئے ذبح کیا جائے
اور غیر اللہ کا نام اُس پر لیا جائے۔ علامہ سیوطی
دُرِ منثور میں لکھتے ہیں کہ **ما اہل بہ لغیر
اللّٰہ** کی تفسیر میں ابن المنذر نے ابنِ عباس
سے **وما اہل** کا معنے **ذُبِحَ** نقل کیا ہے۔ اسی
طرح ابن جریر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے
کہ **ما اہل للطواغیت** ابن ابی حاتم
نے ابی العالیہ سے نقل کیا ہے۔ **وما اہل بہ
لغیر اللّٰہ یقول ماذکر علیہ اسم
غیر اللّٰہ انتھٰی** ۔ فتح البیان میں ہے جو
چیز بُتوں کے لئے ذبح کی جائے۔ اور اُس
پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پُکارا جائے۔
تفسیر مظہری میں لکھا ہے حضرت ربیع بن انس
فرماتے ہیں جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام
ذکر کیا جائے۔ اہلال اصل میں چاند

ذلک من امرهم حتّٰی قیل لکل ذابحٍ وان لم یجھر مھل۔ انتھیٰ۔ در رُوح البیان آمدہ ای وحرم مارفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم واصل الاھلال رفع الصوتِ و کانوا اذا ذبحوا لآ لھتھم یرفعون اصواتھم بذکرھا و یقولون باسم اللات والعزیٰ فجری ذلک من امرھم حتیٰ قیل لکل ذابح وان لم یجھر بالتسمیۃ مھلّ۔ انتھیٰ۔ موضع الحاجۃ۔ علامہ ابوالسعود در تفسیر خودنویسد وما اھل بہ لغیر اللہ ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم۔ انتھیٰ۔ درجلالین آمدہ ای ذبح علےٰ اسم غیرہ۔ ودرمعالم التنزیل آمدہ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ ای ماذبح للاصنام والطواغیت واصل الاھلال رفع الصوت وکانوا اذا ذبحوا لآلھتھم

دیکھنے کو کہتے ہیں۔ یقال اھل الھلال فلان نے چاند دیکھا ہے۔ پھر جب عادت ہو گئی کہ لوگ چاند دیکھنے کے وقت بلند آواز سے تکبیر کہتے ہیں۔ تو مطلقاً آواز بلند کرنے پر اھلال بولا جانے لگا۔ اور کفار جب بتوں کے لئے جانور ذبح کرتے تھے تو اُن بتوں کا نام لے کر پکارتے تھے لہذا ہر ذابح کو مُہل کہا جانے لگا خواہ وہ آواز بلند نہ بھی کرے۔ (اھ ک) صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں یعنی جس جانور پر ذبح کے وقت بتوں کا نام پکارا جائے وہ حرام ہے۔ اہلال اصل میں مطلقاً آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں۔ کفار جب جانور ذبح کرتے تو بلند آواز سے باسم اللات والعزیٰ کہتے لہذا ہر ذابح کو مہل کہا جانے لگا۔ اگرچہ اس نے جہر نہ کیا۔ انتہیٰ موضع الحاجۃ۔ علامہ ابو السعود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم۔ انتھیٰ یعنی ذبح کے وقت بُت کے لئے آواز بلند کی۔ جلالین

يرفعون اصواتهم بذكرها فجرئے ذلک من امرهم حتیٰ قيل لكل ذابحٍ وان لم يجهر بالتسمية مهل وقال الربيع بن انس وغيره وما اهل به لغير الله ط قال ذكر عليه اسم غير الله۔ انتهیٰ۔

میں ہے ای ذبح علی اسم غیرہ کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ معالم التنزیل میں ہے وما اهل به لغير الله۔ الخ (معنی قبل ازیں گزر چکا ہے)۔

ازعبارات مسطورہ پُر ظاہر است کہ اہلال رابر ذبح حمل نمودن موافق عرف آں دیار وآں زمان است ولفظ اہلال منقول است از ورفع الصوت بسوئے ذبح عرفاً والمعنے اللغوی اعم من العرفی[1] مطلقاً من حیث الصدق والحمل علی قول من فسر قولہ تعالیٰ۔ وما اهل به لغير الله ط بقولہ ای رفع الصوت عند ذبحہ للاصنام اومن وجہ من حیث التحقق عند من فسرہ بقولہ ای ذبح لغیر اللہ آرے مفسرین وعلماء لغت در وقت بیان نمودن معنے عرفی برائے اظہار علاقہ مابین معنے منقول عنہ والیہ معنے لغوی رانیز بیان مے کنند نہ از برائے آں کہ مُراد از

مندرجہ بالا معتبر تفاسیر کے حوالہ جات سے ظاہر باہر ہو گیا کہ اہلال کو ذبح کے معنے پر حمل کرنا اہل عرب کے عرف کے بالکل مطابق ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اہلال کا لغوی معنے رفع الصوت ہے۔ لیکن عرف والوں نے اس معنے سے نقل کر کے ذبح کے معنے میں استعمال کرلیا ہے۔ جن لوگوں نے ما اهل به کا معنے رفع الصوت عند ذبحہ کیا ہے اُن کے نزدیک لغوی معنی صدق اور حمل کی حیثیت سے عرفی معنے سے اعم مطلق ہوگا اور جن لوگوں نے ما اهل به کا معنے ما ذبح لغير الله کیا ہے اُن کے نزدیک لغوی اور عرفی معنے کے درمیان عام وخاص من وجہ کی نسبت ہوگی یعنی لغوی معنے من

☆☆☆☆☆☆

[1] خلاصہ جواب یہ ہے کہ اہلال کا لغوی معنی چونکہ دلائل شرعیہ کی وجہ سے نہیں لیا جا سکتا لہذا عرفی معنی مراد ہے یعنی بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا اور ایسی مذبوحہ حرام ہوگی۔ فیض عفی عنہ

ابلال در آیت **وما اهل به لغیر اللّٰه** معنے لغوی ست برائے اصالت او۔	حیث التحقق عرفی معنے سے اعم من وجہ ہوگا۔ ہاں مفسرین اور علماء لُغت عرفی معنے کے بیان کرتے وقت منقول عنہ اور منقول الیہ کا علاقہ ظاہر کرنے کے لئے لغوی معنے بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اھل کا معنے اس آیت میں صرف لغوی مُراد ہے۔

☆☆☆☆☆☆

سوال

قد تقرر فی اصول الحنفیة قاطبة ان التقیید لا یکون علے طریقة المفهوم المخالف لان المطلق یجری علےٰ اطلاقه والمقید علیٰ تقییده فلا ینافی احد هما للآخر وان کان فی حادثةٍ واحدة فبناءً علی القاعدة المذکورة یجوزان یکون المطلق سبباً باطلاقه والقید بتقییده اذ لا مزاحمة فی الاسباب۔

اصولِ حنفیہ میں قطعی طور پر ثابت ہے کہ مفہوم مخالف کے طریق پر تقیید جائز نہیں کیونکہ مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی تقیید پر جاری رہے گا۔ لہٰذا وہ دونوں ایک دُوسرے کے منافی نہیں ہوں گے اگرچہ ایک ہی واقعہ میں ہوں۔ اس قاعدہ کی بناء پر جائز ہے کہ مطلق اپنے اطلاق کے ساتھ سبب ہو اور مقید اپنی تقیید کے ساتھ کیوں کہ اسباب میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔

جواب

لیس ھٰھنا نصانِ احد هما مطلق والثانی مقیدٌ حتیٰ تجری القاعدة المذکورة بل قوله تعالیٰ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ نصّ" واحد امامطلقٌ واما مقیّد وبعد الفرض بالنظر الی تعد دالتفسیر فنقولُ قید عند ذبحه لم

یہاں ایسی دو نصیں موجود نہیں جن میں سے ایک مطلق ہو اور دُوسری مقید تا کہ اصول کا مندرجہ بالا قاعدہ جاری ہو سکے بلکہ وما اهل به صرف ایک نص ہے جسے مطلق سمجھو یا مقید۔ اور اگر متعدد تفاسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے فرض کر لیں کہ یہ آیت مطلق ہے تو پھر ہم کہیں گے کہ عند ذبحہ کی قید چونکہ نفی ماعدا کو واجب

یوجب النفی عما عداه فلیس من قبیل حمل المطلق علی المقید لکن النص الاخر الوارد فی البحائر والسوائب ابطل حرمة الحیوان المشتھرۃ بانه لغیر اللّٰه فاَوجب نسخِ الاطلاق کما ان قید السائمة والعدالة فی قوله علیه السلام فی خمس من الابل شاۃ وقوله علیه السلام فی خمس من الابل السائمة شاۃٌ وفی قوله تعالیٰ واستشھدوا شھیدین من رجالکم و قوله تعالیٰ و اشھد واذویٰ عدل منکم لم یوجب نفیے الحکم لکن السنة المعروفة ای لا زکوٰۃ فی العوائل والحوامل والعلوف) فی ابطال الزکوٰۃ عن العوا مل والحوامل والنص الوارد فی باب

نہیں کرتی لہذا مطلق کا حمل مقید پر لازم نہ آئے گا۔ لیکن دوسری نص جو بحائر اور سوائب میں وارد ہے اور حیوان مشتہر کی حرمت کا ابطال کر رہی ہے وہ اس اطلاق کا نسخ کر رہی ہے جیسا کہ سائمہ کی قید حدیث **فی خمس من الابل شاۃ** (جو مطلق ہے) اور **فی خمس من الابل السائمة شاۃ** (جو مقید ہے) میں نفی حکم کو واجب نہیں کرتی یا عدالت کی قید آیت **واستشھدوا شھیدین من رجالکم** (جو مطلق ہے اور آیت **واشھدواذوی عدل منکم** (جو مقید ہے) میں نفی حکم کا باعث نہیں لیکن سُنتِ مشہورہ یعنی **(لا زکوٰۃ فی العوامل والحوامل والعلوف)** کام دینے والے، بار اُٹھانے والے اور گھر میں گھاس کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ واجب

التثبت فی نباء الفاسق ای
قوله تعالیٰ یا اَیُّهَا الذین
اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنباء
فتبینُوا) اوَجب الاطلاق
فکذا ھٰھنا[1] فما قال مولا نا
تراب علی وغیره من
الاعلام فے ھٰذا المقام اقتفاءً
علے آثار خاتم المحدثین
رضوان اللّٰه تعالیٰ علیهم
اجمعین من قوله فجملة
المرام ان تفسیر الاهلال
باعتبار وضع اللغة
واستعمال الشرع والعرف
هو رفع الصوت مطلقاً واما
ما وقع فی البیضاوی
والمدارک والدّرالمنثور
وغیر ها من قید عندالذبح
فتفسیر بالاخص تنبیهاً
علی ان الغرض من الاهلال

نہیں) نے اطلاق کا نسخ کر دیا ہے اسی طرح
اس نص نے جو فاسق کی خبر کے متعلق وارد ہے
اطلاق کا نسخ واجب کر دیا ہے۔ بعینہ اسی طرح
آیت **وما اهل به** میں بھی بحائر اور سوائب
والی نص نے نسخ اطلاق واجب کر دیا ہے لہٰذا
مولانا تراب علی وغیرہ علمائے اعلام نے خاتم
المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث
دہلویؒ کے اتباع میں جو کچھ سپرد قلم فرمایا ہے
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلال کی تفسیر وضع اللغۃ و
استعمال الشرع والعرف کے لحاظ سے مطلقاً
آواز بلند کرنا ہے۔ اور بیضاوی، مدارک اور دُرِ
منثور وغیرہ میں جو عندالذبح کی قید موجود ہے وہ
تفسیر بالاخص ہے اور وہ بات پر تنبیہ کرنا مقصود
ہے کہ اس زمانے کی عادت کے مطابق غالبؒ
اہلال کا معنے ذبح کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اپنے

☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] اہل ادب عربی سے مخفی نہ ہو کہ حضرت مؤلف کی اس عربی عبارت میں ما موصول مبتدا ہے اور فلیس بمستقیم خبر ہے اور
اس عبارت سے مولانا تراب علی و دیگر علماء کے بیان کی تردید مقصود ہے۔ فیضی

الـذبح غالباً واشعارًا لجری عادۃ اھل ذلک الـزمـان عـلـے انـہ قد تـقرر فی مقرہ ان التقیید لا یکون علیٰ طریق المفھوم المخالف اذا الـمـطـلـق یبقـی علی اطلاقـہ والـمـقیـد عـلـے تقییدہ فلا تنافی بینھما اصلاً الخ

موقعہ پر یہ فائدہ ثابت ہو چکا ہے کہ مفہوم مخالف کے طور پر تقیید نا جائز ہے۔ جب مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید اپنی تقیید پر تو ان دونوں میں بالکل منافات نہ ہوگی۔ الخ

فـلـیـس بمستقیمٍ کما لا یخفی عـلـی الـمـنـصف و علی تقدیرِ تسـلـیـم مـا صـحـت بـہ تلک الاعـلام فـنـقـول مـنشاء تقیید عـنـدالذبح لیس ھو خصوص الـمـورد بـل ھـو مستـفـادٌ من کـلـمۃ بـہ فـی الآیۃ فـقـولـھم عـنـدالذبح عطف بیانٍ او بدل مـن التلبس المستفاد من الباء فـی بـہ کـمـا صرح بہ مولانا عبدالـحکیم فی حاشیتہ علے البیضـاوی حیـث قـال علے ھـامـش قول البیضـاوی اے رفـع بـہ الـصـوت عند ذبحـہ لـلـصـنـم) الضمیران لما وزاد عـلـی الکشاف لفظ عند ذبحہ بیانا

ان حضرات کا یہ بیان درست نہیں جیسا کہ صاحب انصاف پر مخفی نہیں۔ اور اگر ایک لمحہ کیلئے ان حضرات کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ عند الذبح کی قید کا منشاء مورد کا خاص ہونا نہیں بلکہ وہ **بہ** کے کلمہ سے مستفاد ہو رہا ہے۔ لہذا عند الذبح کا قول عطف بیان یا بدل واقعہ ہوگا تلبس سے جو **بہ** کی باء سے حاصل ہو رہا ہے۔ مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی نے بیضاوی کے حاشیہ پر اس بات کی تصریح فرما دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں ضمیریں ما کی طرف راجع ہیں اور عند ذبحہ کا اضافہ تلبس کا بیان ہے یا اس سببیت کا جو لفظ باء سے حاصل ہے پس یہ بدل یا عطف بیان ہے **بہ** کے لفظ سے (انتہی)۔ یا ہم کہیں گے کہ **بہ**

للتلبس اوالسببية المستفادة من الباء فی بدل من بہ اوعطفِ بیان انتھیٰ۔ او نقول الباء فی بہٖ معنی فے ولا بد من حذف مضاف اے فی ذبحہ کما صرح بہ سلیمان الجمل فی تفسیر قولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ ط وبالجملۃ معنے الذبح او قید عندالذبح لیس بخارج عن مدلول النص.

کی با بمعنی فی اور کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے اے فی ذبحہ کما صرح بہ سلیمان الجمل فی ھذہ الآیۃ ۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ذبح کا معنے یا عندالذبح کی قید مدلول النص سے خارج نہیں۔ و ہذا ہوالمطلوب۔

وجہ سوم۔ برائے مخدوش فیہ بودن آں کہ اھل بہ لغیر اللّٰہ را بمعنے ذبح باسمِ غیر اللہ گرفتن تحریفِ کلامِ الٰہی نیست قال النووی فی شرح مسلم فی تفسیر ما اخرجہ من قولہ صلی اللّٰہ علیہ والہٖ وسلم لعن اللّٰہ من لعن والدہ ولعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ واما الذبح لغیر اللّٰہ ان یذبح باسم غیر اللّٰہ کمن ذبح للصنم اوللصلیب او

وجہ سوم۔ شاہ صاحب کی کلام کے مخدوش ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اھل بہ لغیر اللّٰہ کا معنے ذبح باسمِ غیر اللہ کر لیا جائے تو اس میں کلامِ الٰہی کی کوئی تحریف نہیں۔ نووی نے مسلم کی شرح میں اس حدیث کی تفسیر میں لکھا ہے۔ قال صلی اللّٰہ علیہ والہٖ وسلم الخ تو گویا اُھِلَّ کا معنے خود حدیث کے الفاظ میں ذبح کے ساتھ کیا گیا اور نووی نے تصریح کر دی کہ ذبح لغیر اللّٰہ سے مراد یہی ہے کہ ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے مثلاً بتوں کا، صلیب کا، موسیٰ علیہ السلام یا

لموسیٰ و عیسیٰ وعلیهما السلام والکعبة ونحو ذالک الخ بلکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ و مجاہد و ابو العالیہ وغیرہم ہمیں معنے را مراد داشتہ اند کما مر۔ و والد ماجد خاتم المحدثین جناب مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ در فتح الرحمن مے نویسد **وما اهل به لغير الله** وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا **وما اهل لغير الله به** وآں چہ نام غیر خدا بوقت ذبح او یاد کردہ شود۔ انتہے

عیسیٰ علیہ السلام کا بلکہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہم نے بھی یہی معنے مراد لیا ہے۔ کما مر۔ اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الرحمن میں خود یہی معنے کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

فائدہ: وجہ تقدیم کلمہ بہ بر لغیر اللہ در آیت **وما اهل به لغير الله** و وجہ تاخیر او در آیت **وما اهل لغير الله به** آنکہ تقدیم بناء بر اصل است کہ اتصال ظروف بمتعلقات مے باشد و تاخیر از برائے غایت اہتمام بسوئے لغیر اللہ کہ مراد او راد خل تام است در حکم تحریم

فائدہ: پہلی آیت شریف میں لفظ **بہ** مقدم ہے اور دوسری میں مؤخر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقدیم اصل کی بناء پر ہے یعنی ظروف ہمیشہ اپنے متعلقات کے ساتھ متصل ہوتے ہیں اور تاخیر اس لیے کہ لغیر اللہ کا لفظ تحریم کے لئے خاص طور پر ضروری اور قابلِ اہتمام تھا۔ لہذا اُسے پہلے ذکر کیا گیا اور **بہ** کو بعد میں۔

وجہ چہارم: آں کہ جناب خاتم المحدثین را نیز لابد است از اخذ قید عند الذبح در معنی مراد خود از **وما اهل به لغير الله** چنانچہ در جواب استفتاء مذکور کہ بزبانِ فارسی تحریر فرمودہ اند می نویسند۔ (آرے ذکرِ نامِ خدا بر آں جانور وقتے فائدہ مے

وجہ چہارم یہ ہے کہ خود جناب شاہ صاحب قبلہ کے لئے بھی عند الذبح کی قید لگانا لازمی امر ہے۔ چنانچہ آپ نے فارسی میں جو استفتاء کا جواب تحریر فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں:۔

(ہاں اللہ تعالیٰ کا نام اُس جانور پر اُس وقت فائدہ دیتا ہے۔ کہ غیر خدا سے تقرب کی نیت

دہد کہ قصدِ تقرب بغیر خُدا از دِل دُور کردہ و خلافِ آں شہرت و آواز دیگر دہد کہ ما ازیں کار بر گشتیم) پس نزدِ حضرتِ موصوف نیز تشہیر و انتساب الیٰ غیر اللہ عند الذبح موجبِ حرمت مذبوح گشت فتامل۔

وجہ پنجم: آں بجواب استفتاء مذکور حضرت موصوف در صدر کلام نفس تشہیر و انتساب حیوان را الیٰ غیر اللہ موجبِ حُرمت قرار دادہ اند و اند کے بعد ازیں ذبح لغیر اللہ را یعنے اخراج جان برائے جان آفرین کہ اصلاً در استفتاء مذکور نیست و بالاتفاق حرام[2] چنانچہ مے فرمائیند (و گنہ ایں مسئلہ آن است کہ جان را برائے غیر جان آفرین نثار کردن درست نیست)**وَ اَیْنَ هٰذا مِنْ ذاکَ الاان یلتزم**

دل سے دُور کر دے اور اس تشہیر کے خلاف یہ کہے کہ ہم نے اس کام سے توبہ کر لی) اس سے معلوم ہو گیا کہ جناب موصوف کے نزدیک بھی ذبح کے وقت غیرِ خُدا کی طرف نسبت کرنا حرمت کا باعث ہے[1]

وجہ پنجم: یہ ہے کہ استفتاء کی ابتداء میں تو حضرت موصوف نے محض انتساب اور تشہیر الیٰ الغیر کو حرمت کا باعث قرار دیا ہے اور تھوڑی دُور جا کر پھر ذبح لغیر اللہ کو حرمت کا باعث بنا دیا ہے۔ (یعنی جان کا جان آفرین کے سوا کسی دوسرے کے لئے نکالنا) جس کا استفتاء میں کہیں ذکر نہیں اور بالاتفاق حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ (جان کو جان آفرین کے غیر کے لیے نثار کرنا درست نہیں)

؎ بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

یہ اور بات ہے کہ دونوں میں استلزام تسلیم کر لیا

☆☆☆☆☆☆

[1] علاوہ ازیں حضرت خاتم المحدثین کی کلام سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ **مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** کی حرمت ابدی نہیں بلکہ اس کا تعلق ناذر کے اعتقاد کے ساتھ ہے اگر اُس نے اپنے فاسد عقیدہ سے قبل از ذبح توبہ کر لی تو اس جانور کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ اور وہی جانور جو ایک منٹ پہلے حرام تھا اب حلال ہو جائے گا۔ سبحان اللہ! اس آیت کے سیاق اور سباق پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اُن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ابدی طور پر حرام ہیں کسی عقیدہ کی تبدیلی سے حلال نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً میتہ۔ دم مسفوح۔ لحم خنزیر وغیرہ۔ لہذا **مَا اُهِلَّ** کا معنے مطلقاً رفع الصوت کرنا سیاق وسباق کے بھی خلاف ہو گا۔ ۱۲

[2] بالمعنی الشامل المکروہ۔ ۱۲ منہ

الاستلزام مطلقاً وهو كما ترى[1]۔ ایں جا نقل سوال وجواب کہ درفتاوے عزیزی مرقوم است مُناسب معلوم مے شود۔

جائے جو غلط ہے۔ یہاں اس سوال اور جواب کی نقل پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ جو فتاوے عزیزی میں موجود ہے۔

☆☆☆☆☆☆

[1] یہاں تک حضرت مؤلف نے **مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** کی اس تفسیر کو جو جمہور مفسرین نے اختیار فرمائی پانچ وجوہ کی بناء پر بالکل دُرست ثابت کیا ہے۔

سوال

معنی آیت **وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** چیست ومصداق ایں آیت کیست۔

آیت **وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** کا معنے کیا ہےاور اس آیت کامِصداق کون ہے؟

جواب

قولہ تعالٰی **وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** و دیگر آں جانور کہ آواز بر آوردہ شدہ و شُہرت دادہ شد در حقِ آں جانور کہ لغیر اللہ یعنے برائے غیر خُدا است خواہ آں غیر بُت باشد یا رُوحے خبیث کہ بطریق بھوگ بنام اوبد ہندو خواہ جِنّے مسلط بر خانہ یا سر، کہ بدوں دادنِ جانور از سکنائے آں جا دست بردار نہ شود یا توپ را روانہ کردن ند بد خواہ پیرے یا پیغمبرے را بایں وضع جانورے زندہ مقرر کردہ بد ہند ایں ہمہ حرام است و درحدیثِ صحیح وارد شدہ کہ **ملعون من ذبح لغیر اللہ** یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خُدا نماید ملعُون است خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چُوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلاں است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت وخبثے درو پیدا

اس کا معنے ہےاور دوسرا وہ جانور جس پر آواز بلند کی جائے اور شہرت دی جائے کہ یہ جانور غیرِ خُدا کے لئے ہے وہ غیر بُت ہو خواہ خبیث رُوح ہو جیسا کہ بھوگ کے طور پر جانور بھینٹ چڑھاتے ہیں خواہ جِن ہو جو کسی گھر میں یا کسی کے سر پر مسلط ہو اور بغیر جانور لیے تکلیف دینے سے باز نہ آئے یا کسی توپ پر قابض ہو اور اُسے چلنے سے روک رکھے یا اسی طریق پر کسی پیر یا پیغمبر کے لئے کوئی جانور زندہ مقرر کرلیں یہ سب حرام ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے **ملعون من ذبح لغیر اللہ** یعنی جو شخص غیر خُدا کے تقرب کے لئے جانور ذبح کرے وہ ملعُون ہے۔ ذبح کے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے کیوں کہ جب اُس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں شخص کے لئے ہے تو پھر ذبح کے وقت خُدا کا نام لینا کوئی فائدہ نہ کرے گا۔ کیونکہ نسبت اور شہرت سے اس جانور میں اس

شد کہ زیادہ از خبث مُردار است زیرا کہ مُردار بے ذکر نامِ خُدا جان دادہ است و جانِ ایں جانور را از آن غیرِ خدا اقرار دادہ کشتہ اند و آں عین شرک است و ہر گاہ ایں خبث در وے سرایت کند دیگر بذکرِ نامِ خُدا حلال نمے شود مانندِ سگ و خُوک کہ اگر بنامِ خدا ذبح شوند حلال نمے گردند وکنہ ایں مسئلہ آنست کہ جان را برائے غیر جان آفرین نثار کردن درست نیست و ماکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز اگرچہ از راہِ تقرب لغیر اللہ دادن حرام و شرک است لیکن ثواب آں چیز ہارا کہ عائد بر بندہ مے شود از آں غیر ساختن جائز است زیرا کہ انسان را مے رسد کہ ثوابِ عملِ خود را بغیرِ خود بخشد چنانچہ می رسد کہ مالِ خود را بغیرِ خود بدہد و جانِ جانور مملوکِ آدمی نیست تا اورا بہ کسے تو اند بخشید و نیز دادنِ مال ازیں جہت مستوجبِ ثواب است کہ آدمیاں بہ وے متمتع مے شوند و چوں مردہ یا بعد از مفارقت ازیں جہاں قابلِ انتفاعِ عینِ مال نہ ماندہ اند طریق نفع رسانیدن آں ہا در شرع چنیں قرار یافت کہ ثوابِ اموال را کہ بہ مستحقاں

قدر خبث پیدا ہو چکا ہے جو مُردار سے بھی زائد ہے کیوں کہ مُردار نے اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا جان دی ہے اور اس جانور کی جان کو غیر خُدا کے لئے مقرر کر کے ذبح کیا گیا ہے اور یہ بالکل شرک ہے۔ جب یہ خبث اس میں سرایت کر گیا تو پھر خُدا کا نام لینے سے حلال نہ ہو سکے گا۔ کُتّے اور سؤر کی طرح جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے کبھی حلال نہیں ہو سکتے۔ اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان کو جان پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے نام پر نثار کرنا درست نہیں ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو بھی تقرب لغیر اللہ کیلئے دینا شرک اور حرام ہے مگر ان اشیاء کا ثواب جو اس بندہ کی طرف راجع ہوتا ہے غیر کے لئے بخشنا جائز ہے۔ کیوں کہ انسان اپنے اعمال کا ثواب دُوسرے کو بخش سکتا ہے۔ جس طرح اپنا مال دوسرے کو دے سکتا ہے لیکن جانور کی جان چونکہ انسان کی ملکیت سے خارج ہے لہذا وہ کسی کو بخشی بھی نہیں جا سکتی۔ نیز مال کا دینا اس لیے ثواب ہے کہ دوسرے آدمی اس سے نفع مند ہوتے ہیں۔ اور میت اس جہان سے جُدا ہو جاتا ہے اور عین مال سے نفع مند نہیں ہو سکتا تو شریعت نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ وہ مال مستحقین پر خرچ کر کے اس کا ثواب اس

برسانند یا نہ مانند سازند و جانِ جانور اصلا
قابلِ انتفاع نیست در زندگی پس بعد از
مردگی نیز قابل انتفاع نہ باشد۔ آرے
اضحیہ از طرف مُردہ کردن در حدیث صحیح
آمدہ است لیکن معنیش ہمیں است کہ
دادن جان برائے خدا و ثواب کہ دارد بآں
مردہ بخشیدہ شود نہ آں کہ ذبح برائے مردہ
کردہ آید و بعضے جہالِ مسلمین دریں مقام
کج فہمی مے کنند و مے گویند کہ گوشت را
پختہ بنام مردہ بادادن بلاشبہ جائز است و
ما نیز از ذبح کردن جانور بنام آں مُردہ
ہمیں قدر قصد مے نمائیم برائے فہمانیدن
ایشاں یک نکتہ کافیست کہ بہ ایشاں باید
گفت کہ شما ہرگاہ ذبح کردن جانور بنام خدا
غیرِ خدا نذری کنید اگر عوض آں جانور
گوشت بہ ہماں مقدار خریدہ و پختہ بفقراء
خورانید در ذہن شما آں نذر ادا مے شود
یا نہ۔ اگر مے شود راست مے گویند کہ مقصود
شما از ذبح غیر از گوشت خورانیدن برائے
ثواب آں مردہ نبود والا تقرب بذبح نذر
او کردہ آید و شرک صریح لازم مے آید۔
و در لفظ ایں آیت کہ در چہار جا از قرآن
مجید وارد شدہ تامل باید کرد کہ **ما اهل به لغير الله**

میت کی روح کو بخش دیں اور جانور کی جان
چونکہ فی ذاتہ زندہ ہونے کی حالت میں انتفاع
کے قابل نہیں تو مردہ ہونے کے بعد بھی انتفاع
کے لائق نہ ہوگی۔ ہاں مُردہ کی طرف سے
قربانی کرنے کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے
لیکن اس کا معنے بھی یہی ہے کہ جان جان
آفرین کے لئے اور ثواب میت کے لیے۔ نہ یہ
کہ ذبح اس مردہ کے لئے کی گئی ہے بعض جاہل
مسلمان کج فہمی کی بنا پر کہہ دیتے ہیں کہ میاں
گوشت پکا کر تو مردے کے نام پر دینا بلاشبہ
جائز ہے ہم بھی اس جانور پر جو مردے کے نام
پر ذبح کیا جاتا ہے یہی قصد کرتے ہیں۔ ایسوں
کے سمجھانے کے لئے فقط ایک نکتہ کافی ہے۔
انہیں کہنا چاہیے جو جانور تم اس قصد کے ساتھ
نذر کر رہے ہو اگر اس جانور کے عوض اسی مقدار
میں گوشت خرید کر پکا لو اور فقیروں کو کھلا دو تو
تمہارے خیال میں تمہاری نذر ادا ہو جائے گی یا
نہ۔ اگر ہو جاتی ہے پھر تو تم درست کہتے ہو کہ
تمہارا ارادہ اس ذبح سے فقیروں کو گوشت کھلا کر
میت کو ثواب پہنچانے کا تھا۔ اور اگر نذر ادا نہیں
ہوئی تو یقینا یہ نذر لغیر اللہ تھی۔ اور اس سے
تقرب الی الغیر مقصود تھا اور یہ شرک صریح
ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے الفاظ پر غور اور

فرمودہ اند نہ **ماذبح باسم غیر اللہ** پس ذبح کردن بنام خدا ہمراہ شہرت دادن و آواز برآوردن باں کہ فلاں گاؤ فلانی و بز فلانی ذبح مے کند ہیچ فائدہ نمے کند و گوشت آں جانور حلال نمے گردد و **اُھِلَّ** رابر **ذُبِحَ** حمل کردن خلاف فقہ و عرف است ہرگز اہلال در لغت عرب و عرف آں دیار وآں وقت بمعنے ذبح نیامدہ در ہیچ شعر و ہیچ عبارت بلکہ اہلال درلغت عرب بمعنے بلند کردن آواز وشہرت دادن است چنانچہ اہلال ہلال استہلال طفل نو تولد واہلال بمعنے **تلبیہ حج و غیر ذلک** مستعمل است واگر کسے بگوید کہ **اھللت للہ** ہرگز معنی **ذبحت للہ** فہمیدہ نخواہد شد۔ ونیز اگر **اُھِلَّ** رابر **ذُبِحَ** حمل کردہ شود پس ذبح لغیر اللہ مراد خواہد شد ذبح باسم غیر اللہ از کجا فہمیدہ شود تا مدعائے ایں مردم حاصل شود پس دریں عبارت اہلال رابمعنی ذبح گرفتن باز لغیر اللہ را بجائے باسم غیر اللہ ساختن قریب تحریف کلام الٰہی مے رسد۔

تامل کرنا چاہیے جو چار جگہ قرآن کریم میں وارد ہوئی ہے۔سب جگہ **اھل بہ لغیر اللہ** فرمایا ہے۔**ما ذبح باسم غیر اللہ** نہیں فرمایا۔لہذا غیر کے نام پر مشہور کردہ جانور کو کہ یہ فلاں کا ذبیحہ ہے اور فلاں کی گائے ہے خدا کے نام پر ذبح کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور اس جانور کا گوشت حلال نہ ہو سکے گا اور **اُھِلَّ** کو **ذُبِحَ** کے معنے پر حمل کرنا عُرف اور فقہ کے خلاف ہے۔ اہل عرب کی عُرف اور لُغت میں اہلال بمعنے ذبح ہرگز استعمال نہیں ہوا نہ کسی شعر میں نہ کسی عبارت میں بلکہ لُغت عرب میں اہلال آواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے معنے میں وارد ہے۔ چنانچہ اہلال، ہلال، استہلال طفل نو تولد اور اہلال بمعنے تلبیہ حج وغیرہ عام مستعمل ہے۔اگر کوئی شخص **اُھْلَلْتُ لِلّٰہِ** کہے تو اس کے معنی **ذَبَحْتُ لِلّٰہِ** ہرگز نہیں سمجھے جاتے اور اگر اہلال کو ذبح پر حمل کیا جائے تو پھر بھی ذبح لغیر اللہ مراد ہوگا۔

ذبح باسم غیر اللہ تو نہ سمجھا جائے گا تاکہ ان لوگوں کا مطلب حاصل ہو سکے۔لہذا اس آیت میں اہلال کو بمعنے ذبح لینا اور پھر لغیر اللہ کی بجائے باسم غیر اللہ بنالینا تقریباً کلام خداوندی کی تحریف ہو جاتی ہے۔

در تفسیر[1] نیشاپوری ے گوید **اجمع العلماء لوأن مسلماً ذبح ذبیحة و قصد بذبحها التقرب الیٰ غیر الله صار مرتدًا و ذبیحته' ذبیحة مرتدٍ. انتهیٰ** ۔ وکفار اندر جاہلیت در وقت برآمدن از خانہ و در راہ بنام بتاں آوازے کردند و چوں بہ مکہ معظمہ ے رسیدند طواف خانہ کعبہ ے نمودند ایں طواف ایشاں بخانۂ خدا ہرگز از ایشاں مقبول نبود لہذا حکم شد **فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** ۔ پس دریں جا نیز چوں آواز برآوردند و شہرت دادند کہ ایں جانور از فلانی ست و بنام اوست و برائے اومی کنم و در وقت ذبح بنام خدا ذبح کنانیدند اصلا

تفسیر[1] نیشاپوری میں ہے کہ علماء نے اجماع کر لیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی قسم کی قربانی کرے اور اس سے ارادہ غیر خدا کی طرف تقرب کا ہو تو وہ شخص مرتد ہو جاتا ہے اور اس کی ذبیحہ مرتد کی ذبیحہ ہوتی ہے یعنی حرام۔ ایام جاہلیت میں کفار گھر سے باہر نکلتے وقت اور راستہ پر بھی بتوں کے نام پر آواز بلند کرتے تھے اور مکہ معظمہ میں پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور میں کفار کا یہ طواف وغیرہ ہرگز مقبول نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ حکم ہو گیا **فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا**۔ اس سال کے بعد مسجد حرام کے نزدیک مت آئیں۔ یہاں بھی جب جانور پر غیر خدا کا نام بلند ہو گیا اور مشہور ہو گیا کہ یہ جانور فلاں کے نام کا ہے تو پھر ذبح کے وقت خدا کے نام لینے سے ہرگز حلت پر منتج

☆☆☆☆☆☆☆

[1] دریں جا ملاحظہ رود کہ مولانا از نیشاپوری اجمع العلماء نقل ے فرمایند و حالانکہ در روے قال العلماء یافتہ شدہ است **فالنقل ما طابق الاصل ۱۲ منه عفی عنه**

[1] اس جگہ خیال کرنا چاہیے کہ مولانا نے نیشاپوری سے اجمع العلماء نقل فرمایا ہے حالانکہ اس میں قال العلماء لکھا ہوا ہے لہذا نقل مطابق اصل نہیں۔۱۲

موجب ترتب حلیت نہ گشت و سرّش آں
ست کہ نزد عوام طریق ذبح جانور بہر گونہ
کہ مقرر ست برائے رسانیدن جانِ جانور
برائے ہر کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ وقل و
درود خواندن طریق متعین است برائے
رسانیدن ماکولات و مشروبات بارواح
خواہ بقصد رسانیدن ثواب بآں ارواح
نمائند یا بقصد تقرب و دفع شرو چاپلوسی و
تملق آرے ذکر نام خدا برآں جانور
وقتے فائدہ مے دہد کہ تقرب بغیر خدا
از دل دور کردہ وخلاف آں شہرت و آواز
دیگر دہد کہ ما ازیں کار برگشتیم۔ آمدیم بریں
کہ دریں سورہ لفظ **بہ** را بر لفظ لغیر اللہ
مقدم آوردہ اند و در سورہ مائدہ وانعام ونحل
مؤخر وجہ ازآں است کہ اصل ہمیں است
کہ باء را متصل فعل مقدم بر متعلقات
دیگر آرند زیرا کہ باء دریں مقام برائے
تعدیہ فعل است مانند ہمزہ وتضعیف۔ پس
حتی الامکان ملاصق فعل باشد وایں موضع
اول قرآن ست دریں موضع بر ہماں اصل
خود استعمال فرمودہ اند و در سورت ہائے
دیگر آنچہ محل انکار و مدار سرزنش است یعنی
ذبح بقصد غیر اللہ مقدم آمدہ ولہذا در باقی

نہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام جس طرح بھی
جانور ذبح کریں اس سے مقصود اس جانور کی
جان اس شخص تک پہنچانی ہوتی ہے۔ جس کے
لئے ذبح کی جارہی ہے۔ جیسا کہ فاتحہ، درود اور
قل وغیرہ کے لئے ایک مقرر طریقہ ہے تاکہ وہ
کھانے پینے کی چیزیں ان ارواح تک پہنچ سکیں
خواہ ان کا ثواب پہنچانا مقصود ہو یا تقرب مدنظر
ہو یا شر سے بچنا یا چاپلوسی وغیرہ ہاں خدا کا نام
لینا اس وقت مفید ہوگا کہ تقرب لغیر اللہ کا خیال
بالکل دل سے نکال ڈالے اور پہلی آواز کے
خلاف مشہور کرے اور کہے کہ ہم اس کام سے
تائب ہیں (اور پھر خدا کا نام لے کر ذبح
کرے تو وہ جانور حلال ہوگا) باقی اس صورت
میں **بہ** کا لفظ لغیر اللہ پر مقدم ہے اور سورت
مائدہ اور انعام اور نحل وغیرہ میں مؤخر ہے اس کی
وجہ یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ حرف باء کو فعل
کے ساتھ متصل لا کر دیگر متعلقات پر مقدم
کریں۔ کیونکہ یہاں پر با تعدیہ کے لئے ہے
جیسا کہ ہمزہ اور تضعیف وغیرہ۔ پس حتی
الامکان فعل کے ساتھ متصل ہونا ضروری ہے
لہذا قرآن کریم میں پہلی جگہ پر جو یہی ہے اصل
کے موافق استعمال فرمایا گیا ہے اور دوسری
سورتوں میں چونکہ انکار اور تنبیہ کا مقام ہے لہذا

سورت باجملہ **فلا اثم علیہ** را نیز موقوف داشتہ اند زیرا کہ در اول قرآن ممنوع شدہ آمدہ است و ایں ہر چہار چیز کہ مذکور شد یعنی مردار و خون و گوشت خوک و جانورے کہ برائے غیر خدا مقرر کردہ ذبح نمائند ازاں جنس است کہ برجمیع فرقہ یا در جمیع حالات حرام است و ازاں قبیل نیست کہ بر فرقہ حرام باشد و برائے دیگراں حلال ماند۔ مالِ زکوۃ و صدقات یا در حالتے حرام است و در حالتے دیگر حلال مانند دوائے گرم کہ مضر کہ برمحرور مزاجاں حرام است و چوں مزاج آں باز ودت پیدا کند حلال مے شود آرے بوقت ناچارگی خوردن ایں چیز با باوجود حرمت معاف مے گردد۔ **کما قال اللّٰہ تعالیٰ فمن اضطر** الخ

لغیر اللہ کو مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے **فلا اثم علیہ** کا جملہ بھی فقط اول قرآن میں وارد فرما کر باقی سورتوں میں نہیں لایا گیا اور یہ چار چیزیں جو یہاں ذکر کی گئی ہیں یعنی مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور **مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** یہ اس قبیل سے ہیں جو ہر فرقہ پر حرام ہیں اور ہر حالت میں حرام ہیں۔ اس طرح نہیں ہیں کہ کسی فرقہ پر حرام ہوں اور کسی پر حلال جس طرح زکوۃ اور صدقات وغیرہ (یعنی غنی پر حرام ہیں اور فقیر پر حلال) یا کسی حالت میں حرام ہوں اور کسی وقت حلال جیسے زہریلی اور گرم دوا گرم مزاج شخص کے لئے گرمی کے موسم میں حرام ہوگی اور مزاج کی سردی کے وقت حلال ہاں اضطرار اور لاچاری کے وقت ان چیزوں کا کھانا جائز ہے[1]۔

☆☆☆☆☆☆

[1] یہاں تک فتاویٰ عزیزی کی عبارت بعینہٖ ختم ہوئی جس میں مندرجہ دلائل کے جوابات پہلے پوری تفصیل سے گزر چکے ہیں۔ مترجم عفی عنہ

باب دُوم

ذبح کے شرائط اور اقسام

بداں کہ صاحب جامع الرّموز دربیانِ
شرائط ذبح می نویسد **وَالشَّرطُ ذِکرُ
الذَّابِحِ اِسمَہٗ تَعَالٰی المجرد
علے الذبیحۃ عندالذبح للّٰہ
تعالیٰ انما قلنا الذابح لانہ لو
سمّی ذکر اسم غیرہ لم یحلّ
کما فی المحیط وانما قلنا
اسمہ تعالیٰ لانہ لو ذکر اسم
غیرہ تعالیٰ لم یحلّ وانما
قلنا المجرد لانہ لو قال
اللّٰھم اغفرلی لم یجز لانہ
دعاء کما فی الھدایۃ وانما
قلنا علے الذبیحۃ لانہ
لوسمیّ عندالذبح لافتتاح
عملٍ لم یحلّ وانما قلنا
عندالذبح لانہ اذ افصل بینہ
و بین التسمیۃ بعملٍ کثیرٍ لم
یحل**

صاحب جامع الرّموز نے ذبح کے شرائط میں
تحریر کیا ہے کہ شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح
کے وقت خالص اللہ تعالیٰ کا نام لے اور ذبح بھی
خُدا کے لئے ہو۔ ذابح اس لیے کہا گیا ہے کہ اگر
ذابح کے بغیر کوئی دوسرا آدمی تکبیر کہتا رہا ہے تو
جانور حلال نہ ہوگا اور اسمہ تعالیٰ کہنے کا مطلب
یہ ہے کہ اگر ذابح نے غیر خُدا کا نام لے کر ذبح
کیا پھر بھی حلال نہ ہوگا۔ اور المجرد کہنے کا فائدہ
یہ ہے کہ اگر تکبیر کے بجائے **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی**
کہہ دیا پھر بھی نا جائز ہوگا کیونکہ یہ دعا ہے۔
جس طرح ہدایہ میں ہے اور **علی الذبیحۃ**
کہنے سے مُراد یہ ہے کہ اگر ذبح کے وقت اس
کام کو شروع کرنے کے ارادہ سے بسم اللہ پڑھ
لیا اور ذبح کے ارادہ سے تسمیہ نہیں کہا تو بھی
جانور حلال نہ ہوگا اور عندالذبح اس لیے کہا ہے
کہ اگر ذابح نے بسم اللہ اور ذبح کے درمیان
بہت سا دوسرا کام کر لیا ہے جس سے فاصلہ ہو گیا
پھر بھی

وقال الزعفراني لو حدّد الشفرة لم يحل فلو سمّٰى علٰى ذبيحةٍ وذبح غيرها لم يحلّ و انما قلنا للّٰه تعالٰى لانه لو سمّٰى و ذبح لقدوم الامير او غيره من العظماء لا يحلّ لانه ذبح تعظيماله لا للّٰه تعالٰى. انتهٰى.

جانور حلال نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ زعفرانی وغیرہ نے کہا ہے کہ اگر درمیان میں ذابح نے چھری تیز کرنی شروع کر دی تو بھی حلال نہ ہوگا۔ پس اگر اُس نے بسم اللہ تو ایک ذبیحہ پر پڑھی ہے مگر ذبح دُوسرے جانور کو کر دیا تو بھی حلال نہ ہوگا اور للہ تعالیٰ کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اُس نے بسم اللہ بھی پڑھی ہے مگر ذبح سے مقصود غیر خدا کی تعظیم ہے جیسے کسی امیر کے آنے کے لیے[1]۔ کیونکہ اُس نے یہ جانور اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح نہیں کیا بلکہ غیر کی تعظیم کے لئے۔

یعنی شرط است برائے ذبح (۱) ذکر نمودن ذابح رانہ غیر او (۲) اِسم حق سبحانہٗ وتعالیٰ رانہ غیرِ اورا۔ (۳) خالی از ذکر اسم غیر۔ (۴) بر جانور مذبوح نہ بر غیر او۔ (۵) بوقت ذبح نہ آں کہ فاصلہ کُند درمیانِ ذبح وتسمیہ بعمل کثیر۔ (۶) خالصاً تعظیم اللہ تعالیٰ نہ برائے تعظیمِ غیر۔ وذبح بر چند قسم است اوّل آں کہ از ذبح فقط جان کشی واراقۃ الدم باشد خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ وتقرّباً الیہ چوں ہدایائے کعبہ واضحیہ

اس عبارت کی تشریح یہ ہے کہ ذبح کے لئے چھ چیزیں ضروری ہوں گی۔ (۱) ذابح کا خود بسم اللہ پڑھنا۔ (۲) صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا۔ (۳) غیر کا نام نہ لینا۔ (۴) اسی مذبوح جانور پر بسم اللہ کہنا نہ دوسرے جانور پر۔ (۵) اور ذبح اور بسم اللہ کے درمیان عملِ کثیر کا فاصلہ نہ کرنا اور (۶) خالصاً اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے ذبح کرنا نہ غیر کے لئے۔ ذبح کے کئی اقسام ہیں۔ اول ذبح سے صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے خون گرانا اور اخراجِ روح مقصود ہو اور محض اُسی

☆☆☆☆☆☆

[1] بشرطیکہ گوشت کھانے یا کھِلانے کا ارادہ نہ ہو بلکہ صرف خُون گرانا مُراد ہو جیسا کہ ایام جاہلیت میں ہوتا تھا تو ناجائز ہوگا۔ **كما صرح به فی غاية الاوطار وغيره۔** مترجم

عیدِ قربانی واضحیہ منذورہ وایں قسمِ ذبح عبادت است۔ امّا بچند شروط کہ معتبر انداز شرع مثلِ تعین مکان وزمان۔ دوئم مقصود از ذبح جان کشی است امانہ تقرباً الی اللہ ونہ الی غیر اللہ مثلاً ذبح برائے امتحان کارد و ایں قسم نہ عبادت است ونہ گناہ۔ اما حِلّتِ مذبوح مشروط است بشرائط مذکورہ بالا یعنی ذِکر الذابح اسمہ تعالیٰ الخ۔ سوئم آں کہ مقصود از ذبح فقط جان کشی و اراقتہ الدم است **لٰکنّ للتقرب الیٰ غیر اللّٰہ** اگرچہ باشد آں ذبح برنامِ خُدا او ہمیں قسم است کہ اور افقہاء تعبیر بذبحِ بغیر اللہ نمودہ حرام گفتہ اند۔ چہارم آں کہ مقصود از ذبح جانور نفس جاں کشی و اراقتہ الدم نیست بلکہ گوشتِ اوو ذبح وسیلہ است برائے آں خواہ ذبح نمودہ شود برائے خوردنِ خود یا فروختن یا بہ تقریبات شادی و غمی یا برائے ضیافت مہمان یا فاتحہ و نیازِ بزرگان یا برائے ادا نذر اللہ و خواہ ذبح وسیلہ باشد برائے امرِ مباح مثل خوردنِ خود یا فروختن وغیرھما یا برائے امرِ مستحب مثلِ ضیافت و فاتحہ و نیاز و عرائسِ بزرگان یا برائے امرِ واجب مثل نذر اللہ یا برائے

کے تقرب کا ارادہ ہو۔ جیسا کہ کعبہ شریف کے ہدایا اور عید اضحیٰ کی قربانیاں اور صحیح نذروں کی قربانیاں وغیرہ۔ یہ قسم عبادت ہے لیکن اس کے لئے بھی چند شرائط ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں مثلاً مکان اور زمان کا تعین وغیرہ۔ دوم ذبح سے تقرب ہرگز مُراد نہ ہو۔ نہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ غیر کے لئے بلکہ محض چھری کا امتحان کرنے کے لئے جانور ذبح کر ڈالا، یہ قسم نہ عبادت ہے نہ گُناہ۔ مگر حلال ہونے کے لئے مذکورہ بالا چھ شرطیں پائی جانی چاہئیں۔ سوم ذبح سے مقصود غیر خُدا کا تقرب ہو اور اخراج روح بھی اُسی غیرؔ کے لئے خواہ اُس پر ذبح کے وقت خُدا کا نام بھی لیا گیا ہو۔ اسی قسم کو فُقہاء نے ذبح بغیر اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قطعاً حرام ہے۔ چہارم ذبح سے مقصود صرف جان کشی اور خون گرانا نہیں بلکہ گوشت مطلوب ہے اپنے کھانے کے لئے یا بیچنے کے لئے یا ضیافت کے لئے یا خُوشی اور غمی کی تقریب پر یا بزرگوں کے فاتحہ اور نیاز کے لئے یا اللہ تعالیٰ کی نذر ادا کرنے کے لئے مذکورہ بالا امور میں ذبح کہیں امرِ مباح کے لئے وسیلہ ہے جیسا کہ کھانا یا بیچنا یا امرِ مستحب کے لئے جیسا کہ ضیافت یا یا فاتحہ اور نیاز، بزرگوں کے عرس وغیرہ یا امر واجب کے لئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نذر یا

امرِ حرام مثلاً حیوانے را ذبح نمود برائے آں کہ رساند گوشتِ اُورا بہ ظالمے بطریقِ رشوت برائے حق تلفی دِیگراں۔ پس خُوردنِ اِیں قسمِ چہارم بجمیع اصنافہ جائز است بے شُبہ اگر بنامِ خُدا ذبح شدہ باشدو اِیں قسم ازقبیلِ ذبح تقریباً اِلٰی غیر اللہ بمعنی مُصطلح علیہ فقہاء نیست گو بمعنی لغوی باشد

امرِحرام کے لئے جیسا کہ کوئی جانور اس لیے ذبح کیا تا کہ اُس کا گوشت کسی ظالم کو رشوت کے طور پر دے کر کسی مسلمان کی حق تلفی کرا لے۔ لہٰذا اس چوتھی قسم کے تمام جانوروں کا گوشت کھانا بلا شک جائز ہے۔ فقہاء کے اصطلاحی تقرب اِلٰی غیر اللہ والی قسم سے ہرگز نہیں بشرطیکہ خُدا کا نام لے کر ذبح کرے۔ گو لغوی طور پر اس قسم کی تعریف اُس پر صادق آ جائے۔

پس جانور کہ شہرت دادہ شد باآں کہ ایں نیاز فلاں بزرگ است چُونکہ مقصودِ اوتناولِ گوشت و فاتحہ وثواب رسانیدن است نہ فقط جان کشی بطور بھوگ ہندوَاں خارج است ازقولہ تعالیٰ **وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** ط ویافتہ نہ شد در حقیقتِ تقرب اِلٰی غیر اللہ وہم چُنیں است حکم اطعمہ منذورہ مشتہرہ بنامِ بزرگان۔ ازیں جا دانستی کہ نیت اورادر بعضے اعمال دُون البعض اثری است مخصوص اثر تقلیب یعنے آں عمل را بسببِ نیت عبادت گفتہ مے شود و اِلا فلا مثلاً ذبحِ حیوان ونفس جان کشی او بقصدِ تقرب اِلٰی اللہ یا اِلٰی غیر اللہ عبادت است پس ذابح درصورتِ اولیٰ عابد است برائے

لہذا جس جانور پر آواز بلند کی جائے کہ یہ فلاں بزرگ کی فاتحہ یا نیاز کے لیے ہے مگر اس سے مقصود گوشت کھانا اور ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔ فقط ہندوؤں کی طرح بھوگ کے طور پر جان کشی مقصود نہیں ہوتی۔ یہ قسم **وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** ط سے خارج ہے اور اس میں حقیقۃً تقرب اِلٰی الغیر نہیں پایا جاتا اور یہی حکم ان کھانے پینے کی چیزوں کا ہے جو بزرگوں کے فاتحہ اور نیاز کے لئے جمع کی جاتی ہیں یعنی یہ سب نذر بغیر اللہ میں داخل نہیں ہیں۔ مندرجہ بالا تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بعض اعمال میں نیت کو خاص اثر حاصل ہے۔ یعنی نیت کی وجہ سے اس عمل کو عبادت کہہ سکتے ہیں ورنہ نہیں مثلاً صرف خون بہانا اور رُوح نکالنے کی نیت سے اگر کوئی

حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کما یلیق بشان المؤمنین و مذبُوحش حلال لعدم عُروض الخبث مطلقاً ودر ثانیہ عابد است برائے غیر خُدا عزوجل و عبادت برائے غیر خُدا کُفر است و مذبُوح اُوحرام لسراية الخبث من جهة الذابح فيه وذبح بغیر قصدِ تقرب مثلاً برائے امتحان کارد عبادت نیست بلکہ عملیت مباح بخلاف نکاح وطلاق وعتاق وغیرہا کہ نہایت اثر نیت در آنہا ترتب ثواب است نہ ایں کہ آنہا را عبادت گرداند وهذا الفارق يوجد في الذبح دون النكاح و نظائره فان الذبح واراقة الدم تقرباً الى الغير يوجد فيه معنى غاية الذل والخضوع بحيث يصدق عليه معنى العبادة بخلاف النكاح و اخواته فما اور دخاتم المحدثين و مولوی عبدالحکیم کُلٌّ علے الآخر بالنقض فی هذا المقام فلم يغنوا من الحق شيئًا كما ستعرف۔

جانور ذبح کیا جائے تو وہ عبادت ہوگا لہٰذا اگر اس سے تقرب اِلَی اللہ مطلوب ہے تو جانور حلال ہوگا اور ذابح اس عبادت کے ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر تقرب اِلَی الغیر مقصود ہے تو یہ غیر خُدا کی عبادت ہوگی اور غیر خُدا کی عبادت کُفر ہے۔ لہٰذا وہ جانور حرام ہوگا۔ کیوں کہ ذابح کی طرف سے نیت کا خُبث اس میں سرایت کر گیا ہے اور اگر بغیر ارادہ ذبح کیا جیسا کہ چھری کی آزمائش وغیرہ کے لئے تو یہ امر مباح عبادت نہیں بخلاف نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کے کہ ان میں نیت کا اثر فقط اُنہیں کارِ ثواب بنا سکتا ہے عبادت نہیں بنا سکتا کیوں کہ ذبح اور اراقۃ الدم میں چُوں کہ انتہائی ذلت اور خشوع وغیرہ کا معنے پایا جاتا ہے لہٰذا اس پر عبادت کا لفظ صادق آ سکتا ہے بخلاف نکاح وغیرہ کے پس مولوی عبدالحکیم اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک دوسرے پر جو اعتراضات اس مقام پر وارد کیے ہیں وہ احقاقِ حق کے لئے ہرگز مفید نہیں جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

تنبیہ: باید دانست کہ حُرمت قسمِ ثالث از اقسامِ ذبح یعنی ذبح للتقرب اِلیٰ غیر اللہ نہ ازبرائے آنست کہ داخل است در **وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** باآں معنی کہ حضرت خاتم المحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ متفرد اند دراں لما عرفت و نہ باآں معنی کہ مفسرین از سلف در تفسیر آیت مذکورہ فرمودہ اند یعنی وآں جانور کہ ذکر کردہ شود وقتِ ذبحِ او نام غیر خدائے عزوجل یا آں جانور کہ ذبح نمودہ شود برنامِ غیر خدائے جلّ و علا۔ چہ درصُورتِ مذکورہ ذبح بنامِ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کردہ شُدہ است لیکن مقصود از ذبح اراقۃ الدم جان کشی ست برائے غیرِ خدا سُبحانہ وتعالیٰ۔ بلکہ حرمتِ ایں قسم از برائے آن است کہ شرطِ ششم از شرائط مذکورہ یعنی خالصاً لتعظیم اللہ منتفی ست و ماٰخذِ ایں شرط از نص قول اوسُبحانہ وتعالیٰ است **وما ذبح علے النصب** یعنی و جانورے کہ قصد نمودہ شود بذبحِ او تعظیم نشان ہا و ذکر کردہ نہ شود وقت ذبح نام صنم پس **ما ذبح للنصب وما اھل بہ لغیر اللّٰہِ** ہر یکے را مصداقے علیحدہ متحقق گشت قال سلیمان الجمل

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ تیسری قسم کی حُرمت کا باعث یہ نہیں ہے کہ وہ ذبیحہ **مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** کے قبیلہ سے ہے جیسا کہ حضرت خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن کے اتباع نے قرار دیا ہے اور غالبًا صاحبِ موصوف اس خیال میں بالکل اکیلے ہیں۔ کما عرفت۔ اور یہ سبب بھی نہیں کہ ذبح کے وقت غیر خُدا کا نام لیا گیا ہے جیسا کہ اکثر مفسرین سلف نے آیتِ مذکور کے معنی میں لکھا ہے کیونکہ اس قسم میں ذبح تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کی گئی ہے لیکن اس جان کشی اور خون بہانے سے مقصود غیر خُدا کی تعظیم ہے۔ بلکہ اس قسم کی حرمت کی وجہ شرائط مذکورہ میں سے چھٹی شرط کا مفقود ہونا ہے یعنی ذبح خالصاً اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے نہیں اور اس شرط کا ماخذ آیت **وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ** ہے یعنی وہ جانور جن کی ذبح سے مقصود اُن نشانوں کی تعظیم ہے گو ذبح کے وقت بُتوں کا نام نہیں لیا جاتا۔ لہٰذا **ما ذبح للنصب وما اھل بہ لغیر اللّٰہِ** کا مصداق علیحدہ علیحدہ ہو جائے گا۔ علّامہ سلیمان الجمل فرماتے ہیں (**وما ذبح علی النصب ای ما قصد بذبحہ النصب ولم**

وما ذبح علی النصب ای ما قصد بذبحه النصب ولم یذکر اسمها عند ذبحه بل قصد تعظیمها بذبحه فعلی. بمعنی اللام فلیس هذا مکرراً مع ما سبق اذ ذاک فیما ذکر عند ذبحه اسم الصنم وهذا فیما قصد بذبحه تعظیم الصنم من غیر ذکره و بعضے از سلف صالحین وقوله تعالیٰ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰه ط را ماٰخذ ایں شرط قرار دادہ اندنہ باں معنے کہ خاتم المحدّثین متفرد اند۔

یذکر اسمها عند ذبحه) یعنی جس جانور کو نشانوں کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت نشانوں کا نام ذکر نہ کیا جائے پس علیٰ بمعنی لام ہوگا لہذا یہ تکرار نہ ہوگا یعنی اس آیت کا مصداق اور ما اھل به کا مصداق جُدا جُدا ہو جائے گا۔ کیوں کہ ما اھل سے مراد وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت بُت کا نام لیا جائے۔ اور اس آیت سے مُراد وہ جانور ہے جو بُت کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے اور نام ذکر نہ کیا جائے۔ سلف صالحین میں سے بعض حضرات نے وما اھل به لغیر اللّٰه کو چھٹی شرط کا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس معنے سے نہیں جس طرح خاتم المحدثین نے مُراد لیا ہے۔

دراں بدلیل تفرد۔ بلکہ بمعنے **ما ذبح لتعظیم غیر اللّٰہ** ط **وبناءً علیه قال صاحب الدرالمختار وغیرہ ذبح لقدوم الامیر و نحوہ. کو احدٍ من العظماء یحرم لانه اھل به لغیر اللّٰہ** **ولو ذکر اسم اللّٰہ تعالیٰ علیه** یعنی در **ما اھل به لغیر اللّٰہ** ذکرِ نام غیر خدائے عزّ وجل

(آپ اس طریق استدلال میں بالکل اکیلے ہیں)۔ بلکہ اُنہوں نے **ما اھل به** کا معنے **ما ذبح لتعظیم غیر اللہ** کر کے یہ شرط اس سے اخذ کی ہے۔ اسی بناء پر صاحب دُرمختار نے اس جانور کو جو کسی امیر یا بڑے آدمی کی آمد پر صرف تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ **ما اھل به** میں داخل ہے اگرچہ اس پر خُدا کا نام بھی کیوں نہ لیا گیا ہو یعنی **ما اھل به لغیر اللّٰہ** کی دو قسمیں ہو گئیں

وقصدِ تعظیم غیر او سبحانہ وتعالیٰ از ذبح ہر یکے را دخلیت بالاستقلال در حُرمتِ مذبوحہ۔ **فلا یرد ما اوردہ بعض المحققین علیٰ صاحب الدر المختار ولا یستقیم ما عزیٰ الیہ فی معنیٰ ما اھل بہ لغیر اللّٰہ** ۔ ازیں جا بوضوح پیوست کہ استشہاد حضرت خاتم المحدّثین و اتباع اُو رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بعبارت دُرِّ مختار برائے اثبات معنے متفرد فیہ بے جا است و نیز باید دانست کہ حُرمتِ صورتِ مسطورہ مبنی نیست بر انتفاء شرطِ ثالث از شرائط ذبح یعنی ذکر مجرد چہ ذکر نام خدا عزّ اسمہ مجرّد از ذکر اسم غیر متحقق است دریں صورت۔ و مُراد فقہاء از ذکر مجرد در بیان شرائط ذبح ہمیں است کہ دانستی نہ آں کہ مجرد از نیت تعظیمِ غیر باشد۔ چنانچہ حضرت خاتم المحدّثین و اتباع اودر تردید کلام جناب مولوی عبدالحکیم پنجابی ثم لکھنوی عبارت ہدایہ رامعنی قرار دادہ اند کلا و حاشا ہرگز عبارت ہدایہ را ایں معنے مُراد نیست کما لا یخفیٰ علیٰ من لاحظ السیاق و السباق و عنقریب نقل خواہیم نمود فانتظر۔

ایک جس پر خُدا کا نام لیا جائے۔ دوم جس کی ذبح غیر خُدا کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہذا بعض محققین کا وہ اعتراض جو اُنہوں نے صاحب دُر مختار پر کیا ہے ہرگز وارد نہ ہوگا اور اس آیت کے معنے کے متعلق جو کچھ اُس کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ غیر صحیح ہوگا۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت خاتم المحدثین اور اُن کے اتباع نے معنی منفرد فیہ کے ثبوت کے لئے دُرِّ مختار کی عبارت سے جو استشہاد کیا ہے وہ بھی بے جا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ صورتِ مذکورہ کی حرمت تیسری شرط ذکرِ مجرد کے منتفی ہونے کی وجہ سے بھی نہیں۔ کیوں کہ اس صورت میں تو مجرد اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے۔ اور فقہاء کرام کی مراد ذکر مجرد سے بھی یہی ہے جو شرائطِ ذبح میں بیان کیا گیا ہے نہ وہ جو حضرت خاتم المحدثین وغیرہ نے مولوی عبدالحکیم کی تردید میں ذکر فرمایا ہے یعنی مجرد کا مطلب ہے "تعظیم غیر کی نیت سے مجرد ہو"۔ اور انہوں نے اس بارے میں ہدایہ کی عبارت کو اس کا معنے قرار دیا ہے۔ حاشا و کلا سیاق و سباق کا لحاظ کرنے کے بعد ہدایہ کی عبارت سے یہ معنے ہرگز مُراد نہیں ہوسکتا۔ کما سیجی۔

الحاصل: دریں مقام مناط حُرمت انتفاء ذِکر مجرد در اقرار دادن چُنانچہ خاتم المحدّثین در جوابِ استفتاء مذکور در محل تردید فاضل مذکور نوشتہ اند یا در اثبات حلّیت بشرطِ ذکر مجرّد اِکتفاء نمودن و شرطِ ششم یعنی خالصاً لِتعظیم اللہ راغور نہ کردن چُنانچہ فاضل عبدالحکیم مذکور بران رفتہ ہر دو بعید است از شانِ محققین۔

الحاصل: صورت مذکورہ کی حرمت ثابت کرنے کے لئے محض ذِکرِ مجرد کے انتفاء کو باعث قرار دینا جیسا کہ حضرت خاتم المحدثین نے مولوی عبدالحکیم کی تردید میں لکھا ہے یا اُس کی حِلّت ثابت کرنے کے لئے صرف ذکرِ مجرّد کی شرط ثالث کے وجُود پر اکتفاء کر لینا اور چھٹی خالصاً لِتعظِیم اللہ پر غور نہ کرنا جیسا کہ مولوی عبدالحکیم صاحب نے کیا ہے یہ محققین کی شان کے شایاں نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

سوال

بنا براں کہ گفتی باید کہ جانور منذور للاولیاء حرام باشد گوشتِ اُو چہ بقرائن معلوم مے شود کہ مقصودِ ناذر دریں صُورت از ذبح تعظیمِ غیر اللہ مے باشد نہ صرف خورانیدنِ گوشت بدلیل آنکہ اگر عوضِ آں جانور گوشت بہماں مِقدار خریدہ وپُختہ بفقراء خورانیدہ شود در گمانِ ناذر نذر ادا نہ مے شود۔

مندرجہ بالا تقریر کی بناء پر تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانور جو اولیاء اللہ کے لیے نذر کیا جاتا ہے اُس کا گوشت حرام ہو کیونکہ قرائن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ناذر کا مقصود اس صورت میں غیرِ خُدا کی تعظِیم کرنا ہوتا ہے نہ صرف گوشت کھلانا۔ کیونکہ اگر اُس جانور کے عوض اُسی مقدار میں گوشت پکا کر فقیروں کو کھلا دے تو ناذر مذکور کے گمان میں نذر ادا نہ ہوگی۔

جواب

قصدِ تعظِیم بایں طریق کہ مقصود از ذبح فقط جاں کشی ست نہ گوشت چُونکہ امرِ قلبی است لہٰذا در تحریمِ او جرأت نمودن نہ مے توانیم اِلّا در صُورتِ تصریح ذابح باں چہ قصد کردہ است یا در وقتے کہ قرائن قطعیہ مفید یقین باشند بر قصد مذکور وآں چہ ذِکر نمودی از عدمِ رضاء ناذر بمعاوضہ پس اورا وجہی ست کہ بغور سرش تواں رسید وآں اِیں است کہ ناذرین از عوام بلحاظِ اہتمام فاتحہ گوشت بازار بکار نمے برند و جانور زندہ ذبح مے کنند چنانچہ برائے مہمان صاحب تعظیم تکلفے واہتمامے مرعی مے دارند و

ناذر مذکور کا مقصدِ دلی اگر غیر خُدا کی تعظیم ہے اور گوشت کھلا کر ثواب حاصل کرنا نہیں لیکن اس کے کسی لفظ سے صراحۃً یہ معلوم نہیں ہوتا تو ہم اس جانور کی تحریم کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ قصدِ تعظِیم ایک قلبی اور مخفی امر ہے اور محض گمان اور شک کی بناء پر مُسلمان کو مُرتد کہہ دینا اور حلال جانور پر حرام کا حکم لگا دینا سخت نامُناسب ہے۔ ہاں اگر تعظِیم لغیر اللہ کی تصریح موجود ہے یا قرینہ قطعِیہ مفید یقین پایا گیا ہے تو حرام کر سکتے ہیں۔ لیکن ناذر مذکور کا صرف معاوضہ پر راضی نہ ہونا تعظِیم لغیر اللہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اگر آپ عوام کے خیالات اور نفسیات پر گہرا مطالعہ

گوسفند فربہ مثلاً خصوصاً دست پرورده ذبح
ے نمائیند و معاوضہ بگوشت بازار ہرگز
روانے دارند ہمچنیں درفاتحہ بزرگان بحدی
اہتمام مرعی ے دارند کہ علاوہ عدمِ رضاء
برمعاوضہ مذکورہ استعمال ظروف مستعملہ
طعام فاتحہ برائے طعام دیگر جائز نہ ے
دارند۔ رفتہ رفتہ ایں داعیہ، اہتمام عند
العوام از شرائط وضروریاتِ فاتحہ معدُود
گشتہ نہ آں کہ بھوگ جان بطریقِ
ہندوؤاں مُرادداشتہ باشند۔

رکھتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عوام ناذرین
فاتحہ کو مہتم بالشان امر سمجھ کر بازار کا گوشت
استعمال نہیں کرتے اور علیحدہ جانور ذبح کرتے
ہیں جس طرح کوئی خاص قابل عزت مہمان آ
جائے تو بھی بازار میں گوشت ہونے کے باوجود
تکلف اور اہتمام کی بناء پر موٹا دُنبہ ذبح کرتے
ہیں اور خصوصاً گھر کا پلا ہوا۔ اسی طرح بزرگوں
کے فاتحہ کے لیے بھی اہتمام کے طور پر بازار کا
گوشت استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ
بعض اوقات تو استعمال شُدہ برتن بھی طعام
مذکور کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ رفتہ
رفتہ اہتمام کا یہ طریقہ عوام کے نزدیک فاتحہ کی
ایک شرط سمجھا جانے لگا ہے۔ ہندوؤں کی طرح
بھوگ جان کے طور پر ہرگز کسی مُسلمان کا ارادہ
نہیں ہوسکتا خواہ وہ کتنا جاہل کیوں نہ ہو۔

سوال

معاوضہ آں جانور منذور بجانورے دیگر
کہ فربہ باشد از منذور روانے دارند و ایں
دلیلے است باہر بریں کہ مطمحِ نظر ناذر از
اخراجِ رُوح بطریقِ بھوگ جان امرے
دیگر نیست۔

اس جانور مذکور کے عوض دُوسرا جانور جو پہلے
سے زیادہ موٹا تازہ ہو ذبح کرنا بھی جائز نہیں
سمجھتے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ناذر مذکور کا
مطمحِ نظر صرف جان کشی اور اخراجِ رُوح
''بھوگ'' کے طور پر بھی کوئی دُوسری بات نہیں۔

جواب

این راوجہے دیگر است بغیر بھوگ جان وآن این کہ در ذہنِ ناذر مرکوز و راسخ شدہ کہ نذر بعد از تعین جانورے بذبح جانورے دیگر ادانہ مے شود وظاہر است کہ این زعم و اعتقاد را اثری در حرمت نیست۔ غایۃ مافی الباب ہمیں است کہ اورا بے اصل و بے وجہ خواہیم شمرد بلکہ بعد از غور نظیرش از فقہیاتِ شرعیہ آنست کہ اگر شخصے جانور زندہ بقصدِ ذبح در ایامِ اضحیہ خرید نمود پس تبدیل آں جانور بہ جانورِ دیگر و گوشت بازار ممنوع است۔ عوام کالانعام بسبب جہالت وغفلت از خصوصیت شرائط قربانی در ہر نذر این تعین را مرعی داشتند لماچوں کہ شرائط ذبح موجود اند مذبوح حلال است۔

اس معاوضہ پر راضی نہ ہونے کی ایک دُوسری وجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عوام کے دل میں پختہ خیال جاگزین ہو گیا ہے کہ ایک جانور متعین کرنے کے بعد دُوسرا جانور ذبح کرنے سے نذر ادا نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس زعم و اعتقاد کا تعلق حرمت کے ساتھ ہرگز نہیں انتہائی طور پر صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ عوام کا یہ اعتقاد بے اصل اور بے وجہ ہے بلکہ غور کرنے پر فقہ میں اس کی ایک نظیر بھی دستیاب ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کے موقعہ پر جانور متعین کر لیا جائے اس کی جگہ دُوسرا تبدیل کرنا یا بازار کا گوشت استعمال کرنا ناجائز ہے عوام کالانعام نے جہالت اور غفلت کے باعث قربانی کی یہ خاص شرط ہر نذر کے لئے ضروری سمجھ لی ہے لیکن ذبیحہ مذکور میں چونکہ ذبح کے تمام شرائط موجود ہیں۔ یقیناً حلال ہوگی[1]۔

☆☆☆☆☆☆

[1] لیکن نذر صحیح کی صورت میں مثلاً جب کوئی شخص کہے کہ یہ جانور میں اللہ تعالیٰ کی نذر کرتا ہوں۔ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء کو کھلاؤں گا اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کی رُوح کو بخشوں گا"۔ تو پھر **ولیوفوانذورھم** کے حکم خداوندی کو مدنظر رکھتے ہوئے وُہی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا اور اُس کے زندہ ہونے کی صورت میں دوسرے جانور کے ساتھ تبدیلی ناجائز ہوگی۔ ہاں اگر اُس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے دُنبہ ذبح کروں گا اور متعین نہیں کیا تو پھر جونسا دُنبہ ذبح کر لے جائز ہوگا۔ (مترجم)

حکایت

یاد دارم کہ در ایامِ طالب العلمی در علاقہ سون سکیسر بمقام انگہ بخدمت مولانا افضل الفضلاء و اکمل الکملاء جناب حاجی حافظ سُلطان محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سکونتے داشتم۔ در موضع شکر کوٹ درویشے بُود معمر غریب الوطن المعروف بابا نُور ماہی صاحب نسبتِ قادریہ کہ دست بیعت بدست حضرت شیخ جی صاحب چکی والا دادہ بُود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ و در ہر ماہ بتاریخ یازدہم بُزے یا گوسفندے دست پرورُدہ برائے فاتحہ سیّدنا عبدالقادر جیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن اسلافہ ذبح مے کرد و درا بمعہ حلوہ و نانِ پختہ بفقراء مے خورانید بالخصوص ایں نیاز مند اہلِ اللہ را باہتمام و اصرار دعوت مے فرمُود و عنایتے خاص برحالِ ایں بے ہیچ مبذول مے داشت۔ شغلِ پاسِ انفاس اسمِ ذات بغیر از درخواست بفقیر عطا فرمُودہ بُود۔ روزے از شکر کوٹ بسُوئے انگہ مے رفتم۔ در اثناء طریق اندکے دُور اُزراہ دیدم کہ ہماں درویش گوسفندے راے چرانید واز فرطِ محبت و

میں جن دنوں طالب علمی کے دوران میں سون سکیسر کے علاقہ میں انگہ کے مقام پر حضرت مولانا حاجی سُلطان محمود صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے سکونت پذیر تھا، ایک بزرگ عمر رسیدہ مُسافر شکر کوٹ کے مقام پر مقیم تھے۔ آپ کا نام بابا نُور ماہی مشہور تھا، قادریہ نسبت رکھتے تھے اور حضرت شیخ محمود صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ چکی والے کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت حاصل تھا۔ صاحب موصوف ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو ایک بکری یا دُنبہ جو اپنے سے پالا ہوا ہوتا حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے فاتحہ کے لئے ذبح کرتے اور ساتھ حلوہ اور روٹی بھی پکا کر فقراء کو کھلاتے۔ خاص طور پر اس نیاز مند خادم الاولیاء کو اصرار اور اہتمام کے ساتھ شریکِ دعوت فرماتے اور میرے حال پر حد سے زیادہ مہربانی کی نظر رکھتے۔ بلکہ بغیر درخواست صاحب موصوف نے بندہ کو شغلِ پاس انفاس کی اجازت فرمائی۔ ایک دن میں شکر کوٹ سے انگہ جا رہا تھا۔ راستے میں دُور سے میں نے دیکھا کہ وہی سفید ریش بزرگ دُنبہ چُرا رہے

داعیہ شوق باآں گوسفند اختلاطے مے کرد۔
گاہے اُورا بر دوش وگاہے بر زمین مے نہاد
وے شنیدم کہ مے گُفت (میرے محبوب
دیا لیلیا) یعنے اَے گوسفندِ محبوب من۔
درآں ساعت در دلِ من ایں خطرہ
خطورے کرد کہ بعد فراغت از حصولِ علم در
کُنجِ تنہائی بقیہ عمرِ خود را بمطالعہ کتب خواہم
گذرانید و تدریس نخواہم کرد۔ اندکے
طریق راگذاشتہ بسُوئے آں درویش
متوجہ شدم بمجرد دیدن ایں نیاز مند متکلم
برخاطر گشت و فرمود۔ کہ اگر شخص علم را
خواندہ تدریس نہ کند وکسے را نفع نہ رساند
اُورا از حصولِ علم چہ فائدہ۔ باز ہماں
گوسفند ہماں اختلاط و موانست آغاز نہاد۔
اُورا اقدس سرّہٗ در طعامِ یازدہم اہتمامی
بود مخصوص وبعالی جناب حضرت غوثِ
اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارتباطے بود مُمتاز۔
**الٰھی احدی صمدی بجاہ
قومِ لَا یشقی جلیسُھُمْ ارزقنا
حبّک ورضاءک ولقاءک
والعفو والعافیة والمعافاة فی
الدین والدنیا والآخرة** خلاصہ
کلام دریں مقام آں کہ اگر ناذر رابوقتِ

تھے اور از راہِ محبت وفرطِ شوق اس کے ساتھ کھیل
رہے تھے۔ کبھی کندھے پر اُٹھاتے کبھی زمین پر
رکھ دیتے میں نے قریب جا کر سُنا تو کہہ رہے
تھے۔ ''میرے محبوب دیا لیلیا''۔ اس وقت
میرے دل میں خیال آرہا تھا کہ تحصیلِ علم سے
فارغ ہو کر گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کے
مطالعہ میں مشغول رہوں گا۔ اور تدریس وغیرہ
نہ کروں گا۔ جب راستہ سے ہٹ کر اُن سے
ملنے کے لئے متوجہ ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمانے
لگے جب کوئی شخص علم حاصل کر کے تدریس نہ
کرے اور کسی کو نفع نہ پہنچائے تو پھر ایسے علم
حاصل کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ بات کہہ کر پھر
اُسی دُنبے کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہو گئے۔
بزرگ موصوف گیارھویں شریف کا بڑا اہتمام
فرماتے تھے۔ اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی ذات پاک سے کافی رابطہ حاصل
تھا۔ (اے میرے بے نیاز خُداوندا ایسے مقبولوں
کا صدقہ جن کے ساتھ بیٹھنے والے بھی بد بخت
نہیں ہو سکتے ہمیں اپنی محبت، اپنی رضا اور اپنا لقا
نصیب فرما اور دُنیا و آخرت میں عفو اور عافیت
سے رکھ خلاصۃ المرام یہ ہوا کہ اگر ناذر ذبح کے
وقت اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل دھیان نہیں رکھتا
اور اُس ذبح سے اُس کا مقصد محض تقرب

ذبح اصلا توجہ بسوئے حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نہ شود ومقصودِ او از ذبح فقط تقرّب اِلٰی غیر اللہ باشد پس ذبیحہ او حرام است اگرچہ ذبح بر نام خُدائے عزوجل کردہ باشد چُنانچہ فقہاء در ذبح برائے قدوم قادم تصریح فرمودہ اند آری درصورتِ عدمِ اظہار ذابح قصد خود را و انتفائے قرائن مفیدہ برائے یقین حمل فعل مُسلمان بر محمل نا مشروع ناجائز لہذا در صید المنیہ گفتہ **انہ یکرہ ولا یکفُر لا نا لانسئی الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الآدمی بھذا النحو نحوہ فی شرح الوھبانیۃ۔** وصاحبِ تفسیرِ احمدی فرمودہ **فعلم من ھٰھنا ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھوالرسم فی ایامنا حلال" طیب" انتھی۔** وامام رافعی در بارہ **ما ذبح لقدوم الامیر** نوشتہ اند **ھذا انما یذبحونہ استبشارًا لقدومہ فھو کذبح العقیقۃ لو لادۃ السولود مثل ھذا لا یُجزی التحریم واللہ اعلم انتھی۔**

اِلٰی الغیر ہے تو یہ جانور بالکل حرام ہوگا۔ گو ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا ہو۔ جیسا کہ فقہاء نے امیر کے آنے پر ذبح کرنے میں تصریح فرمادی ہے۔ ہاں جب صراحۃً بھی تعظیم لغیر اللہ کا اظہار نہیں کیا اور قرینہ قطعیہ بھی موجود نہیں تو پھر مسلمان کے فعل کو زبردستی خلاف شرع محمل پر حمل کرنا اور جانور کو حرام کہنا ناجائز ہے۔ لہذا اصید المنیہ میں ہے کہ یہ مکروہ ہے مگر اس کا فاعل کافر نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بُرا گمان نہیں کر سکتے کہ اُس نے کسی انسان کے ساتھ تقرب حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کیا ہو۔ اسی طرح شرح وہبانیہ میں ہے۔ اور تفسیرِ احمدی والے فرماتے ہیں یعنی اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ گائے جو اولیاء اللہ کی نذر ہوتی ہے جس طرح ہمارے زمانے میں عادت ہے حلال طیب ہے۔ امام رافعی ذبیحہ لقدوم الامیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ جانور امیر کی آمد کی خوشی میں ذبح کیا جاتا ہے۔ جس طرح بچہ پیدا ہونے پر عقیقہ کے لئے جانور ذبح کیا جاتا ہے لہذا یہ حُرمت کے فتویٰ کے لئے کافی نہیں۔ بناء علیہ فقہاً کرام نے فرق بیان فرمایا ہے کہ اگر اس ذبیحہ سے مقصود کھانا ہے تو ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور نفع مہمان یا ولیمہ وغیرہ

وبناءً عليه قال الفقهاء والفارق انّہ ان قد مهالیا کل منها کان الذبح للّٰه والمنفعة للضیف اوللولیمة اوللربح. وان لم یقد مها لیا کل بل یدفعها لغیره کان لتعظیم غیر اللّٰه فتحرُمُ) چہ درصورت بُودن اکل لحم مقصود از ذبح محمل صحیح برائے ذبح لمن پیدا شد و مفاد لام در ذبح لِفلاَن بغیر از حمل بر محمل غیر صحیح رُوئے نمود فیکون الذبح واخراج الروح لتعظیم اللّٰه تعالیٰ والمذبوح لغیره ولاجل کون المذبوح لغیر اللّٰه صح ان یقال ذبح لغیر اللّٰه بمعنی ذبح لانتفاع غیر اللّٰه سواء" کان الانتفاع بطریق الاکل او حصول الثواب بخلاف آں صُورت کہ دروا کلِ لحم اصلاً مقصود نباشد چہ بریں تقدیر چُونکہ فلان را از مذبُوح ہیچ فائدہ حاصل نہ شُدہ پس متعیّن خواہد بود نفس ذبح برائے او و برائے صدق و تحقیق مفاد ذبح لفلانِ محمل غیرصحیح متعیّن گشت لعلک دریت

کے لئے ہوگا۔ اور اگر ذبح سے کھانا مقصود نہ ہو تو یہ تعظیم لغیر اللہ ہے پس جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ جب گوشت کھانا مقصود ہوگا تو پھر لِمَنْ ذُبِحَ کا صحیح محل معلوم ہو جائے گا یعنی ذبح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے اور مذبوح غیر کے لئے، لہذا اس جانور پر ذبح لغیر اللہ کا اطلاق اس معنے میں کہ ذبح برائے انتفاع غیر اللہ بالکل درست اور صحیح ہوگا۔ خواہ وہ انتفاع کھانے کے طور پر ہو یا ثواب حاصل کرنا وغیرہ بخلاف اس صورت کے جس میں گوشت کھانا بالکل مقصود نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں جب مذبوح سے فلاں کو جس کی طرف نسبت کی جارہی ہے کوئی نفع نہیں پہنچ رہا۔ پس متعین ہو جائے گا کہ نفس ذبح اُس فلاں کے لئے ہے اور ذبح لفلان کے صدق اور تحقق کے لئے غیر صحیح محمل متعین ہے۔ گذشتہ تقریر سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جب تقرب اِلَی اللہ کا قصد اور گوشت کھانے کا ارادہ دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔ جیسے قربانی کے جانور میں تو تقرب اِلَی الغیر اور گوشت کھانے کا ارادہ بطریق اولیٰ جمع ہو سکتے ہیں۔ لہذا ہر دو

مــمــا ذكـرنا من امر النباء ان الـفـارق المذكور وان لم يجد قـطـعية انتـفـاء كـون الذبح لـلـتـقـرب الىٰ غيـر الله فى صـورـة قصدا كل اللحم من الـذبـح لـجـواز اجتما عهما فـانّه' لما جا زا جتماع قصد التقرب الى الله وقصد اكل اللحم كما فى الاضحية ففى صـورـة التـقـرب الـى الغير اولـــىٰ لــكــن عـــنــد وجود الـمـحـمـلـين يـحـمـل فعل الـمسلـم عـلـى الـمـحـمـل الـصـحيح علےٰ ان قياس ما ذبح لـلـتـقـرب الىٰ غير الله عـلـى الاضـحية قيـاس مع الـفارق فاندفع ما اورده خاتم الـمـحـدثينؒ على الفقهاء فى قـولـهـم ان الـذبيحة للتقرب الـىٰ غيـر الـلّــه هى التى لم يـقـصـد بذبحها اكل اللحم) مـنْ انّ هـذا لـيـس بـمـدلول لـغـوى لـقـولـهـم ما قصد به التقرب الى الله ويقصد اكل

محملوں کی موجودگی میں مسلمان کے فعل کو صحیح محمل پر حمل کرنا لازم ہوگا۔ علاوہ ازیں **مـــا ذبح لتقرب الغیر** کو اضحیہ پر قیاس کرنا مع الفارق ہوگا۔ جیسا کہ حضرت خاتم المحد ثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے۔ فرماتے ہیں فقہاء کا یہ کہنا جس جانور کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو وہی تقرب اِلَی الغیر کی علامت ہے غلط ہے۔ کیونکہ قطعاً یہ معنٰے **مـــا قـصـد بـه التـقـرب الی الغیر** کا مدلول لغوی نہیں لہذا دلالت مذکور کی وجہ بیان کریں ورنہ ہم اس کو اس کے قائل پر لوٹا دیں گے۔ حالاں کہ قربانی کے جانور میں تقرب اِلَی اللہ کا قصد اور گوشت کھانے کا ارادہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ تو تقرب الیَ الغیر اور گوشت کا قصد کیوں جمع نہیں ہو سکتے۔ ہماری مندرجہ بالا تقریر سے ابھی ابھی اس شُبہ کا ازالہ کیا جا چکا ہے۔ دوم فُقہاء کے اس قول پر کہ **(لیـد فـعـهـاا الـی الـغیـر)** فرماتے ہیں کہ اس غیر سے کیا مراد ہے۔ بیان کرو تا کہ ہم اس پر کلام کر سکیں۔ اھ۔ ہم نے الحاصل کہہ کر جو تقریر گوش گزار کی ہے

لحمها ایضاً فاذا اجتمع قصد التقرب وقصد الاکل فی التقرب الی اللّٰہ ففی التقرب الی الغیر اَوْلٰی انتہیٰ۔ وما اورده ایضاً فی ھذا المقام علی قولھم (بل لیدفعها الی الغیر) من انهم ما ذا ارادوا بالغیر فلیبیّن حتیٰ نتکلم علیه انتہیٰ۔ وجه الاندفاع ظاهر لمن تامل فیما قلنا آنفاً وفیما حررنا من اظهار مراد عبارة الدر المختار اعنی والفارق الخ بطریق الحاصل فتامل واغتنم مااین جانقل جواب استفتاء مذکور کہ حضرت خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ بزبانِ عربی قلبی فرمودہ اندو نیز نقل جواب جناب مولوی عبدالحکیم ملتانی رحمۃ اللہ۔ ونقل رد جواب اواز مولانا موصوف از ضروریات ے دانیم تا کہ متبعین ہر دو بزرگوار را رضی اللہ تعالیٰ عنہما جائے کلام نماند واطمینانے درمیان مالها وما علیها کہ ازیں بے بضاعت بر حواشی کلام ہر دو صاحبان بعلامت (از مؤلف) خواہد بود حاصل شود۔۔۔

اور درمختار کی عبارت جس طریقے سے واضح کی ہے یہ اعتراضات رفع ہو چکے ہیں۔ اب ہم یہاں حضرت خاتم المحدثین کا استفتاء اور جواب جو عربی زبان میں تحریر فرمایا ہے نقل کرتے ہیں۔ اور ساتھ اُس کا جواب جو مولانا عبدالحکیم مُلتانی نے دیا ہے اور پھر شاہ صاحب کا جواب الجواب نقل کرنا نہایت ضروری سمجھتے ہیں تا کہ ہر دو فریق کے متبعین کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے اور اس فقیر کی طرف سے ان حضرات کی کلام پر جو گزارش ہو گی حاشیہ پر ساتھ ساتھ (مؤلف) کی علامت سے تحریر کر کے اطمینان کا سامان مہیا کیا جائے گا۔

سوال

چہ مے فرمائیند علمائے دِین ومُفتیانِ شرع متین دریں صورت کسے نیت کرد کہ اگر ایں کارِ من حسب الحاجت برآید گاؤ سید احمد کبیر یا گوسفند شیخ سدو وغیرھا بدہم وبعد از انجاح حاجت گاؤ را بنامِ خدا ذبح کرد و حالآنکہ در نیت نسبت گاؤ بہ سید احمد کبیر و نسبتِ گوسفند بہ شیخ سدّو مے کند وحدیث **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاْتِ** ناطق است **وان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم ونیاتکم** بریں معنیٰ شاہد است **ونیة المؤمن خیر من عملہ** نیز دلیل بریں کہ نیت را دخل ضرور است۔ پس دریں صورتِ مذکورہ اکل گاؤ وغیرہ درست است یا نہ **بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا۔**

کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے اگر میرا فلاں کام میری مرضی کے مطابق ہو جاوے تو میں سید احمد کبیر کی گائے دُوں گا یا شیخ سدو کا دُنبہ اور حاجت پُوری ہو جانے کے بعد خُدا کا نام لے کر ذبح کیا۔ حالانکہ اس کی نیت میں نسبت سابقہ یعنی گائے کی نسبت سید احمد کی طرف اور دُنبے کی نسبت شیخ سدّو کی طرف ویسے باقی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے (عمل کا تعلق نیت کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں اور دِلوں کی طرف دیکھتا ہے تمہاری شکلوں کی طرف نہیں دیکھتے) **ونیة المؤمن خیر من عملہ** بھی اسی پر دال ہے۔ یعنی ہر عمل میں نیت کو دخل ہے۔ لہٰذا ان احادیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسی گائے وغیرہ کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے۔ **بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا۔**

الجواب وھوالملھم بالحق والصواب

مدارِ حلّ وحُرمتِ ذبیحہ برقصدِ[1] نیت ذابح است اگر بے نیت تقرب اِلیٰ اللہ برائے

ذبح کی حِلّت اور حُرمت کی مدار ذابح کی نیت پر ہے۔ اگر اُس کا ارادہ تقرب اِلیٰ اللہ کا ہے یا

☆☆☆☆☆☆☆

[1] مخالف است بآں چہ در تفسیر **وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ** نوشتہ اند چہ مدار حرمت در آنجا بر تشہیر و آواز بر آوردہ شدن بود بنام غیر و ایں جا بر نیتِ تقرب اِلیٰ غیر اللہ عند الذبح دائر گردیدہ دوئم آں کہ معنی نسبت گاؤ سید احمد مثلاً در نیت آنست کہ حضرت والدِ ماجد جناب شاہ ولی اللہ ارقام فرمودہ اند) لیکن حقیقت ایں نذر آنست اہدا، ثواب طعام و انفاق و بذل مال بروحِ میت کہ امریست مسنون و ازروئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ما وردفی الصحیحین من حال امِ سعد وغیرہ ایں نذر مستلزم مے شود پس حاصل ایں نذر آنست کہ آں نسبت مثلاً اہداء ثواب ہذا القدر الی رُوحِ فلاں و ذکر ولی برائے تعین عمل منذور است نہ برائے مصرف و مصرف ایں نذر نزدِ ایشاں متوسلاں آں ولی مے باشند از اقارب و خدمہ و ہمطریقان و امثال ذالک و ہمیں است مقصود نذر کنندگان بلا شبہ و حکمہ انہ صحیح یجب الوفا بہ لانہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع انتہیٰ۔ موضع الحاجۃ فتاویٰ عزیزی از مؤلفؒ۔

[1] یہ عبارت تفسیر **مَآ اُھِلَّ بِہٖ** کی عبارت کے مخالف ہے وہاں حرمت کی مدار آواز بلند کرنے اور تشہیر پر رکھی گئی اور یہاں ذبح کے وقت تقرب اِلیٰ الغیر کی نیت پر دُوسرا نسبت کا معنے وُہی ہے جو شاہ صاحب کے والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے (اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ اُس طعام کے ہدیہ کرنے کا ثواب یا مال خرچ کرنے کا ثواب میت کی روح کو پہنچے۔ یہ امر مسنون ہے اور احادیث صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے۔ جیسا کہ اُمِ سعد کا کنواں وغیرہ صحیحین میں وارد ہے اور یہ نذر ماننے کے بعد لازم ہو جاتی ہے۔ گویا اس نذر کا حاصل یہ ہوا کہ ثواب میت کی روح کو پہنچے اور اس ولی اللہ کا ذکر محض تعین عمل کے لئے نہ مصرف ہونے کی غرض سے اور اُن کے خیال میں اس نذر کا مصرف اس ولی کے متوسلین ہوتے ہیں خواہ اُس کے اقربا ہوں یا خادم یا ہم مشرب بلا شک یہی مقصود ہوتا ہے اور اس کا حکم یہی ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کی وفا واجب ہے کیونکہ شرعاً یہ قربتِ معتبرہ ہے لہذا لازم ہوگی (اھ ک فتاویٰ عزیزی) از مؤلفؒ۔

اکلِ خود یا برائے تجارت و دیگر امورِ مباحہ ذبح مے کند حلال است و اِلّا حرام۔**قال فی التفسیر النیسا بوری**[1] **تحت قوله تعالیٰ وما اهل به لغیر الله قال االعلماء لو انّ مسلماً ذبح ذبیحةً و قصد بذبحها التقرب الیٰ غیر الله صار مرتدًا وذبیحته ذبیحة مرتدٍ انتهیٰ ذبح لقدوم الامیر**[2] **ونحوه کواحد من العظماء یحرم لانه اهل**[3] **به لغیر الله**

گوشت کھانے کا یا تجارت کی قصد ہے تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔ تفسیر نیشاپوری[1] میں **وما اهل به لغیر الله** کے ماتحت لکھا ہے کہ عُلماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان جانور ذبح کرے اور اس ذبح سے اُس کا ارادہ تقرب اِلیٰ غیر اللہ ہو تو وہ شخص مُرتد ہو جاتا ہے اور اس کی ذبیحہ مُرتد کی ذبیحہ ہوتی ہے۔ اھ ک۔ اگر کسی امیر[2] کے آنے پر یا اِسی طرح کسی دُوسرے انسان کی تعظیم کے لئے کوئی جانور ذبح کرے تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہوگی۔ کیونکہ وہ جانور **ما اهل**[3] **به لغیر الله** میں داخل ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

[1] ازیں حُرمت ما قصد بذبحہا التقرب الیٰ غیر اللہ ثابت است و نیست کلام درو نہ حُرمت جانورے کہ شہرت دادہ شد بنامِ غیر ولا تلازم بینہما ۱۲ از مؤلف۔

[2] فیہ مافی السابق ۱۲۔ از مؤلف

[3] **لا بالمعنی الذی تفرد فیه الجناب بدلیل التفرد بل بمعنی ما ذبح للتقرب الیٰ غیر الله ۱۲**

[1] اس حوالہ سے تو اس جانور کی حرمت ثابت ہوئی جس سے تقرب اِلیٰ الغیر مقصود ہو اس میں تو کلام نہیں جھگڑا تو اس میں ہے جس جانور پر غیر خدا کا نام بلند کیا گیا ہو اور مشتہر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی ملازمہ موجود نہیں۔ ۱۲۔ از مؤلف

[2] اس میں بھی وُہی اعتراض ہے جو پہلی کلام میں ذِکر کیا گیا۔ ۱۲۔ از مؤلف

[3] یہ حکم ذبح تقرب الی الغیر کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے جو جناب نے خود اختراع فرمائی ہے مولف ۱۲

ولو ذكر اسم اللّٰه تعالیٰ علیه ولو ذبح للضیف لا یحرم لانه سنة الخلیل علیه السلام و اکرام الضیف اکرام اللّٰه تعالیٰ والفارق انه ان قدمها لیأکل منها کان الذبح للّٰه والمنفعة للضیف اوللولیمة اوللرّبح وان لم یقدمها لیاکل بل یدفعها لغیره کان لتعظیم غیر اللّٰه فتحرم وهل یکفر قولان. (بزازیه وشرح وهبانیة) قلت وفی صید المنیة انه یکره[1] ولا یکفر لا نا لا نسئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الاٰدمیّ بهذا النحوونحوه فی شرح الوهبانیه عن الذخیرة ونظمه فقال. شعر (وفاعله جمهور هم قال کافر

اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا گیا ہو۔ اور جو جانور مہمان کے لئے ذبح کیا جاتا ہے وہ حلال ہے کیونکہ یہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی سُنّت ہے اور مہمان کی عزت اللہ تعالیٰ کی عزت ہوتی ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر اس جانور کو کھانے کے لئے آگے کیا تو یہ ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور منفعت مہمان کے لئے ہوگی یا ولیمہ یا تجارت وغیرہ کے لئے اور اگر کھانے کے لئے آگے نہیں کیا بلکہ اُسے غیر کی طرف دفع کرنا مقصود ہے تو یہ غیرِ خُدا کی تعظیم ہے لہذا حرام ہوگی۔ ہاں ایسے کرنے والے کے کُفر کے متعلق دو قول ہیں۔ یہ تفصیل بزازیہ اور شرح وہبانیہ میں ہے اور صید المنیہ میں ہے۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن کافر نہ ہوگا کیونکہ ہم مسلمان پر یہ بدگمانی ہرگز نہیں کر سکتے کہ اُس نے آدمی کی تعظیم کے لئے یہ جانور ذبح کیا ہو۔ شارح وہبانیہ نے ذخیرہ سے اِسی طرح نقل کیا ہے اور ایک شِعر بھی ذکر کیا ہے۔ شعر یعنی ایسے ذابح کے حق میں جمہور کا

☆☆☆☆☆☆

[1] لاجل هذا عممنا الحرمة فیما قبل ۱۲ — اِسی لیے ہم نے پہلے حرمت کی تعمیم کر دی ہے۔ ۱۲

وفضلی و اسمعیل لیس یکفرٗ) وھکذا فی مطالب المؤمنین والاشباہ والنظائر وفی الحدیث لعن اللّٰہ من ذبح[1] لغیر اللّٰہ رواہ احمد و ایضاً ملعون من ذبح لغیر اللّٰہ رواہ ابو داؤد وفی غرائب ابی عبید و بستان الفقیہ و کنز العباد انہ لا یجوز ذبح البقر والغنم عند القبور لقولہ[2] علیہ السّلام لا عقر فی الاسلام یعنی الذبح عند القبور ھکذا فی سنن ابی داؤد کذا لایجوز علی[3] البناء الجدید وعند شراء

حکم تو یہ ہے کہ وہ کافر ہے لیکن فضلی اور اسمعیل کا فتوے ہے کہ کافر نہیں ہوتا۔ **وھکذا فی مطالب المؤمنین والاشباہ والنظائر**۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ خُدا اس شخص کو لعنت کرے جس نے غیر خُدا[1] کے لئے یہ جانور ذبح کیا (رواہ احمد) یا وہ ملعون ہے جس نے غیر اللہ کیلئے جانور ذبح کیا (رواہ ابو داؤد) اور غرائب ابی عبید اور بستان الفقیہ اور کنز العباد میں ہے کہ قبروں کے نزدیک[3] گائے اور بکری کا ذبح کرنا نا جائز ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ **لا عقر فی الاسلام یعنی عند القبور** یعنی اسلام میں قبروں کے

☆☆☆☆☆☆

[1] ازیں نیز حرمت ما ذبح باسم غیر اللّٰہ یا ما ذبح لتعظیم غیر اللّٰہ ثابت سے شود نہ حرمت جانور کے شہرت دادہ شود بنامِ غیر۔۱۲ مؤلف

[2] ایں حدیث نیز بامحلِ بحث علاقہ ندارد۔۱۲ مؤلف

[3] بامحل بحث ربطے ندارد۔۱۲ مؤلف

[1] اس حدیث شریف میں بھی اس جانور کی حرمت ثابت ہوتی ہے جو غیر خدا کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے یا غیر کی تعظیم مقصود ہو اور کلام صرف آواز بلند کیے ہوئے اور شہرت دیئے ہوئے جانور کے بارے میں ہے۔۱۲

[2] یہ حدیث بھی محلِ بحث کے ساتھ تعلق نہیں رکھتی۔۱۲

[3] بالکل بے تعلق اور بے ربط ہے۔۱۲ مؤلف

الدارلان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نھیٰ عن ذبائح الجن بناءً علی انھم یکرمون فابطل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونھیٰ عنہ و ھکذا فی کتب الشافعیة رحمة اللّٰہ علیھم کما قال النّووی فی شرح مسلم فی تفسیر ما اخرجہ من قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعن اللّٰہ من لعن والدہ و لعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ واما الذبح لغیر اللّٰہ فالمراد[1] بہ ان یذبح باسم غیر اللّٰہ کمن ذبح للصنم اوللصلیب او لموسیٰ و عیسیٰ علیھما السلام اوالکعبة ونحو ذلک. فکل ھذا حرام ولا تحل[2] ھٰذہ الذبیحة سواءً کان الذابح مسلماً او نصرانیاً او

نزدیک ذبح کرنا درست نہیں۔ سُنن ابی داؤد میں بھی اسی طرح مروی ہے علیٰ ہذا القیاس نئے مکان میں داخل ہونے سے پہلے وہاں کوئی جانور ذبح کرنا یا مکان خرید کرنے کے وقت ایسا کرنا نا جائز ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جِنّوں کے لئے جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کی تعظیم و تکریم ہوتی ہے۔ شوافع کی کُتب میں بھی اسی طرح موجود ہے۔ نووی نے مسلم کی شرح میں **لعن اللّٰہ من لعن والدہ ولعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ** کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ذبح بغیر اللہ سے مُراد[1] ذبح باسمِ غیر اللہ ہے جس طرح بُت کیلئے ذبح کرنا یا صلیب کے لئے یا موسیٰ علیہ السلام کے لئے یا عیسیٰ علیہ السلام یا کعبہ وغیرہ کے لئے یہ سب حرام ہے اور یہ ذبائح ہرگز حلال[2] نہیں ہوسکتیں۔ خواہ ذابح مسلمان ہو یا نصرانی ہو یا یہودی جیسا کہ امام شافعیؒ صاحب نے

☆☆☆☆☆☆☆

[1] مؤید است برائے تفسیر سلف صالحین ومخالف است از تفسیر جناب ۱۲

[2] لیس لہ ربط بمحل البحث۔ ۱۲

[1] یہ تفسیر سلف صالحین کے موافق ہے اور جناب خاتم المحدثین کے مخالف۔ ۱۲

[2] محل بحث کے ساتھ اس حکم کو کوئی ربط نہیں۔ ۱۲

يهود يا كما نص عليه الشافعيؒ واتفق عليه اصحابنا فان قصد[1] مع ذلك تعظيم المذبوح لغير الله والعبادة له كان ذلك كفرًا فان كان الذابح مسلماً قبل ذالک صار بالذبح مرتدًا و ذكر الشيخ ابراهيم المروزيؒ من اصحابنا ان ما يذبح عند[2] استقبال السلطان تقرباً اليه انه افتىٰ اهل بخارىٰ بتحريمه لانه مما[3] اهل به لغير الله قال الرافعي[4] هذا انما يذبحونه استبشاراً لقدومه فهو كذبح العقيقة لولادة المولود و مثل هذا لا يجزئ التحريم والله اعلم۔

اس پر نص فرمائی ہے اور ہمارے اصحاب کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے پس اگر اس ذبح[1] سے غیر خُدا کی تعظیم اور عبادت مقصود ہے تو یہ کُفر ہے پس اگر ذابح پہلے مسلمان تھا تو اَب مرتد ہو جائے گا۔

شیخ ابراہیم مروزی نے ذکر فرمایا ہے کہ جو شخص بادشاہ کے استقبال کے[2] وقت تقرب حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کرے تو اہل بُخارا کا فتویٰ ہے کہ وہ جانور حرام ہے کیونکہ یہ **ما اھل بہ لغیر اللّٰہ** میں داخل[3] ہے۔امام رافعیؒ فرماتے[4] ہیں کہ اس ذبیحہ سے مقصود قدومِ سُلطان کی خوشخبری دینا ہوتا ہے جس طرح بچہ پیدا ہونے کے وقت عقیقہ کرنا۔ لہٰذا یہ حُرمت کے فتویٰ کے لئے کافی نہیں۔

☆☆☆☆☆

[1] ليس محل البحث۔۱۲

[2] اجنبيٌّ عن محل البحث۔ ۱۲

[3] لا يريد الشيخ منه المعنى لمراد للجناب بدليل التفرد۔ ۱۲

[4] ليس له ربطٌ اصلا بمحل البحث بل مؤيدٌ لخلافه۔۱۲

[1] محل بحث سے بالکل بے تعلق ہے۔۱۲

[2] بالکل اجنبی ہے اسے اصل بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

[3] جناب نے جو معنے مُراد لیے ہیں شیخ وہ معنی مُراد نہیں لے رہے۔

[4] یہ قول اُلٹا مخالف کا مؤید ہے اور محلِ بحث سے بے تعلق ہے۔

سوال

فان قیل قوله تعالیٰ وما لکم أنْ لّا تأ کلوا ممّا ذکر اسم اللّٰه علیه وقد فصل لکم ماحرّم علیکم الّا ما اضطررتم الیه وکذا قوله فکلوا ممّا ذکر اسم اللّٰه علیه ان کنتم بایا تهٖ مومنین عامٌ یتنا ول ماقصد به التقرب الیٰ غیراللّٰه وغیره فیکون الکلّ حلالاً۔

وما لکم ان لّا تأ کلوا مما ذکر اسم اللّٰه علیه اَوقد فصل لکم ما حرم علیکم الاما اضطررتم الیه اَور فکلوا ممّا ذکر اسم اللّٰه علیه ان کنتم بأ یا تهٖ مؤمنین یہ تمام آیاتِ بیّنات عام ہیں تقرب اِلی الغیر مقصود ہو یا نہ ہو۔لہذا یہ سب جانور حلال ہوں گے۔

جواب

قلنا هٰذا الأیات عامةٌ مخصّصة بالنّص الاُخر وهو قوله تعالیٰ فی سورة المائدة حُرِّمَت علیکم المیتةْ والدم ولحم الخنزیر وما اهل لغیر اللّٰه به والمنخنقة والموقوذة والمتردّیة والنطیحة وما اکل السبّع الّا ما ذکیتم وما ذبح علے النصب فلو ان رجلا مسلماً خنق شاةً وذکر

یہ آیت بیّنات عام ہیں اور دوسری نص کے ساتھ ان کی تخصیص کردی گئی ہے جو سُورت مائدہ میں ہے۔حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل لغیر اللّٰه به الخ پس اگرکوئی مسلمان کسی بکری کا گلا گھونٹ دے اور اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی ذکر کرے تو وہ بکری یقیناً حلال نہ ہو گی حالانکہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام تو ذکر کیا گیا ہے۔اسی طرح اگرکوئی جانور کسی نشان یا قبر کے نزدیک ذبح کیا گیا ہے۔اور ذبح

اسم اللّٰه علیها لاتحل مع انه ذکر اسم اللّٰه علیها و کذا اذا ذبح شاۃ علے نصبٍ من الانصاب او علی قبر من القبور و قصد[1] به التقرب الی صاحب القبر او صاحب النصب و ذکر اسم اللّٰه علیها لا تحل لھٰذا النّص الصریح ومدار[2] کل ذٰلک علی قصد التقرب الیٰ غیر اللّٰه او تغییر الطریق المشهور فی الذبح من استعمال اٰ لۃِ المحدّدۃ ونحو ذٰلک فعلمنا انها ای قوله وقد فصّل لکم حوالۃ

سے تقرّب اِلَی الغیر یعنی تقرب صاحبِ قبر یا صاحبِ نشان مقصود[1] ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی ذکر کیا ہے تو مندرجہ بالا نصِ صریح کی وجہ سے وہ جانور حلال نہ ہوگا اور ان سب کی مدار[2] اِس بات پر ہے کہ ان میں غیر خدا کا تقرب مقصود ہے یا ذبح کرنے کا جو مشہور طریقہ ہے اُس کا تغیر تبدّل کر دیا گیا ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ **قد فصل لکم** کی آیت عام ہے اور آیتِ مائدہ یعنی **حرمت علیکم** خاص ہے۔ اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ مشرک لوگ اِلزام کے طور پر مسلمانوں کو کہتے تھے تم اللہ تعالیٰ کی قتل کی ہوئی چیز کو تو نہیں کھاتے یعنی میتہ

☆☆☆☆☆☆☆

[1] مسلّم لکن لیس محل البحث۔۱۲۔از مؤلف

[2] لا جل هذا تحل ذبیحة المسلم عند القبر اذا ذکر اسم اللّٰه علیه ولم یقصد بذبحها التقرب الیٰ صاحب القبر۔۱۲۔از مؤلف

[1] مسلّم ہے لیکن محلِ بحث نہیں۔

[2] اسی لیے مسلمان کی ذبیحہ قبر کے نزدیک درست ہے جب کہ خُدا کا نام لے اور صاحب قبر کا تقرب مقصود نہ ہو۔

علے ما ذکر فی الآیات الاخر کآیة المائدة وغیرھا وکان سبب نزول ھذہ الآیة شبھة المشرکین حیث کانوایقولون للمسلمین بطریق الالزام انتم لا تأکلون المیتة وقد قتلھا اللہ وتأکلون ماتقتلون بایدیکم فقد رجحتم مقتولکم علی مقتول اللہ فاجاب اللہ تعالیٰ عن ذلک بان المیتة لم یذکر معھا اسم اللہ فلذالک حرمت وکذا الموقوذة والمتردیة لم تقتل علی الوجه الماذون فیه من اللہ فحرّمت وماقتلناہ بایدینا انما صار حلالاً لان قتلھا وقع باذن اللہ وبالوجه المشروع بحیث خرج منه الدم المسفوح ومع ذکر اسم اللہ فتحلیل ھذا او تحریم ذلک عین التعظیم لامر اللہ واما حدیث القتل

کواوراپنی قتل کی ہوئی چیز کھالیتے ہوتو گویا تم نے اپنے مقتول کا رُتبہ اللہ تعالیٰ کے مقتول سے بڑھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں کہ میتہ پر چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا اس لیے وہ حرام ہے اور اسی طرح موقوذہ اور متردیہ وغیرہ بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقِ ذبح کے برخلاف ان پر موت وارد ہوئی ہے اور جو جانور ہم نے خود ذبح کیا ہے وہ اس لیے حلال ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کیا گیا ہے اور اسی طریق سے ذبح کیا گیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت تھی۔ یعنی دم مسفوح وغیرہ اس کا مکمل طور پر خارج ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہے لہذا ہمارے جانور کا حلال ہونا

فـمـخالطة" وهمية لان الكل مـقتول الله سواء كان بايدينا او بـا يـدى غيـرنـا او مـاتت حتف انفهـا اذ لاموت عندنا الا بـاذن الـلّٰه قال اللّٰه تعالیٰ الـلّٰـه يتـوفـى الانفس حين مـوتهـا ولـذالـک اجمع اهل السنة والـجمـاعة على انّ الـمقتـول ميت لا جله واللّٰه اعـلم وما وقع فى البيضاوىّ وغيـره مـن التّفـاسيـر انهم قـالـوا و مـا اهل به لغير اللّٰه اى مـــارفــع الـصـوت بــه عـنـدذبحـه لـلصنم فمبنىّ على جرى[1] عادة المشر كين فى ذٰلـک الـزّمان ولذا[2] لم يـفـرقـوا فى التفاسير القديمة بيـن مـا ذكـر اسـم غير الـلّٰـه عليه وبين ما

اور تمہارے کا حرام ہونا بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم ہے۔ باقی تمہارا قتل والا شُبہ بالکل وہمی مغالطہ ہے کیونکہ دراصل یہ سب جانور اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں قتل کیے ہوئے ہیں خواہ وہ ہمارے ہاتھوں سے قتل ہوں یا کسی غیر کے ہاتھوں سے یا خود بخود اپنی موت مر گئے ہوں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک موت صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو سکتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی جانوں کو وفات دیتا ہے۔ اِسی لیے اہل سُنت کا اجماع ہے کہ مقتول اپنی اسی میعاد پر مرا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر فرمائی تھی واللہ اعلم۔ باقی بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں جہاں **وما اهل به** کا معنی رفع الصوت عند ذبحہ للصنم تحریر کر دیا گیا ہے وہ اس زمانے کے مشرکین کی عادت[1] کی بناء پر کیا گیا ہے۔ اِسی لیے اُن تفاسیر میں اس بات کا فرق بھی نہیں[2] بیان کیا گیا کہ اس جانور پر غیر خُدا

☆☆☆☆☆☆☆

[1] لكن بدلالة اللفظ كما مرّ۔ ۱۲از مؤلف

[2] قد مر الجواب منه

[1] لیکن یہ دلالت لفظ سے ہے جیسے گزر چکا کہ وہ مُنہ سے بھی یہی کہتے تھے۔

[2] اسی لیے جس پر خدا کا نام لیا گیا وہ **مـــا اهل به لغير اللّٰه** میں داخل نہیں۔

قصدبذبحه التقرب الیٰ غیر اللّٰـــه لانّ مشرکی ذٰلک الزّمان کانوا مخلصین فی الکفر وکانو اذا قصدوالتقرب بذبح بهیمة الیٰ غیر اللّٰه ذکروا[1] علیها عندالذبح اسم ذٰلک الغیر بخلاف مشرکی المسلمین فانهم یخلطون بیـن الکفـر والاسـلام فیقصدون التقرّب بالذبح الیٰ غیر اللّٰه یذکرون اسم اللّٰه علیها وقت الذبح فالاول کفر صریح والثانی کفر[2] صورته صورة الاسلام وکانو یعتقدون ان لا طریق للذبح الا هذا سواء کان للّٰه اولغیر اللّٰه وقد تجری هذه العادة فی زماننا ایضًا فانهم

کا نام ذکر کیا گیا ہو یا اس کی ذبح سے مقصود تقرب اِلَی الغیر ہو کیوں کہ اس زمانے کے مُشرکین خالص مشرک اور مخلص فی الکفر تھے اور جب تقرب اِلَی الغیر کے لئے کوئی جانور ذبح کرتے تھے تو اس پر نام بھی غیر[1] ہی کا لیتے تھے۔ بخلاف ہمارے زمانہ کے مُسلمان مشرکوں کے کہ یہ لوگ کُفر اِسلام کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ ذبح تو تقرّب اِلَی الغیر کی نیت سے کرتے ہیں اور ذبح کے وقت نام اللہ تعالیٰ کا بلند کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

[1] فلا جل هذا لم یکن ما ذکر علیـه اسم اللّٰه داخلا فیما اهل به لغیر اللّٰه۔۱۲

[1] اسی لیے جس پر خُدا کا نام لیا گیا وہ ما اهل به لغیر اللّٰه میں داخل نہیں۔

[2] لـو قصد بذبحها التقرب لـغیر اللّٰه ۔ازمؤلف دمِ مسفوح جاری ہونے والا خون

[2] اگر تقرب اِلَی الغیر کی قصد ہو۔۱۲

يشهرون[1] ان فلا نا يذبح بقرة لا جل السيد احمد كبير مثلاً سواءٌ ذكر واسم الله عليه عند امرار السكين ام لا وما وقع في الهداية ويكره ان يذكر مع اسم الله تعالىٰ شيئًا اٰخر وهوان يقول عند الذبح الّٰهم تقبل من فلان وهٰذه ثلٰث مسائل احدها ان يذكر موصولاً لا معطوفاً فتكره ولاتحرم الذبيحة وهو المراد بما قال ونظيره ان يقال بسم الله محمّد رسول الله لان الشركة لم توجد فلم يكن الذبح واقعا له الا انه يكره لوجود القران صورة فيتصور بصورة المحرم والثانية ان يذكر موصولاً على وجه العطف والشركة بان يقول بسم اللّٰه واسم فلان او بسم اللّٰه ومحمّد رسول الله بكسرالدال فتحرم الذبيحة لانه[2] اهل به لغير الله والثالثة ان يقول

پہلا صریح کفر[1] ہے۔ اور دُوسرا ہے تو کُفر لیکن صورت اسلامی ہے ان لوگوں کا اعتقاد تھا کہ ذبح کا طریقہ یہی ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کریں یا غیر کے لئے ہمارے زمانہ میں بھی یہ عادت جاری ہے۔ لوگ مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص سید احمد کبیر کے لیے گائے ذبح کیا کرتا ہے۔ خواہ وہ چھری چلانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذِکر کرے یا نہ۔ اور ہدایہ شریف میں ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی دُوسری چیز کا نام لینا مکرُوہ ہے۔ مثلاً کہے اَے اللہ فلاں کی طرف سے قبول فرما۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ اول اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ دُوسرے شخص کا نام متصل کر کے بغیر

☆☆☆☆☆☆

۱؎ ليس التشهير من موجبات التحريم كما مرّ ۱۲ از مؤلف

۱؎ شہرت تحریم کا سبب نہیں ۔۱۲ از مؤلف

۲؎ ليت شعرى ما يقول قدس سره فى بيان مراد صاحب الهداية من اهل به لغير الله فانه متفق مع السلف فى تفسيره فالعجب كل العجب من تمسّكه بعبارة صاحب الهداية ۱۲ از مؤلف

۲؎ صاحب ہدایہ کی کلام کا مطلب بیان کرنے میں شاہ صاحب قدس سرّہٗ نے نہایت افسوس ناک رویہ اختیار کیا ہے صاحب ہدایہ کی عبارت سلف کی تفسیر کے بالکل موافق ہے لہذا اس کے ساتھ تمسک کرنا تعجب کی بات ہے ۔۱۲ از مؤلف

مفصولاً عنه صورة ومعناً بان يقول قبل التسمية وقبل ان يضجع الذبيحة او بعد الذبح وهٰذا لا باس به لماروى ان النبى صلى الله عليه وسلّم قال بعد الذبح اللّٰهمّ تقبل هٰذه من امة محمد ممن شهد لك بالواحدانية ولى بالبلاغ والشرط هو الذكر الخاص المجرّد علىٰ ما قال ابن مسعود رضى اللّٰه تعالىٰ عنه جرّد والتسمية انتهىٰ۔ ما فى الهداية[۱] صريح فيما ذكرنا

عطف کے لینا یہ مکروہ ہے لیکن ذبیحہ حرام نہ ہو گی۔ ہدایہ کی سابق عبارت سے یہی صورت مُراد ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کہے بسم اللہ محمد رسُول اللہ یہاں چونکہ شرکت موجود نہیں لہذا ذبح غیر خُدا کے لئے نہ ہوگی لیکن صورۃً غیر کے انضمام و اتصال سے چونکہ حرام کے مشابہ ہو گی۔ لہذا مکروہ ہے۔ دوم غیر کا نام متصلاً عطف اور شرکت کے ساتھ لینا مثلاً بسم اللہ ومحمد رسول اللہ بہ کسر الدال یا بسم اللہ واسم فلان وغیرہ تو ذبیحہ حرام ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ **ما اهل به لغير الله** میں داخل ہے۔ سوم صورۃً اور معناً علیحدہ طور پر یعنی منفصلاً ذکر کرے مثلاً بسم

☆☆☆☆☆☆

ل صريح في اشتراط الذكر المجرد عن ذكر الغير لا عن قصد التقرب إلى غير اللّه فمفاده الاحتراز عن الشركة باقسامها الثلثة وقصده التقرب الىٰ غير اللّه انما هو خارج من الشرط الاخير للذبح اعني كونه خالصاً للّٰه كما عرفت فيما سبق ۱۲ از مؤلف

ل اس کی عبارت سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ ذبح کے لئے فقط اللہ تعالیٰ کا نام مجرد لینا شرط ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کا نام نہ لے۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام تقرب الی الغیر کے قصد سے مجرد ہو بلکہ ہدایہ کی کلام کا مفاد تو یہ ہے کہ ہر سہ اقسام کی شرک سے احتراز لازم ہے۔ باقی قصد تقرب الی الغیر یہ ذبح کی آخری شرط سے متعلق ہے یعنی خالصاً للّٰہ کا معنے ہے کہ تقرب الی الغیر کا ارادہ نہ ہو۔ ۱۲۔ مؤلف

من ان[ل] قصد التقرّب الى غير اللّه محرم للذبيحة سواء كان بطريق الاستقلال او بطريق الشركة نعم لو ذكر ذكراً مجرّداً عن غير[ل] قصد التقرب الى غير اللّه

اللہ سے پہلے یا جانور کو لٹانے سے پہلے یا ذبح کے بعد غیر خدا کا نام ذکر کرے۔ یہ صورت جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ذبح کے بعد فرمایا اے خداوند یہ قربانی امت محمدیہ سے قبول فرما۔ جنہوں نے تیری وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دی۔ ذبح کی شرط

☆☆☆☆☆☆☆

ل تغیر" المدعیٰ وفرار" عما قال فی تفسیر وما اھل به لغیر اللّٰه ازمؤلف

ل یہ مدعیٰ کی تبدیل ہے اور اپنی جگہ سابقہ تفسیر سے فرار کرنا ہے۔ ۱۲

ع لیس مراده مجردا عن قصد التقرب بل عن ذکر اسم الغیر کما یدل علیه الامثلة وقوله وهو ان یقول وقوله ان یذکر موصولا لا معطوفاً وقوله ان یذکر موصولا علی وجه العطف والشرکة بان یقول بسم اللّٰه واسم فلان الخ وقوله مفصولا عنه صورةً و معنیً۔ ۱۲۔ازمؤلف

ع مجرد سے مُراد تینوں صورتوں سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ غیر خدا کا نام لینے سے مجرد ہونہ کہ قصد تقرب اِلَی الغیر سے مجرّد ہو۔ یہ بات مثالوں سے واضح ہے جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔۱۲۔ مؤلف

فـفيـه تـفـصيـل فـان ذكـر مـوصـولاً لا مـعـطـوفاً تكره مثلاً ان يقول بسم اللّٰه محمد رسول اللّٰه اواللّٰهم تتقبل من فلانٍ ولا يحرم الذبيحة لعدم قـصد التقرب اليه و انما كره لاجـل مشـابهتـه فى ذٰلـك بـذكـر اسـم غيـر اللّٰه بقصد التـقـرب ولـو ذكـره معطوفاً تـحـرم ايضاً وان لم يكن فيه مـعـنـى التقرب لٰكنه صريح فـى الشـركة والـصـريـح لا يـحتـاج الـى النية واذا ذكر مـفـصـولاً لا بطريق العطف ولا بـطـريـق الوصل لا يكره ولا يـحـرم لانتـفـاء المشابهة صـورةً و معنىً مثلاً ان يقول بسم الـلّٰـه وتـوقف ثم قـال مـحـمـد رسـول اللّٰه من غير قصد التقرب الىٰ غير اللّٰه

ذکر خالص مجرد ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ جَـــــرِّدُوا التسـمية یعنی فقط اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو۔ اھک۔ ہدایہ کی مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہوگیا ہے کہ تقرب اِلَی الغیر کی قصد ذبیحہ کو بالکل حرام کردے گی۔ خواہ مستقل طور پر تقرب اِلَی الغیر کا ارادہ ہو یا شرکت کے طور پر، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا نام بالکل مجرد ذکر کیا ہے اور تقرب اِلَی الغیر کا قصد بھی نہیں تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر غیر کا نام متصلاً بغیر عطف کے لیا تو مکروہ ہے مگر ذبیحہ حرام نہ ہوگی۔ مثلاً کہے بسم اللہ محمد رسول اللہ یا الـلّٰهـم تقبل من فلان وغیرہ تقرب اِلَی الغیر کی قصد نہ ہونے کی وجہ سے ذبیحہ تو حرام نہ ہوگی لیکن غیر کے متصلاً ذکر کرنے کی وجہ سے حرام کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے

واذا عرفت [1] معنی هذا الکلام عرفت ان صاحب الهدایة وضع المسئلة فیما

سے کراہت حاصل ہو جائے گی اور معطوفاً ذکر کرنے کی صورت میں ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

[1] واذا عرفت معنی هذا الکلام عرفت ان صاحب الهدایة وضع المسئلة فیما اذالم یکن المذکور مقرونا بذکر الغیر بل کان ذکرا مجرد او علی تقدیر انتفاء التجرد تحصل صور "ثلث" ثالثها ان یقول مفصولا عنه وهذا لا باس به فذکر اسم الغیر بالفصل عن ذکر اسم اللّٰه سبحانه حین الذبح و تشهیر الحیوان باسم الغیر مفصولاً لا باس به و علی هذا فرّع صاحب التفسیر الاحمدی بقوله ومن ههنا علم ان البقرة الخ فتفریعه لا غبار علیه ثم قال فی الحاشیة هذا بحسب قوله وما اهل به لغیر اللّٰه اما بحسب النذر تقرران النذر لغیر اللّٰه حرام و نذر الاولیاء مؤوّل" بان النذر للّٰه وثوابه لهم۔ ۱۲۔ ازمؤلف

[1] صاحب ہدایہ کی کلام سے واضح ہے کہ اس کا مسئلہ اس بارے میں ہے کہ مذکور غیر خدا کے نام کے ساتھ مقرون نہ ہو بلکہ ذکر مجرد ہو۔ لہذا انتفائے تجرد کی تین صورتیں ہوں گی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غیر خدا کا نام مفصولاً ذکر کرے۔ یعنی غیر کا نام ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام سے جُدا کر کے ذکر کرنا اور تشہیر کے وقت بھی غیر کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے مفصولاً ذِکر کرنا کوئی ڈر کی بات نہیں۔ اسی پر تفسیر احمدی والے نے **فعلم من ھٰھنا** متفرع کیا ہے لہذا تفسیر احمدی والے کی تفریع **مَا اھل بہ** کی تفسیر کے لحاظ سے صحیح ہے۔ ہاں نذر کے لحاظ سے ہر شخص کو معلوم ہے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے۔ اور نذر اولیاء در حقیقت اللہ تعالیٰ کی نذر ہوتی ہے اور ثواب اولیاء اللہ کی ارواح کے لئے ہوتا ہے۔ کمامرّ۔ ۱۲۔ مؤلف

اذا لم یکن المذکور مقروناً بقصد التقرب الیٰ غیر اللّٰه بل ذکراً مجرداً فهو بمعزلٍ[1] عن مسئلتنا الموضوعة فیما قصد التقرب الیٰ غیر اللّٰه فانها حرام" مطلقاً و عرفت ایضاً ان ما وقع فی التفسیر الاحمدیّ من تفریع قوله علیٰ ما وقع فی الهدایة ونقله فی ذلک التفسیر کما ذکرنا وهو قوله ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولیآء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب" لانه لم

اگرچہ تقرب اِلَی الغیر کا ارادہ نہ بھی ہو کیونکہ شراکت صراحۃً موجود ہے اور تصریح کی صورت میں نیت کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی اور اگر منفصلاً ذکر کرے لیکن عطف نہ ہو تو پھر کراہت بھی نہیں اور تحریم بھی نہیں۔ کیوں کہ صورۃً اور معناً مشابہت موجود نہیں مثلاً بسم اللہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور توقف کے بعد محمد رسول اللہ کہا تقرب اِلَی الغیر کا ارادہ نہیں تھا۔ صاحب ہدایہ کی کلام کی اس تشریح سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہے کہ صاحب ہدایہ کا مسئلہ اس بارے میں ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے یعنی تقرب اِلَی الغیر کی قصد ہرگز نہ ہو اور ہمارا مسئلہ اس بارے میں ہے کہ تقرب اِلَی الغیر کی قصد ہو جو مطلقاً حرام ہے پس یہ

☆☆☆☆☆☆

[1] فکیف یصح قول الجناب فیما قبل وما وقع فی الهدایة صریح" فیما ذکرنا وطرز استدلال المستحل بما فی الهدایة ذکرنا فی الحاشیة السابقة۔ ۱۲۔ از مؤلّف

پہلے تو آپ فرما آئے ہیں کہ صاحب ہدایہ کی کلام صریح ہے ہمارے استدلال پر اور اب دونوں مسائل میں فرق پیدا ہو گیا ہے ہدایہ سے مستحل کا طرز استدلال ہم بالوضاحت ذکر کر چکے ہیں۔ ۱۲۔ مؤلف

يذكر اسم غير الله وقت الذبح وان كانوا ينذرونها لهم انتهى مبنىّ" على الغفلة[1] عن قول صاحب الهداية وهو قوله والثالثة ان يقول مفصولاً عنه صورةً و معنىً الخ فان الانفصال[2] المعنوىّ كيف يتصوّر اذا كان النذر للاولياء فانه[3] عين التقرب اليه فنيتهم

دونوں بالکل مختلف ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تفسیر احمدی والے نے جو مطلب صاحبِ ہدایہ کی کلام سے سمجھا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ صاحب التفسیر فرماتے ہیں کہ پس یہاں سے معلوم ہو گیا کہ وہ گائے جو اولیاء اللہ کی نذر کی جائے جیسا کہ ہمارے زمانہ کی رسم ہے بالکل حلال طیب ہے کیونکہ ذبح کے وقت غیر خُدا کا نام نہیں لیا گیا۔ اگر چہ نذر غیر کے لئے ہے۔ اھ ک

☆☆☆☆☆☆☆

[1] بل مبنى على فهم المراد عن قول صاحب الهداية كما بيّنا۔ ۱۲۔ از مؤلف

[1] بلکہ صاحب ہدایہ کی کلام کو سمجھ کر کہا گیا ہے جیسا پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ۱۲۔ مؤلف

[2] نعم يتصور اذا لم يكن الذكر بطريق العطف۔ ۱۲۔ منه

[2] انفصالِ معنوی ذکر بغیر العطف کی صورت میں متصور ہے۔ ۱۲

[3] ليس عين التقرب اليه بناءً على ما ذكره والد الجناب رضى الله تعالىٰ عنهما ونقلناه فى صدر البحث ۔ ۱۲۔ منه

[3] جناب کے والدِ ماجد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصریح کے مطابق یہ بعینہٖ تقرب اِلی الغیر نہیں جیسا کہ ابتدائے بحث میں نقل کر چکے ہیں۔ ۱۲

دائمة[1] الیٰ وقت الذبح فلا انفصال[2] معنیً اصلاً لما تقرر فی قواعد الفقه من استدامة[3] النیّه الی اٰخر العمل وایضاً مبنی" علیٰ[4] عدم الفرق بین الذکر المجرد الذی وضع صاحب الهدایة مسئلة فیه و بین ما قصد به التقرب الی غیر اللّٰه الذی وضعنا

اور صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ غیر کا نام صورتاً اور معناً علیحدہ ذکر کیا جائے۔ لہٰذا جب نذر اولیاء اللہ کے لئے ہوئی تو انفصال معنوی کہاں رہا بلکہ یہ بعینہٖ تقرب اِلَی الغیر ہے بلکہ ایسے ناذر کی نیت میں بالکل انفصال معنوی حاصل نہیں ہوا جیسا کہ فِقہ کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ نیت آخر عمل تک دائمی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں صاحب التفسیر صاحب ہدایہ کے ذکر مجرد والے مسئلہ میں اور ہمارے قصد التقرب والے مسئلہ

☆☆☆☆☆☆

[1] ودوام نیة هداء ثواب اکل اللحم لا یضر فی حلیة المذبوح۔ ۱۲

[2] ولا ضیر فیه ۱۲۔

[3] نعم لکن مالم یطرء علیها ماینا فیه وههنا قد طرء علیها اسم اللّٰه تعالیٰ وهو مناف بحسب زعمکم ومن اراد البسط فی هذا المقام فلیطالع الاشباه والنظائر۔۱۲

[4] (باقی برصفحۂ آئندہ)

[1] اھداء ثواب کی نیت کا دوام حِلّتِ مذبُوح کے مخالف نہیں۔۱۲

[2] پھر کونسا نقصان آ گیا۔۱۲

[3] ہاں لیکن جب تک منافی اس پر عارض نہ ہو جائے اور یہاں ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کر دینا پہلے ارادہ کے منافی ہے جو عارضی ہو گیا ہے لہٰذا نیت کا دوام کہاں رہا۔۱۲۔

[4] (باقی برصفحۂ آئندہ)

المسئلة فيه و اين هٰذا من ذاک۔

میں فرق معلوم نہیں کر سکے۔ حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اھ ک

تمّ الجواب من مولانا عبدالعزیز قدس سرہ العزیز۔

مولانا عبدالعزیز قدس سرّہٗ کا جواب ختم ہوا

☆☆☆☆☆☆☆

؎ (بقیہ صفحہ گذشتہ) بل قول الجناب مبنیّ علی عدم الفرق الخ مبنی علے عدم فهم الذکر المجرد الذی وضع صاحب الهدایة المسئلة فیه وارادة المجرد عن قصد التقرب الی غیر اللّٰه و این هذا من ذاک۔ برناظر فطن مخفی نماندہ باشد کہ حضرت خاتم المحدثین از تفسیر وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ رجوع فرمودہ استفتاء ہذا مرتب نمودہ است چہ دراں مدار حُرمت جانور منذور للاولیاء بر تشہیر بنامِ غیر بُود دریں بر قصدِ ذبح لغیر اللہ را ایں رجوع و تغیر ترتیب سبے و منشائے بغیر از دیانت و تقویٰ حضرت موصوف چیزے دیگر نیست رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللہ اعلم ۔۱۲۔ مؤلف

؎ (بقیہ صفحہ گذشتہ) بلکہ جناب کے اس قول کی بناء اس پر ہے کہ آپ صاحب ہدایہ کے ذکر مجرّد کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔ کہاں ذکر مجرد یعنی عن ذکر الغیر اور کہاں مجرد عن قصد التقرّب إلی الغیر۔ واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنی پہلی تفسیر سے رجوع فرما کر یہ استفتاء تحریر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہاں حرمت کی مدار غیر خدا کے لئے تشہیر اور آواز بلند کرنے پر تھی اور یہاں حُرمت کی مدار تقرب إلی الغیر کی قصد پر اس رجوع اور تغیر کا منشاء جناب کا تقوے اور دیانت ہی ہو سکتے ہیں۔۱۲۔ واللہ اعلم۔ از مؤلف۔

؎ حضرت مؤلف ؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ کے اس فتویٰ کو ما اہل کی اس تفسیر سے رجوع کر لینے پر محمول ہونا ثابت کیا ہے۔ لہٰذا اب شاہ صاحب اور جمہور مفسرین میں اختلاف نہ رہا۔

جواب ثانی اَز مُفتی عبدالحکیم پنجابی (مرحُوم)

متضمن براعتراضات وطنز وطعن بر مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ

گاؤ وغیرہ درصُورتِ مذکورہ حلال است و خُوردنِ آں بموجب شرع شریف دُرست خصوصاً وقتے کہ ذابح غیر ناوی باشد۔ كما هو المعتاد فی ذبح بقرة السيد احمد كبير وغيره واما ثبوت حلّها اوا كلها بالكتاب فقوله تعالیٰ فكلوا مما ذكر اسم[1] اللّٰه عليه ان كنتم بأياته مؤمنين. وما لكم[2] الّا تا كلوا ممّا ذكر اسم اللّٰه عليه وقد فصل لكم مّا حرّم عليكم لانّه عام قد خصّ منه البعض وهو الميتة والدّم ولحم الخنزير وما اهل لغير اللّٰه به

مذکورہ بالا گائے حلال ہے اور اس کا گوشت کھانا شرعاً درست ہے خصوصاً جب کہ ذبح کرنے والا خود یہ اعلان نہ کرے کہ یہ ذبیحہ غیر اللہ کے لئے ہے جیسا کہ سید احمد کبیر کی گائے میں متعارف ہے۔ جانور مذکور کی حلت کا ثبوت قرآن کریم کی ان آیات سے ملتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: فكلوا مما ذكر اسم الله عليه ان كنتم باياته مومنين وما لكم ان لا تاكلوا مما ذكر اسم اللّٰه عليه. وقد فصل لكم ماحرم عليكم. الآية

یہ سب آیات عام ہیں جن میں سے بعض چیزیں مستثنیٰ کی گئی ہیں۔ مثلاً میتۃ (مردار) دم (خون) لحم خنزیر (سؤر کا گوشت) مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ به (جس پر ذبح کے وقت غیر خدا

[1] اگر تم خدا کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس چیز پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اُسے کھاؤ۔

[2] تمہیں کیا ہو گیا کہ وہ چیز نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ حرام چیزیں بیان کر دی ہیں۔

والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما اكل السبع وما ذبح على النّصب وما قصد به التقرّب الىٰ غير اللّٰه والعام المخصص يتناول افراده الباقية ولوظناً والذبيحة فى الصورة المذكورة ليست داخلة فى شىء من المخصّصات امّا عدم دخولها فيما سوىٰ قصد به التقرّب الىٰ غير اللّٰه فلانه عبارة عن الذبيحة التى لم يقصد بذبحها اكل لحمها بل قصد به الدفع الى الغير كما سيأتى وهٰهنا ليست كذالك واما بالسنّة فحديث الذبيحة للضيف والوليمة والاعراس والعقيقة والتجارة كذبيحة القصاب مثلاً فانه لا شك انّ الذبيحة فى الصورة الاولىٰ والصّور المذكورة اهل باسم

کا نام بلند کیا جائے۔ منخنقہ (گلا گھونٹ کر ماری ہوئی) موقوذۃ (پتھر یا عصا سے ماری ہوئی) یا جس کو درندہ کھا لے۔ یا نشانوں پر ذبح کی جائے۔ یا ذبح سے تقرب **الی الغیر** کا ارادہ ہو اور عام مخصوص البعض اپنے باقی افراد کو شامل ہوسکتا ہے خواہ بطریق ظن ہی کیوں نہ ہو۔ اب غور کرنا چاہیے کہ جس طرح ذبیحہ منذورۃ ان مخصصات میں سے (یعنی ماسوا **ما قصد به التقرب الى الغير**) کسی میں بھی داخل نہیں **كما هو الظاهر** اسی طرح ما قصد بہ التقرب **الی الغیر** میں اُس ذبیحہ پر صادق آتا ہے جس کے ذبح سے کھانا مقصود نہ ہو بلکہ صرف غیر کی طرف دفع کرنا مقصود ہو اور ذبیحہ مذکورہ میں یقیناً ایسا نہیں (کیونکہ یہ جانور مطلق فقراء یا خدامِ اولیاء کے کھانے کے لئے ذبح کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف صراحۃً مہمان کے لئے جانور ذبح کرنا یا ولیمہ کے لیے یا عقیقہ، عرس، تجارت وغیرہ کے لئے بالاتفاق جائز ہے

اللّٰه بنية غير اللّٰه والفرق تحكّم وامّا بقول الفقهاء فقول السراجية والكتابيّ اذا ذبح باسم المسيحؑ لا تحل ولوذبح ببسم اللّٰه واراد به المسيح عليه السلام تحل
وبایں عبارت مندفع می شودقول قاصران کہ مے گویند نیت اگرچہ در ذبح شرط نیست لیکن خبیثہ وفاسدہ ذبیحہ را حرام خواہد نمود۔ وقول الهداية والثالثة ان يقول مفصولاً عنه صورةً و معنىً بان يقول قبل التسمية وقبل ان يضجع الذبيحة او بعده وهذا لاباس به ه الىٰ قوله والشرط هو الذكر الخالص المجرّد باللسان فقط كما يدلُّ عليه قوله بان يقول قبل التسمية الخ فی تفسير قوله صورةً ومعنىً و قول العناية فی شرح قول الهداية هٰذا والما موربه هٰهُنا الذكر المتعدے بعلی الذكر باللّسان كما

اور ان سب صورتوں میں ذبح کے وقت آواز اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بلند کی جاتی ہے اور ارادہ غیر کا ہوتا ہے لہذا صور مذکورہ اور بقرہ منذورہ میں فرق پیدا کرنا یعنی اوّل الذکر کو حلال کہنا اور مؤخر الذکر کو حرام کہنا محض تحکم ہے یعنی دعویٰ بلا دلیل ہے۔ فقہاء کرام نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ جانور مذکور حلال ہے۔ ملاحظہ ہو سراجیہ (یعنی عیسائی اگر کسی جانور پر ذبح کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بلند کرے تو جانور حرام ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کرے اور ارادہ عیسیٰ علیہ السلام کا کرے تو حلال ہوگا۔ اس عبارت سے ان بے سمجھ لوگوں کا اعتراض بھی مندفع ہوگیا جو کہتے ہیں کہ نیت اگرچہ ذبح میں شرط نہیں لیکن ارادہ فاسد ذبیحہ کو حرام کر دے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ تیسری قسم یہ ہے کہ غیرِ خُدا کا نام مفصولاً ذکر کرے یعنی ذبح سے یا بسم اللہ پڑھنے سے پہلے یا ذبح کے بعد تو یہ جانور حلال ہے الخ

تفرّدواحتجّ بہٖ مالکؒ فی حرمة متروک التسمية ناسيا فلا تدخل الذبيحة تحت قوله تعالیٰ ولا تاكلوا ممّا لم يذكر اسم الله عليه ايضاً واَمّا بقول المفسرين فقول العالم العارف المحدّث الاصولی المفسر الحاج الحرمين الشريفين زادهما الله تعالیٰ شرفاً وتعظيماً المدرس فيهما فی التفسير الاحمدیّ انّ البقرة المنذورة كما هو الرسم فی زماننا حلال" طيّب" لا نه لم يذ كر اسم غير الله وقت الذبح وان كانو ينذرونها لهم انتهیٰ والحق المبين ما قاله مولانا محمد مبين فی رسالته فی النّذر وندر شیخ سدّو مثالِ آں حرام است وبُزو مانندِ آں کہ بنامِ شیخ سدو ذبح مے کنند اگر وقت ذبح نامش گرفتہ باشند گوشتِ او مُردار شود وخوردنش روانہ باشد قال الله تعالیٰ ولا

پھر فرماتے ہیں ذبح کی شرط ذکر مجرد ہے (یعنی زبان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا) جیسا کہ صورۃً اور معناً کی تفسیر میں **يقول قبل التسمية** کے قول سے ظاہر ہو رہا ہے۔ عنایہ نے اسی عبارت کی تشریح میں تصریح کی ہے کہ یہاں جس ذکر کا حکم کیا گیا ہے اُس سے مُراد ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے اور ذکر چونکہ لفظ علیٰ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے لہذا صرف زبانی ذکر مُراد ہوگا۔ کما تقرر امام مالکؒ نے اسی کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ جب ذبح کے لئے ذکر لسانی شرط ہے تو متروک التسمیہ ناسیاً یعنی جس جانور پر ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے وہ حرام ہوگا۔ لہذا بقرہ منذورہ **لا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه** کے حکم میں داخل نہ ہوگی۔

تاکلو ممّا لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ وانہ لفسق ؕ واگر بنامِ خدا بر بسم اللہ اللہ اکبر ذبح کردہ باشند اگرچہ در دِل نیت فاسد دارند ظاہراً خوردونوش حلال باشد لیکن متقی و پرہیزگار را باید کہ نخوردو الّا جاہلاں گمان برند کہ ایں نذر حلال است پس گمراہ شوند انتہیٰ بحروفہ لکن کسانیکہ اقوالِ آں ہا مطابق افعالِ شان نیستند مثلاً فرقہ شیعہ را کافر مطلق بالاجماع مے گویند وقولہ تعالیٰ **ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا ولعبدٌ مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم** الآیۃ راپسِ پُشت انداختہ تزویج بنات وغیرہ از شیعہ مے نمائند ؤ مسکنِ خود را دارالحرب قرار مے دہند و بقولہ تعالیٰ **اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوا فِیْھَا الآیہ** خلاف ورزیدہ درآں جا اقامت مے دارند وعرسِ بزرگان خود را بر خود مثل فرض دانستہ سال بسال بر مقبرہِ اجتماع کردہ طعام و شیرینی درآں جا تقسیم نمودہ مقابر را وثنا یُعْبَدُ مے کنند افتاء بحُرمتِ بقرہ مذکورہ بسیار تعجب دنے فہمند کہ

مفسرین میں سے حضرت عالم عارف محدث اصولی مفسر حاجی الحرمین الشریفین، (اللہ تعالیٰ اُن کا شرف زیادہ کرے) مکہ اور مدینہ میں درس دینے والے یعنی مولانا مُلّا جیون صاحب تفسیرِ احمدی میں فرماتے ہیں کہ بقرہ منذورہ جیسا کہ ہمارے زمانے کی رسم ہے حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ نذر اولیاء کے لیے ہے۔ مولانا محمد مبین صاحب اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ شیخ سدو وغیرہ کی نذر کرنا حرام ہے لیکن جو بکرے وغیرہ شیخ سدو کے نام کے ساتھ مشہور کیے جاتے ہیں اور ذبح کے وقت بھی شیخ سدو کا نام لیا جائے تو گوشت مُردار ہو جائے گا اور اُس کا کھانا ناجائز ہوگا۔ ارشادِ الٰہی ہے جس چیز پر خُدا کا نام نہیں لیا گیا وہ مت کھاؤ اور یہ سخت گُناہ ہے۔

حربی را با فتائے مسلمین چہ کار بلکہ بسبب فتویٰ مذکورہ مصداق فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا ے شوند لأن الذبيحة لتعظيم غير اللّٰه واكرامه حرام" والذابح مرتدٌ' وامرأته' بائنة" وقد اجمع الفقهاء فى الفرق بين الذبيحة لتعظيم غير اللّٰه واكرامه وهو مما اهل به لغير اللّٰه وبين الذبيحة للّٰه تعالىٰ سبحانه انه ان قدم مالياً كل منها كان الذبح للّٰه والمنفعة للضّيف وغيره لهذا حلّ ذبيحة القصاب والوليمة و غيرهما كما فى البزازيّة وان لم يقدم مالياً كل بل ليد فعها لغيره كانت الذبيحة لتعظيم غير اللّٰه فتحرم ولذا حرّمت الذبائح للعظام كما فى الدر المختار والبزازيّه وقتے کہ فتویٰ داد کہ ذبیحۂ مذکورہ حرام است پس تحریم حلال مصداق ضالین گردیدہ و بموجب فتویٰ از ذبیحہ مذکورہ نہ تاذ رخورد

اور اگر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا۔ لیکن دل میں ارادہ فاسد تھا تو ظاہراً اُس جانور کا گوشت حلال ہے لیکن متقی اور پرہیز گار آدمی کو چاہیے کہ ایسا گوشت نہ کھائے تا کہ جاہل لوگ اُسے دیکھ کر یہ گمان نہ کریں کہ ایسی نذر شرعاً حلال ہے اور گمراہی میں پڑ جائیں۔ اھ ک۔

لیکن جن لوگوں کا قول و عمل ایک دوسرے کے مخالف ہے مثلاً فرقہ شیعہ کو کافر مطلق بالاجماع کہتے ہیں اور پھر ارشادِ الٰہی مُشرکین کو نکاح کر کے نہ دو جب تک ایمان نہ لائیں، کو پس

ونہ غیر آں پس ذابح مرتد شدہ مفتی حرمت داخل مصلّین گردید ونیت را در صحت وفساد اعمال عباد سوی[1] **العبادات الخالصة وسوی الاسلام مثلاً** در حل وحرمت اشیاء دخلی نیست علی الخصوص در چیزے کہ مامور بہ دراں فقط ذکر[2] لسانی باشد **کما فیما**

پشت ڈال کر اپنی لڑکیاں شیعہ اشخاص کو نکاح کر دیتے ہیں۔ ایک طرف ہندوستان کو دار الحرب قرار دیتے ہیں اور پھر فرمانِ الٰہی کیا خُدا کی زمین فراخ نہ تھی پس اس میں ہجرت کر کے چلے جاتے۔ کا خلاف کرتے ہوئے وہیں اقامت پذیر رہتے ہیں جو لوگ بزرگوں کے عرسوں کو اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں اور سال بسال مقابر پر اجتماع قائم کر کے طعام اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور مقابر کو معبودیت بناتے ہیں اور ساتھ ہی بقرہ منذورہ کی حرمت کا فتویٰ بھی دیتے ہیں **یاللعجب** انہیں یہ سمجھ

☆☆☆

1. ذبح بقصد ونیت تعظیم غیر اللہ داخلِ عبادت است بنا برآں فقہاء حکم بحرمتِ مذبوح درصُورتِ ذبح للقادم فرمُودہ اند۔ ۱۲۔ از مؤلف

2. مامور بہ در ذبح فقط ذکرِ لسانی نیست بلکہ اُور اشرائطِ دیگر ہم ہستند کہ بانتفاء یکے ازاں ہا حِلّیت مرتفع شود چنانچہ در ذبح للقدُوم شرط خالصاً لِلّٰہ منتفی است۔ ۱۲۔ مؤلف

1. تعظیم لغیر اللہ کی قصد سے جانور ذبح کرنا یقیناً عبادت میں داخل ہے۔ اسی وجہ سے فقہائے نے قدومِ سلطان پر جانور ذبح کرنے کو حرام کہا ہے۔ ۱۲۔ منہ

2. ذبح میں فقط ذکرِ لسانی ہی شرط نہیں بلکہ اور شرائط کا وجود بھی ضروری ہے اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو حلت جاتی رہے گی جیسا کہ ذبح للقدُوم میں خالصاً لِلّٰہ کی شرط موجود نہیں۔ ۱۲۔ منہ

نحن فیه وقد مرّ چہ نکاح[1] نہیں آتی کہ حربی کا مسلمانوں کے فتوےٰ سے کیا

☆☆☆☆☆☆

[1] هذا مبنی علی القاعدة المقررة عندهم ان النية انما تعمل فی الملفوظ کما فی الاشباه وفی الحموی ای لا فی غیره وذالک لان النية يقصد به التمييز وانما يتاتیٰ فی لفظ محتمل کعام يحتمل التخصيص او مجمل يحتاج الی البيان او مشترک يعين افراده امّا اذا لم يکن اللّفظ محتملا يبقی مجرد النية لا تاثير لها فی احکام الدنيا ولهذا لا يقع الطلاق والعتاق بمجرد النية الخ وايضاً قال صاحب الاشباه فی الحاشية علیٰ قوله وانما اشترط فی العبادات بالاجماع (واعلم ان الاقوال تحتاج الی النية فی ثلثة مواطن احدّها التقرب الی اللّه تعالیٰ فراراًمن الريا الثانیؔ التمييز بين الالفاظ المحتملة لغير المقصود. والثالث قصد الانشاء الخ محل الاستشهاد قوله لا تاثير لها فی احکام الدنيا و قوله احدها التقرب الی اللّٰه تعالی وتخصيص الاقوال مبنیّ علی ان المقصود بيان احوال الاقوال لا علی ان النية لا اثر لها اثر التقليب فی الاعمال حتیٰ لا تکون مداراً للحل والحرمة. ١٢۔ ازمؤلف

[1] اس مسئلہ کی بناء اس قاعدہ پر ہے کہ نیت کا اثر فقط ملفوظ میں ہوتا ہے **کما فی الاشباہ والحموی** کیونکہ نیت سے مقصود امتیاز حاصل کرنا ہوتا ہے اور امتیاز کی ضرورت الفاظ محتملہ میں پڑتی ہے جیسا کہ عام تخصیص کا احتمال رکھتا ہے اور مجمل بیان کا یا مشترک تعیین کا لیکن اگر لفظ مختلف معانی کا محتمل نہیں تو پھر مجرّد نیت کا اثر احکامِ دُنیاوی میں نہ ہوگا جیسا کہ طلاق اور عتاق مجرّد نیت سے قطعاً واقع نہیں ہو سکتے الخ صاحب اشباہ نے حاشیہ پر **انما اشترط فی العبادات** کے قول پر لکھا ہے کہ اقوال میں تین موقعوں پر نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول تقرّب اِلی اللہ کے لئے تا کہ ریاء کا احتمال نہ رہے۔ دوم الفاظ محتملہ میں تمیز کے لئے سوم اگر انشاء کا ارادہ ہو اس عبارت میں استشہاد کا محل **لا تاثیر لها فی احکام الدنیا** اور **احدها التقرب الی اللّٰه** ہیں۔ باقی اقوال کی تخصیص محض اس بناء پر ہے کہ مقصود اقوال کا بیان ہے یہ مطلب نہیں کہ نیت کا اثر اعمال میں بالکلیہ نہیں تا کہ نیت حِلّت اور حُرمت کی مدار نہ ہو سکے۔ فافہم ١٢

بغیر نیت یا بہ نیت سفاح حرام نہ مے شودو
زنا بانیتِ ولدِ صالح وفراغ عبادت حلال
نہ مے شودو شراب مثلاً برائے قوتِ
نماز وغذا حلال نیست والحدیث **محمول
علے حذف المضاف مثلا ای
ثواب الاعمال علی
التخصیص کما تقرّر فی
الاصول والفروع فلترجع
الیھا ان شئت ولا شک ان
المفتی بحرمۃ الذبیحۃ
المذکورۃ لا یدخلھا الّا فیما
قصد بذبحہ التقرب الی غیر
اللّٰہ وقد عرفت انھا لیست
داخلۃً فیہ او فی قولہ تعالیٰ
وما اھل بہ لغیر اللّٰہ لا غیر
فلا بدّ علینا من تحقیق
معناہ فی اللغۃ والتفاسیر
رفع الصوت عند الذبح
باسم غیر اللّٰہ سواء کان
الغیر صنما او نبیاً اور غیر
ھما عند ابی حنیفۃؒ
والشافعیؒ ومالک وفی**

کام ہے بلکہ ایسے فتویٰ دینے سے **فضلوا
واضلوا کثیرا** کا مصداق بنتے ہیں کیونکہ
غیر خُدا کی تعظیم اور اکرام کے لئے جانور ذبح
کرنے سے ذبیحہ حرام ہو جاتی ہے اور ذابح مرتد
ہو جاتا ہے اُس کی عورت بائن ہو جاتی ہے۔
فقہاء کرام نے تقرب **الَی الغیر** اور تقرّب
الَی اللّٰہ میں فرق کیا ہے یعنی جو جانور غیرِ
خُدا کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے اور کھانا
مقصود نہ ہو بلکہ غیر کی طرف دفع کر دیا جائے۔
یہ تقرب **الَی الغیر** ہے لہذا جانور مذکور حرام
ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اُمراء وسلاطین کی آمد
پر محض اکرام واحترام کے لیے جانور ذبح کرنے
فقہاء نے حرام قرار دیئے ہیں۔ کذا فی دُرّ مختار
والبزازیۃ۔ اور اگر کھانے کے لئے ذبح کرے
اور ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرے تو یہ
ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور منفعت غیر کے
لئے خواہ وہ مہمان ہو یا قصاب یا صاحبِ ولیمہ کما
فی البزازیۃ۔ جب اُنہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ
ذبیحہ مذکورہ حرام ہے لہذا حلال کو حرام کہنے سے
ضالین کا مصداق بنے اور فتوے کی رُو سے
ذبیحہ مذکور سے نہ خود ناذر نے کھایا، نہ اس کے سوا
کسی اور نے۔ لہذا

الصّراح واهل بالتسمية على الذبيحة قوله تعالىٰ وما اهل به لغير الله اى نودى عليه بغير اسم الله واصله رفع الصّوت انتهىٰ بلفظه۔ وفى البيضاوى وما اهل به لغير الله اى رفع به الصوت عند ذبح للصنم انتهىٰ ومثله فى المدارك والجلالين والحسينى وغيرها من التفاسير المتداولة وفى حاشية البيضاوى لمولانا عبدالحكيم قوله اى رفع به الصوت عند ذبحه الضميران لما وزاد على الكشاف عند ذبحه بيانا للتلبسّ اوالسّببية المستفاده من الباء فهى بدل من به او عطف بيان و للصّنم ان يذكر اسمه عندالذبح على ما فى الكواشىّ و تاج البيهقى و غيرهما ومعنى وما اهل به لغير

ذابح مرتد ہوا اور مفتی حرمت میں داخلِ مضِلین ہوا (**نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا**) باقی نیت کو بندوں کے اعمال کی صحت اور فساد میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔ ہاں عباداتِ خالصہ اور اسلام میں نیت کا اعتبار ہے۔ اسی طرح اشیاء کی حلت اور حرمت میں بھی نیت کا کوئی تعلق نہیں خصوصاً اس چیز میں جس میں فقط ذکرِ لسانی کا حکم ہو۔ جیسا کہ **ما نحن فيه** میں کیونکہ نکاح کے الفاظ بغیر نیت کے زبان پر جاری کیے جائیں یا زنا کے ارادہ سے نکاح حرام نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح ولدِ صالح کے ارادہ سے یا فراغتِ قلب کے خیال سے زنا حلال نہیں ہوسکتا یا شراب قوت علی الصلوٰۃ کی نیت سے یا غذا کی غرض سے پینا حلال نہیں ہے **الاعمال بالنيات** کی حدیث حذفِ مضاف اور تخصیص پر محمول ہے یعنی **ثواب الاعمال بالنيات** جیسا کہ کتب اصول اور فروع میں ثابت ہو چکا ہے۔ یقیناً مفتی حرمت نے ذبیحہ مذکورہ کو ان جانوروں میں داخل کیا ہے جن کی ذبح سے تقرب اِلٰی غیر اللہ مقصود ہو۔ اور یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ ذبیحہ مذکورہ ان میں یا **ما اهل به لغير الله** میں ہرگز

اللّٰہ نودی علیه بغیر اسم اللّٰہ انتھیٰ۔ ترجمہ اش این است کہ ضمیر **بہ** وضمیر **ذبحہ** کہ در عبارتِ بیضاوی است راجع است بسُوئے ما کہ عبارت از ذبیحہ است وزیادہ کردہ صاحبِ بیضاوی برعبارتِ کشاف لفظ **عند ذبحہ** رابرائے بیان ملابست یاسببیّت کہ مستفاد انداز بائے بہ پس لفظ **عند ذبحہ** بدل از بہ است یا عطف بیان۔ والجار والمجر ورفی قولہ **للصنم** متعلق است **برُفع و علی هذا معنی رفع الصوت للصنم** این کہ ذکر کردہ شود اسم صنم بوقتِ ذبح و این معنے موافق تفسیر الکواشی وکتاب اللغۃ تاجِ بیہقی ست وغیرِ آں ہر دو معنی **وما اهل به لغیر اللّٰہ** آواز کردہ شود بغیر اسم اللہ در وقتِ ذبح انتہیٰ۔ترجمہ۔

داخل نہیں۔اب آیت **وما اهل به لغیر اللّٰہ** کی تحقیق ضروری چیز معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشے۔واضح ہو کہ **وما اهل به لغیر اللّٰہ** کا معنے لغت اور تفاسیر میں رفع الصوت عند الذبح باسمِ غیر اللہ ہے خواہ وہ غیر بُت ہو یا نبی ہو یا کوئی اور یہ معنے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی و مالک رضی اللہ عنہم کے نزدیک متفق علیہ ہے۔صراح میں ہے۔**اهل بالتسمیة علی الذبیحة** یعنی ذبیحہ پر بسم اللہ کے ساتھ آواز بلند کی گئی۔قولہ تعالیٰ **وما اهل به لغیر اللّٰہ**۔جس پر اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا آواز بلند کی جائے۔دراصل اس کا معنے مطلق آواز بلند کرنا ہے۔اھ ک۔تفسیر بیضاوی میں ہے **ما اهل به لغیر اللّٰہ**۔ یعنی جس پر ذبح کے وقت بُت کا نام پُکارا جائے۔اھ ک اِسی طرح مدارک جلالین، تفسیر حسینی وغیرہم تفاسیر متداولہ میں موجود ہے۔ بیضاوی کے حاشیہ پر مولانا عبدالحکیم صاحب لکھتے ہیں کہ **بہ** اور **ذبحہ** کی دونوں ضمیریں لفظ **ما** کی طرف راجع ہوں گی جس سے ذبیحہ مُراد ہے۔علامہ بیضاوی نے کشاف کی عبارت پر **عند ذبحہ** کا لفظ زیادہ کیا ہے۔جس کا مقصد ملابست یا سببیت

بیان کرنا ہے جو بہٖ کی بآ سے حاصل ہو رہی ہے لہٰذا عند ذبحہ کالفظ بہ سے بدل یا عطف بیان واقع ہوگا۔ اور للصنم کے جار و مجرور رفع کے متعلق ہوں گے اس بناء پر معنے ہوگا رفع الصوت للصنم یعنی ذبح کے وقت بُت کا نام ذکر کرنا۔ یہ معنے تفسیر الکواشی اور تاج بیہقی کی کتاب اللغۃ کے بالکل موافق ہے[1]۔

پس معنی آیہ کریمہ چنیں خواہد شد کہ حرام است ذبح کہ آواز بلند کردہ شود بنامِ غیر اللہ در وقتِ ذبح آں واذا علمت معنی الأیۃ علی ما قالہ البیضاوی و محشیّہ مطابقا للتفاسیر واللغۃ عرفت ان ما کتبہ مولانا الحافظ المحدث عبدالعزیز الدھلوی فی تفسیرہ عند قولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللہ وحاصل ما فیہ حرام است جانورے کہ مشہور و منسوب کردہ شود برائے غیر خُدا تفسیر من عند نفسہ و

اب آیت کا معنے یہ ہوگا کہ وہ ذبیحہ حرام ہے جس پر ذبح کے وقت غیرِ خُدا کا نام بلند کیا جائے۔ مندرجہ بالا تحقیق پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر میں جو لکھا ہے کہ وہ جانور حرام ہے جسے غیر خدا کے ساتھ منسوب اور مشہور کیا جائے۔

یہ تفسیر بالرائے ہے اور تفسیر متداولہ اور کتب لُغت کے صراحۃً مخالف ہے اور کاغذ سیاہ کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ دراصل مولانا کی غلطی کا منشاء لغیر اللہ میں لام کو تعلیل یا تملیک یا اختصاص کے لیے فرض کر لینا ہے اور یہ سہو ہے۔ بلکہ یہ اُھلّ کا مفعول ہے کما مرّ انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اگر لام کو

[1] ناظرین پر واضح ہو کہ جن عبارتوں کا اردو ترجمہ قبل ازیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے دلائل کے ضمن میں گزر چکا ہے اُسے دوبارہ نہیں لکھا گیا۔ ۱۲۔

مخالف للتفاسير واللغة و تسويد للاوراق لا غير و منشأ غلطه عمل اللام فی قوله تعالیٰ لغیر اللّٰه علی التعلیل اوالتمليك والاختصاص وهو سهو ظاهر بل هی مفعول لا هل كما مرّو لم يد رانه اذا كان اللّام للتمليك او الاختصاص يلزم ان لا يكون حراماً ما ذبح بشراكة اسم غير اللّٰه مع انه حرام كما فی الهداية وغيره و فی تبصير الرحمٰن وما اهل به لغير اللّٰه فانه ان ذكر معه اسم اللّٰه فقد عارض المطهر فيه المنجس مع نجاسته بالموت وان لم يذكر فقد زيد فی تنجسه انتهیٰ وفی تفسير الدّر المنثور للسيوطی قوله تعالیٰ وما اهل به لغير اللّٰه اخرج ابن المنذر عن ابن عباسؓ فی

اختصاص یا تملیک کے لیے بنایا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ جانور جس پر اللہ تعالیٰ کا نام غیر کے ساتھ شریک کر کے لیا جائے حرام نہ ہو حالاں کہ وہ حرام ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ تبصیر الرحمٰن میں ہے کہ اگر ذابح نے غیر کے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام بھی لے لیا تو پاک اور نجس دونوں چیزیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں۔ اور ایک نجاست موت کی وجہ سے بھی اس جانور میں حاصل ہے اور اگر فقط غیرِ خدا کا نام لیا تو موت کی نجاست پر اور نجاست زیادہ ہوگئی۔ اھ ک۔

قولہ تعالیٰ وما اھل قال ذبح واخرج ابن جریر عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ یعنے ما اھل للطّواغیت واخرج ابن ابی حاتم عن مجاھد وما اھلّ قال ماذبح لغیر اللّٰہ واخرج ابن ابی حاتم عن ابی العالیۃ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ یقول ما ذکر علیہ اسم غیر اللّٰہ انتھیٰ۔

فما قال ذالک المحدث فی تفسیرہ واھل رابرذبح حمل کردن خلافِ لُغت وعرف است ہرگز اہلال در لُغتِ عرب وعُرفِ آں دیاروآں وقت بمعنے ذبح نیامدہ درہیچ شعر وعبارت انتھیٰ بالفاظہ مخالف لتلک الاحادیث ومبنی علی السھو عنھا وقد عرفت من حاشیۃ البیضاویؔ ان معنے ما ذبح وما اھل للطواغیت وما ذبح لغیر اللّٰہ کما واقع فی تلک

تفسیر دُرِّ منثور میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ابنِ منذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے **وَمَا اُھِلَّ** کا معنے ذبح نقل کیا ہے اسی طرح ابنِ جریر نے ابن عباس سے **ما اھلّ بہ** کی تفسیر میں **ما اھل للطواغیت** ذکر کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے **ما اھل ای ما ذبحّ لغیر اللّٰہ** کہا ہے۔ ابنِ ابی حاتم نے ابی العالیۃ سے **ماؔ اھل ای ما ذکر علیہ اسم غیر اللّٰہ** روایت کیا ہے۔ اھ ک

لہٰذا مولانا محدث دہلوی صاحب کا اپنی تفسیر میں یہ لکھنا کہ ''اھلّ کو ذبح کے معنے پر حمل کرنا دیارِ عرب کی لُغت اور عُرف کے بالکل خلاف ہے اور عرب کے کسی شعر یا عبارت میں اہلال بمعنے ذبح استعمال نہیں ہوا''۔ مندرجہ بالا احادیث کے مخالف ہوگا۔ بیضاوی کے حاشیہ سے بالکل واضح ہو چکا ہے کہ **ما ذبح** اور **ما اھل للطواغیت** اور **ما ذبح لغیر اللّٰہ** کا معنے جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث میں واقع ہے۔ ''**ما ذکر علیہ اسم غیر اللّٰہ**'' ہوگا۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے نقل کیا

الاحادیث ھو ما ذکر علیہ اسم غیر اللّٰہ کما اخرجہ ابن ابی حاتم و عرفت ان النیة لا تعرض لھا فی الأیة والتفاسیر ولما ادار ذلک المحدث الحل والحرمة علی النیّة فی جواب ھذہ الاستفتاء اوردت عبارتہ معلماً بخطٍ مبیّناً من اغالیطہ ٗ لیَستقرّ الحق علی عرش التحقیق فا قول و باللّٰہ التوفیق و منہ التوقیف۔

ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آیت اور تفاسیر میں نیت کا کہیں بھی ذکر نہیں لیکن مولانا محدّث نے چوں کہ حِلّت اور حُرمت کی مدار نیت پر رکھی ہے۔لہذا میں اُن کی عبارت خط کشیدہ صورت میں نقل کر کے ناظرین کو اغالیط سے مطلع کرتا ہوں کہ حق عرشِ تحقیق پر پہنچ جائے۔**فاقول و باللّٰہ التوفیق و منہ التوقیف۔**

قولہ: مدارِ حل وحُرمتِ ذبیحہ بر قصد ونیت ذابح است اگر نیتِ تقرب اِلَی اللّٰہ برائے اکلِ خود یا برائے تجارت و دیگر امُورِ مباح ذبح مے کند حلال است والاحرام۔

قولہ: ذبیحہ کی حلت وحرمت کی مدار ذابح کی قصد ونیت پر موقوف ہے۔اگر تقرب اِلَی اللّٰہ کے ارادہ سے یا کھانے کے لئے یا تجارت اور دیگر امور مباح کے لیے ذبح کرے تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔اھ ک۔

جوابٌ: بخلاف الکتاب کما عرفت لان الذبیحة المذکورة للتقرب الی اللّٰہ بالمعنی الذی اتفق علیھا الفقھاء ولان الذبیحة المذکورة والذبیحة للتجارة

جواب: یہ قرآن کے برخلاف ہے جیسا کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں۔کیونکہ ذبیحہ مذکورہ تقرب اِلَی اللّٰہ کے لیے ہے۔اس معنے کے لحاظ سے جس پر فقہاء کا اتفاق ہو چکا ہے۔علاوہ ازیں ذبیحہ مذکورہ اور تجارت وغیرہ کے لئے جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں یہ سب

ولامور المباحة كلها اهل به لغير الله بالمعنى الذى فسره ذالک المجيب به وحكم الحلّ باحدها حكم الحلّ بالكل وما تمسک ذالک المجيب حيث قال قال فى التفسير النيسا بورى تحت قوله تعالىٰ وما اهل به لغير اللّٰه قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبيحةً وقصد بذبحها التقرب الىٰ غير اللّٰه صار مرتدًا او ذبيحته ذبيحة مرتدٍ انتهىٰ۔

مفتر صاحب (شاہ عبدالعزیز صاحب) کی تفسیر کے مطابق **أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰه** ہیں یعنی سب پر غیر خُدا کا نام بلند کیا جاتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ مہمان کے لئے ذبح کر رہے ہیں۔ فلاں مولوی صاحب کی دعوت ہے۔ پھر ایک پر حلت کا حکم کرنے سے سب پر حلت کا حکم ہو جائے گا۔ خاتم المحدثین نے تفسیر نیشاپوری کا جو حوالہ ذکر کیا ہے۔ قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبيحةً و قصد بذبحها التقرب الىٰ غير اللّٰه صار مرتدًا و ذبيحته ذبيحة مرتدٍ۔ اھ ک

فليس ممّا نحن فيه لان المذكور فى هذا التفسير حرمة ما قصد بزبحه التقرب الىٰ غير اللّٰه وهذه الذبيحة ليست كذالک كما مر مرارًا او كذالک ايراده عبارة الدر المختار شرح تنوير الابصار ذبح لقدوم الامير و نحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به

ما نحن فيه سے خارج ہے۔ کیوں کہ تفسیر میں اس جانور کی حُرمت بیان کی گئی ہے جو تقرب الی الغیر کی نیت سے ذبح کیا جائے اور ذبیحہ مذکورہ (جو جانور ایصالِ ثواب کے ارادہ سے ذبح کیا جاتا ہے) اس قسم سے نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

لغیراللّٰہ وذکر اسم اللّٰہ تعالیٰ علیہ ولو ذبح للضیف لا یحرم لا نہ سنۃ الخلیل علیہ السّلام واکرام الضیف اکرام اللّٰہ تعالیٰ والفارق انہ ان قصد منھا لیأ کل منھا کان الذبح للّٰہ والمنفعۃ للضیف او للولیمۃ او للرّبح وان لم یقدّمھا لیا کل بل ید فعھا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللّٰہ فتحرم وھل یکفر قولان (بزازیہ و شرح وھبانیۃ) قلت و فی صید المنیۃ انہ یکرہ ولا یکفر لانا لا نسئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الأدمی بھذا النحرو نحوہ فی شرح الوھبانیۃ عن الذخیرۃ ونظمہ فقال (و فاعلہ جمھور
ھم قال کافر
وفضلی و اسمعیل لیس یکفر) انتھی کان کلامہ فی التقرب الیٰ غیر اللّٰہ کما ینادی علیہ

اسی طرح درمختار کی عبارت ذبح لقدوم الامیر و نحوہ کو احد من العظماء الیٰ آخرہ۔

عبارت الذخیرہ

وفضلی و اسمعیل لیس یکفر تک کے ساتھ استدلال کرنا بھی خارج از بحث

قولـه والفـارق الخ وقولـه لاانالانسئی الظن بالمسلم انه یتقرب الی الادمی بهذا النحو والا قدوم امیر از امور مباحه است پس چگونه ذبیحه برائے او حرام بے شد۔ عند ذلک المجیب ایضا ولعلک علمت من عبارة الدر المختار ان کون الذبیحة للضیف والولیمة والاعراس والربح کذبیحة القصاب حلالاً انما هو انها ذبیحة لله لا انها ذبیحة للامور المباحة کما فهمه ذلک المجیب فانظر الیٰ اغالیطه وعلمت ایضاً من عبارته ان المفتی بحرمة الذبیحة المذکورة قد دخل فی الضالین المضلّین واز قبیل خارج عن المبحث است۔ ما قال ذلک المجیب من انه وهکذا فی مطالب المؤمنین والاشباه والنظائر وفی الحدیث لعن الله من ذبح لغیر الله رواه احمد و ایضاً

ہے کیوں کہ یہ سب کلام تقرب اِلی الغیر میں ہے جیسا کہ والفارق الخ اور قوله انا لانسیء الظن بالمسلم انه یتقرب الی الآدمی بهذالنحو سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے۔ ورنہ قدومِ امیر وغیرہ امورِ مباحہ میں سے ہے۔ لہٰذا مفسر صاحب کے نزدیک قدومِ امیر کی ذبیحہ کس طرح حرام ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں دُرِّ مختار کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان، ولیمہ اور عرس کے لئے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے وہ قصاب کی ذبح کی طرح حلال ہے۔ کیونکہ اُن سب میں ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور نفع غیر کے لئے ایسا نہیں جیسا کہ مفسر صاحب نے سمجھا ہے کہ یہ سب ذبائح امورِ مباح کے لئے ہونے کی وجہ سے حلال ہیں۔ (فانظر الی اغالیط) اس کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ذبیحہ مذکورہ کو حرام کہنے والا مفتی ضالین مضلّین میں داخل ہے۔ اسی طرح اشباہ و نظائر اور مطالب المؤمنین وغیرہ کے حوالے اور حدیث لعن الله من ذبح لغیر الله الخ تا

ملعون من ذبح لغیر اللّٰہ رواہ ابو داؤد و فی غرائب ابی عبید و بستان الفقیہ و کنز العباد انہ لا یجوز ذبح البقرہ والغنم عند القبور لقولہ علیہ السّلام لا عقر فی الاسلام یعنی عند القبور ھکذا فی سنن ابی داؤد و کذا لا یجوز علی البناء الجدید وعند شراء الدار لان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نہیٰ عن ذبائح الجن بناء علی انھم یکرمون فابطل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نہیٰ عنہ لا نہ لا کلام فی ذبائح لغیر اللّٰہ تعالیٰ وقد مر معناہ وسیاتی فی کلام المجیب و عند القبور والبناء وعند الشراء وللجنّ علیٰ ان الذبائح للبناء وعند الشراء وللجنّ مکروہ لا انھا حرام کما فی کنز العباد وغیرہ وایرادہ ھذہ الاحادیث فی افتاء

نھی عن الذبائح الجن تک تمام قصہ خارج از بحث ہے کیونکہ ہماری کلام ذبائح لغیر اللہ میں نہیں کما مر مرارًا۔ باقی قبروں کے نزدیک ذبح کرنا یا بناء الدار یا شراء الدار کے وقت یا جنوں کے لئے ذبح کرنا مکروہ ہے۔ حرام نہیں۔ کمافی کنز العباد وغیرہ۔

حرمة الذبيحة المذكورة يدل علی غفلته من اقوال الفقهاء وعلمها شرط للافتاء كما تقرر وايضاً انما نهى النبی صلی اللّٰه عليه وسلم للاكرام والمسلمون لا يكرمون احدا وان ما ينذرون له ويذبحون فانهم يهبون ثواب الطعام للاولياء و غير هم كما لاموأتهم ويزيد التعجب للعقلاء تمسک المجيب فی حرمة الذبيحة المذكورة بقوله وهٰكذا فی كتب الشافعيةؒ كما قال النووی فی شرح مسلم فی تفسير ما اخرجه من قوله صلی اللّٰه عليه وسلم لعن اللّٰه من لعن والده ولعن اللّٰه من ذبح لغير اللّٰه واما الذبح لغير اللّٰه فالمراد به ان يذبح باسم غير اللّٰه كما ذبح للصنم او للصّليب او لموسیٰ وعيسیٰ عليهما السّلام اوالكعبة ونحو ذالک فكل هذا حرام" ولا تحل هذه

مندرجہ بالا احادیث سے ذبیحہ مذکورہ کی حرمت پر استدلال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ فقہاء کے اقوال سے بالکل غافل ہیں اور فتوے کے لئے اُن پر مطلع ہونا شرط ہے **كما تقرر فی مقرره** ایضاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کے اکرام سے منع فرمایا ہے اور مسلمان غیرِ خُدا کے اکرام کے لئے ہرگز ذبح نہیں کرتے بلکہ اس طعام کا ثواب اولیاء کی اَرواح کو بخشتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنے مُردوں کے لئے خیرات وغیرہ کرتے ہیں۔ سمجھ دار آدمی کے لئے زیادہ تعجب اس دلیل پر ہے جو خاتم المحدثین نے **هٰكذا فی كتب الشافعيةؒ كما قال النووی فی شرح المسلم فی تفسير ما اخرجه من قوله صلی اللّٰه عليه وسلم لعن اللّٰه من لعن والده ولعن من ذبح لغير اللّٰه**۔۔۔۔۔

الذبیحة سواء کان الذابح مسلما او نصرانیًا او یهودیاً کما نص علیه الشافعیؒ واتفق علیه اصحابنا فان قصد مع ذالک تعظیم المذبوح لغیر اللّٰه والعبادة له کان ذالک کفرا فان کان الذابح مسلماً قبل ذالک صار بالذبح مرتدًا وذکر الشیخ ابراهیم المروزی من اصحابنا ان ما یذبح عند استقبال السلطان تقرباً الیه انه افتی اهل بخاری بتحریمه لا نه مما اهل به لغیر اللّٰه قال الرافعی هذا انما یذبحونه استبشار القدوم فهو کذبح العقیقة لولا دة المولود و مثل هذا لا یجزی التحریم واللّٰه اعلم لان المذکور فی کتب الشافعیة حرمة الذبیحة باسم غیر اللّٰه وحرمتها متفق عندابی حنیفةؒ والشافعیؒ والمالک والمرتد بذبحه هو المتقرب الیٰ غیر اللّٰه کمالا یخفیٰ۔

الیٰ قول الرافعیؒ و مثل هذا لا یجزی التحریم۔ اھ کی عبارت میں پیش کی ہے۔ کیونکہ شوافع کی کتابوں میں اُن جانوروں کی حُرمت بیان کی گئی ہے جو غیرِ خُدا کے نام کے ساتھ ذبح کیے جاتے ہیں اور ایسے جانوروں کی حرمت پر امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ سب متفق ہیں۔ (لہذا شوافع کی خصوصیت کے ساتھ علیحدگی بیان کرنا اور پھر رافعیؒ کے قول کو نقل کرنا جو صراحۃً مستدل کے خلاف ہے یاللعجب)

قوله فانقيل قوله تعالىٰ وما لكم ان لا تاكلوا مما ذكر اسم اللّٰه عليه وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا ما اضطررتم اليه وكذا قوله فكلوا مما ذكر اسم اللّٰه عليه ان كنتم باٰياته مؤمنين عام" يتناول ما قصد به التقرب الیٰ غير اللّٰه وغيره فيكون الكل حلالًا قلنا هذه الآيات عامة مخصصة بالنص الأخر وهو قوله تعالیٰ فی سورة المائدة حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل لغير اللّٰه به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما اكل السبع الاما ذكيتم وما ذبح علی النصب فلو ان رجلا خنق شاة وذكر اسم اللّٰه عليها لا تحل له لانه ذكر اسم اللّٰه عليها وكذا اذا ذبح شاة علی نصب من الانصاب اوعلیٰ قبر من

قولہ فان قیل قولہ تعالیٰ وما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ سے لے کر

القبور وقصد به التقرب الیٰ
صاحب القبر او صاحب
النصب وذکر اسم اللّٰہ علیها
لا تحل بهٰذا النّص الصریح
ومدار کل ذٰلک علی قصد
التقرب الیٰ غیر اللّٰہ و تغییر
الطریق المشهور فی الذبح
من استعمال الاٰلة المحدّدة
ونحو ذٰلک فعلمنا انها ای
قوله وقد فصّل لکم حواله
علی ما ذکر فی الاٰیات
الاُخری کاٰیة المائدة وغیرها
وکان سبب نزول هٰذه الاٰیة
شبهة المشرکین حیث کا نوا
یقولون للمسلمین بطریق
الالزام انتم لا تأکلون المیتة
وقد قتلها اللّٰہ وتأکلون ما
تقتلون بایدیکم وقد رجحتم
مقتولکم علی مقتول اللّٰہ
فاجاب اللّٰہ تعالیٰ عن ذٰلک
بان المیتة لم یذکر معها اسم
اللّٰہ فلذالک حرمت وکذا

الموقوذة والمنخنقة والمتردية
لم تقتل على الوجه الماذون
فيه من اللّٰه فحرّمت وما
قتلناه بايدينا انما صار حلالا
لان قتلها وقع باذن اللّٰه
وبالوجه المشروع بحيث
خرج منه الدم المسفوح ومع
ذكر اسم اللّٰه فتحليل هٰذا و
تحريم ذٰلک عين التعظيم
لامر اللّٰه واما حديث القتل
مغالطة وهمية لان الكل
مقتول اللّٰه سواء كان بايدينا
او بايدى غيرنا او ماتت حتف
انفها اذ لاموت عند نا الا باذن
اللّٰه قال تعالىٰ اللّٰه يتوفى
الانفس حين موتها ولذالك
اجمع اهل السنة والجماعة
على ان المقتول ميّت لا جله
هذا واللّٰه اعلم۔ تطويل بلا
طائل لا نا لا نقول بتعميم
الآية بل مخصصة وبعد
التخصص الذبيحة

ولذالک اجمع اهل السنة
والجماعة على ان المقتول
ميت" لاجله تک تطویل بلا طائل
ہے۔ کیونکہ ہم آیت ما اهل به کو عام نہیں
کہتے بلکہ مخصصہ کہتے ہیں اور تخصیص کے بعد
ذبیحہ

المذكورة داخلة فی الأیة لانها	مذکورہ آیت میں داخل ہے۔ کیونکہ وہ میتہ ہے
لیست میتة ولادماً ولالحم	نہ خون ہے نہ سوّر کا گوشت وغیرہ الخ
الخنزیر ولا ما اهل لغیر اللّٰه	
بہ ولا منخنقة ولا موقوذة ولا	
متردیة ولا نطیحة ولا ما اکل	
السبع الا ما ذبح علی	کما هو ظاهر۔ ہاں اس فتویٰ کے بعد
النصب ولا ما قصد به	ذبیحہ مذکورہ ما اهل به لغیر اللّٰه اور
التقرب الیٰ غیر اللّٰه وهوظ	ما قصد به التقرب الی الغیر
نعم بعد الافتاء بحرمتها	میں داخل ہو جائے گی اور اپنی جگہ پر یہ اصول
تدخل فیما قصد به التقرب	کہ بیان کے موقعہ پر خاموش ہو جانا بیان کے
الیٰ غیر اللّٰه وما اهل لغیر	مترادف ہوتا ہے یعنی السکوت فی
اللّٰه به وقد تقرران السکوت	معرض البیان بیان" حصر کا فائدہ
فی معرض البیان یفید	دے گا۔ لہٰذا محرّمات وُہی ہوں گے جن کا
الحصر فظهران المحرّمات	قرآن کریم، سُنتِ نبوی اور اقوالِ مجتہدین
منحصرة فی المذکورات فی	میں ذکر ہے۔ مذکورہ محرّمات کے علاوہ کوئی
الکتاب والسّنة واقوال	اور قسم زیادہ کرنا یہ اختراع فی الدّین
المجتهدین والزیادة علیها	ہے کیونکہ ذبیحہ مذکورہ ان اشیاء میں ہرگز داخل
اختراع ملة والذبیحة	نہیں۔ اسی طرح قوله ما وقع فی
المذکورة لیست داخلة فی	البیضاوی الخ تاسواء ذکروا
شیء منها کما لا یخفی وکذا	اسم اللّٰه علیه عندمرار
قوله ماوقع فی البیضاویؔ	السکین ام لا بھی خارج از بحث ہے۔
وغیره من التفاسیر انهم قالوا	
وما اهل	

به ای مـارفع الصوت به عند
ذبح للصنم فمبنی علی جری
عـادـة الـمشـر كين فی ذالک
الـزمـان ولـذالـم يـفـرقوا فی
الـتـفـاسير القديمة بين ما ذكر
اسم غيـر الـلّٰه عليه وبين ما
قـصد بذبحه التقرب الیٰ غير
الـلّٰـه لان مشـركـی ذٰلک
الـزمـان كـانـوا مخلصين فی
الكفر و كانوا اذا قصدواالتقرب
بـذبـح البهـمية الـی غير اللّٰه
ذكـروا عـليهـا عندالذبح اسم
ذٰلک الـغيـر بخلاف مشركی
المسلمين فانهم يخلطون بين
الـكـفـر والاسـلام فيـتقصدون
التـقـرب بـالـذبح الی غيراللّٰه
ويـذكـرون اسم الـلّٰه عليهـا
وقت الذبح فالاول كفر صريح
والثـانـی كـفـر صورته صورة
الاسـلام و كانو يعتقدون ان لا
طـريق للذبح الاهذا سواء كان
الذبح للّٰه او لغيراللّٰه وقد

تجری هذه العادة فی زماننا ایضاً فانهم یشهرون ان فلانا یذبح بقرة لاجل السیّد احمد کبیر مثلاً سواءً ذکروا اسم اللّٰه عند امرار السکین ام لا لان کتاب۔ ربنا هوالذی نزل فی مقابلة المشرکین والمسلمون لا یتقربون بذبح بهیمة الیٰ غیر اللّٰه لانهم یاکلون لحومها والقول بان معنے التقرب الیٰ غیر اللّٰه تشهیر البهیمة باسم غیر اللّٰه ایضا من مخترعاته نعم اقام صاحب البیضاوے للصنم مقام غیر اللّٰه تنبیها علی ان المقصود بالخطاب هم المشرکون لانهم کانوا یستحلون هٰذه الامور ولیس المراد تخصیص الغیر به علی ما ذهب الیه عطاء و مکحول والحسن والشعبی و سعید ابن المسیّب حیث اباحوا ذبیحة النصرانی

کیونکہ قرآن کریم مُشرکین کے مقابلہ کے لئے نازل ہوا ہے اور مسلمان ہرگز غیر خُدا کے تقرب کے لئے جانور ذبح نہیں کرتے کیونکہ وہ اُسی جانور کا گوشت کھاتے ہیں۔ باقی تقرب اِلی الغیر کا یہ معنے کہ اس جانور پر غیر خُدا کا نام مشہور کیا جائے یہ بھی مولانا المحدّث کے اختراعات سے ہے۔ اور بیضاوی نے **لغیر اللّٰه** کا معنے **للصنم** اسی مقصد پر تنبیہ کے لئے کیا ہے کہ آیت میں خطاب مشرکین کے لئے ہے۔ کیونکہ مشرکین ہی ان اشیاء کو حلال سمجھتے تھے نہ اس لیے کہ لغیر اللّٰہ عام ہے اور للصنم سے تخصیص مُراد ہے جیسا کہ عطا اور مکحول۔

اذا اسمی علیها باسم المسیح لانہ خلاف مذھب الائمۃ مالک و ابو حنیفۃ والشافعیؒ فانھم اتفقوا علی حرمتھا عملا بظاھر النص فانظر کیف قطعوا[1] دابر النیۃ فی حل الذبیحۃ وحرمتھا والا

حسن، شعبی، سعید ابنِ مسیب وغیرہ کا مذہب ہے۔ ان حضرات نے نصرانی کی ذبیحہ کو جس پر اُس نے عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا ہے۔ حلال کہا ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب کے خلاف

☆☆☆☆☆☆

[1] نعم لکن بناء علی القاعدہ المذکورہ فیما قبل من الاشباہ والنظائر ونظر الی شرط الذکر المجرد لا علیٰ ان النیۃ لا اثر لھا فی الحرمۃ مطلقاً والا فکیف یحکمون بحرمۃ الذبیحۃ لقدوم القادم لا یقال حرمتھا لاجل ذکر اسم الغیر عند ذبحہ مجرد اومع اسم اللّٰہ تعالیٰ لا نا نقول یا باہ قولھم لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ الخ قولھم ذبح لقدوم الامیر و نحوہ کو احد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللّٰہ ولو ذکر اسم اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علی فرض عدم الاباء قولہ تعالیٰ وما ذبح علی النصب علی ما فسرہ سلیمان الجمل و نقلناہ سابقا صریح فی ان موجب الحرمۃ ھو قصد الذبح لتعظیم غیر اللّٰہ لا ذکر اسم ذلک الغیر وھو موجود ھھنا۔ ۱۲

ازمؤلف

[1] ہاں ٹھیک ہے لیکن اس کی مدار اُس قاعدہ پر ہے جو ہم پہلے اشباہ والنظائر سے نقل کر چکے ہیں۔ اور ذبح کی شرط ذکر مجرد پر ہے اس لیے نہیں کہ مطلقاً نیت کا کوئی دخل نہیں۔ ورنہ فقہاء پھر قدومِ امیر کی ذبیحہ کو کیوں حرام کہتے ہیں۔ باقی یہ جواب دینا کہ اس ذبیحہ پر غیر خدا کا نام فقط یا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لیا گیا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ **لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ** الخ کا قول اور **ذبح لقدوم الامیر** الخ یہ عبارتیں اس معنے سے انکار کر رہی ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ عبارتیں اس سے انکاری نہ ہوں تب بھی **ما ذبح علی النصب** کی جو تفسیر علامہ سلیمان جمل سے ہم نقل کر چکے ہیں وہ تصریح ہے کہ حُرمت ذبیحہ کی علت تعظیم لغیر اللہ کی قصد ہے نہ فقط غیر اللہ کا نام لینا اور ذبیحہ نصرانی میں تعظیم لغیر اللہ موجود ہے۔

ازمؤلف

فکیف[1] اتفق الائمة الثلٰثة علے حرمة الذبیحة باسم المسیح لان النصرانی یعنی بالمسیح اللّٰہ وقال ان اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم فافھم واما۔ **قولہ** وما وقع فی الھدایة ویکرہ ان یذکر مع اسم اللّٰہ تعالیٰ شیئًا اٰخر وھوان یقول

ہے۔ کیونکہ ائمہ کرام اس جانور کی حُرمت پر مُتفق ہیں ظاہر نص کی وجہ سے۔اب خیال کرو کہ ائمہ ثلاثہ کا اتفاق دلیل ہے اس بات پر کہ نیت کو حلت وحرمت ذبیحہ میں کوئی دخل نہیں کیونکہ نصرانی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ان اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم قولہ ما وقع فی الھدایة ویکرہ ان یذکر مع اسم اللّٰہ تعالےٰ شیئًا آخر۔

------تا

☆☆☆☆☆☆

[1] انظر فی القاعدة المذکورة حتی یتبیّن لک وجہ الاتفاق۔ از مؤلّف۔

[1] قاعدہ مذکورہ کو اچھی طرح دیکھ لے تا کہ تجھے اتفاق کی وجہ معلوم ہو جائے۔مؤلف

عـنـد الـذبـح الـلّٰهم من فلان
وهٰـذه ثـلـث مسائل احدها ان
يـذكـر مـوصـولاً لامـعطوفـاً
فـنكره ولا يحرم الذبيحة وهو
الـمـراد بـمـا قـال ونظيره ' ان
يـقـال بسم اللّٰه محمد رسول
اللّٰه لان الشركة لم توجد فلم
يكن الذبح واقعاله الا انه يكره
لـوجـود الـقـرآن صـورة
فيتـصـور بـصـورة الـمحـرم
والثـانيـه ان يـذكر موصولاً
عـلـى وجـه العطف والشركة
بان يقول بسم اللّٰه واسم فلان
او يـقـول بسـم الـلّٰـه وفلان او
بسم الـلّٰه و محمد رسول اللّٰه
بـكسـرا الدال فتحرم الذبيحة
لانه اهل به لغير اللّٰه۔ والثالثة
ان يقول مفصولا عنه صورة و
مـعنى بان يقول قبل التسمية
وقبـل ان يـضـجـع الـذبيـحة
وبـعد الذبح وهذالاباس به لما
روى ان الـنـبـى صـلـى الـلّٰـه
عليه واٰله وسلّم قال بعد

الذبح اللّٰهم تقبل هذه عن امة
محـمـد ممن شهد لک
بالوحدانية ولی بالبلاغ
والشرط هو الذکر الخالص
المجرد علی ما قال ابن
مسعود رضی اللّٰه عنه جرّدوا
التسمية انتهیٰ۔ ما فی الهداية
صريح فيما ذکرنا من ان
قصد التقرّب الی غير اللّٰه
محرم للذبيحة سواء کان
بطريق الاستقلال او بطريق
الشرکة نعم لو ذکر ذکراً
مجرّداً من غير قصد التقرّب
الیٰ غير اللّٰه ففيه تفصيل فان
ذکر موصولاً لا معطوفا يکره
مثلا ان يقول بسم اللّٰه محمد
رسول اللّٰه واللّٰهم تقبل من
فلان ولا يحرم الذبيحة لعدم
قصد التقرّب اليه وانما کره
لاجل مشابهته فی ذلک
بذکر اسم غير اللّٰه بقصد
التقرب ولو ذکره معطوفاً
تحرم ايضاواِن لم يکن فيه

معنیٰ التقرب لکنه صریح فی
الشرکة والصریح لا یحتاج
الی النیة واذا ذکر مفصولا لا
بطریق العطف ولا بطریق
الوصل لا تکره
ولا تحرم لانتفاء المشابهة
صورةً و معنیً مثلاً ان یقول
بسم اللّٰه وتوقّف ثم قال
محمد رسول اللّٰه من غیر
قصد التقرب الی غیر اللّٰه
واذا عرفت معنیٰ هذا الکلام
عرفت ان صاحب الهدایة
وضع المسئلة فیما اذا لم
یکن المذکور مقرونا بقصد
التقرّب الی الغیر بل ذکرا
مجرّداً فهو بمعزل عن
مسئلتنا الموضوعة فیما
قصد التقرب الیٰ غیر اللّٰه
فانها حرام مطلقا و عرفت
ایضا ان ما وقع فی التفسیر
الاحمدی من تفریع قوله علی
ما وقع فی الهدایة ونقله فی
ذٰلک التفسیر کما ذکرنا وهو
قوله ومن هٰهنا علم ان البقرة

المنذورة للاولياء كما هو
الرسم فی زماننا حلال طیب
لانہ لم یذکر اسم غیر اللّٰہ
وقت الذبح وان کانوا
ینذرونھا لھم انتھیٰ مبنی
علی الغفلة عن قول صاحب
الهداية وهو قوله والثالثة ان
يقول منفصلاً عنه صورةً او
معنیً الخ فان الانفصال
المعنویّ کیف یتصور اذا
كان النذر للاولياء فانه عين
التقرّب اليه فنيتهم دائمة الیٰ
وقت الذبح فلا انفصال معنیً
اصلالما تقرر فی قواعد الفقه
من استدامة النية الیٰ آخر
العمل و ایضا مبنی علی عدم
الفرق بين الذكر المجرد الذی
وضع صاحب الهداية مسئلة
فيه و بين ما قصد به التقرب
الی غير الذی وضعنا
المسئلة فيه و اين ھذا من
ذاک فمبنی علی الغفلة عن
معنی التقرب الیٰ غير الله

وتوهم دخول البقرة المنذورة فيما قصد بذبحه التقرب الیٰ غير الله وليس كك لانهم يا كلون لحومها ويهبون ثوابها لهم وان بعض الظن اثم واستدامة النية انما تكون اذا لم يوجد المنافى وههنا قد وجد المنافى وهو ذكر الله صراحة وعن قول صاحب الهداية بان يقول قبل التسمية وقبل ان يضجع الذبيحة فى تفسير قوله صورةً و معنىً الا ترى لو ان احدًا اعتق او طلّق او اقرّا و باع واستثنى بالقلب يسمّى اعتاقا و طلاقاً و اقرارًا و بيعاً مجردًا لفظًا و معنىً فلهذا لا اثر له فى الاحكام فكذا هٰذا والعاقل يكفيه الاشارة ولذا اقتصر على هذا القدر من بيان اغاليطه ولا يخفیٰ علے المتأمّل اغاليطه المتروكة وادلة حلها الغير المذكورة

تافمبنى على الغفلة عن معنى التقرب الیٰ غير الله تک تمام عبارت کا مقصد اس ذبیحہ کی حُرمت بیان کرنا ہے جو تقرب لغیر اللہ کے لیے ذبح کی جائے اور مولانا کو توہم ہوا ہے کہ بقرہ منذ ورہ بھی ان محرمات میں داخل ہے کیونکہ اُس سے بھی تقرب اِلیٰ غیر اللہ مقصود ہوتا ہے۔ حالانکہ در حقیقت ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ ان جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں اور ثواب اولیاء اللہ کی روح کو بخشتے ہیں۔ بغیر دلیل اور قرینہ صریحہ مسلمان پر بُرا گمان کرنا ناجائز ہے۔ **قولہ وان بعض الظن اثم** باقی نیت کا دوام اُس وقت ہوتا کہ اُس کا منافی اور مخالف موجود نہ ہوتا اور یہاں ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا موجود ہے۔ صاحبِ ہدایہ کا صورۃً اور معناً کی تفسیر میں کہنا کہ بسم اللہ پڑھنے سے پہلے غیرِ خُدا کا نام پکارے یا زمین پر پچھاڑنے سے پہلے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق، عتاق، اقرار، بیع وغیرہ میں دل میں استثناء کا ارادہ کرنے سے بھی لفظاً اور معنیً طلاق، عتاق، اقرار وغیرہ باقی رہیں گے۔ اور ان الفاظ کا اطلاق صحیح رہے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نیت کا جس طرح احکام میں کوئی اثر نہیں اُسی طرح یہاں بھی نہ ہوگا۔ ہم نے بہت سی غلطیوں کا

والله الموفق للصواب ویهدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم والیه المرجع والمأب ط

بیان اور حِلّت کے دلائل بھی ترک کر دیئے ہیں۔ کیونکہ عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ والله الموفق للصواب ویهدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم والیه المرجع والمآب۔۱۲۔

☆☆☆☆☆☆☆

جواب

اعتراضاتِ مذکورہ ازمولانا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز

قولہ: ذابح غیر نادی باشد آہ۔ **اقول**۔ ذابح نخواہد [1] بود الاّ وکیل نادی و نائب او پس نیت [2] موکل و منیب در حلِ و حُرمت تاثیر خواہد [3] کرد کمافی الاضحیۃ [4]۔ **قولہ وماقصد به التقرب الیٰ غیر الله تخصیص هذا الفرد لم**

قولہ: ''ذابح اور شخص ہے اور غیر خُدا کا نام پُکارنے والا اور'' اھ۔ **اقول**۔ ذبح کرنے والا نِدا کرنے والے کا وکیل یا نائب [1] ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا موکل اور منیب کی نیت [2] حِلّت اور حُرمتِ ذبیحہ میں ضرور اثر [3] کرے گی جیسا کہ قربانی [4] کے ذبائح میں ذابح نائب ہوتا

☆☆☆☆☆☆

[1] ایں حصر منقوض است باستعانت۔ ۱۲۔ ازمؤلف

[1] یہ حصر استعانت کے ساتھ ٹوٹ جائے گا یعنی تاذر جب خود ذابح کی مدد کر رہا ہو تو پھر ذابح کس طرح نائب ہو سکے گا۔ ۱۲

[2] نزدِ حنفیہ نیابت در نیت نے باشد۔ ۱۲۔ از مؤلف

[2] حنفیہ کے نزدیک نیت میں نیابت جاری نہیں ہو سکتی۔ ۱۲

[3] مخالف است ازاں چہ در کُتبِ فِقہ نوشتہ اند کہ مجوسی گاؤ را کہ بہ مسلمانے داد کہ بنامِ نار کہ معبود اوست ذبح کُند مسلم بنامِ خُدا ذبح کرد گوشتِ او حلال است کمامر۔ ۱۲

[3] یہ حکم کُتب فقہ کے مخالف ہے۔ اُن میں لکھا ہوا ہے کہ ایک مجوسی نے گائے مُسلمان کے حوالے کر دی اور کہا کہ میرے معبود یعنی آگ کے لئے ذبح کر دو۔ پس مُسلمان نے خُدا کا نام لے کر ذبح کی تو اُس کا گوشت حلال ہوگا۔ کمامر۔ ۱۲

[4] نظر بمذہب حنفی تمثیل صحیح نیست و نیز قیاس مع الفارق است برائے بُودن نیت شرط در اضحیہ بخلاف **مانحن فيه**۔ ۱۲۔ از مؤلف

[4] مذہب حنفیہ کی رو سے یہ مثال صحیح نہیں اور قیاس مع الفارق بھی ہے کیونکہ اضحیہ میں نیت شرط ہے اور یہاں شرط نہیں۔ ۱۲۔ مؤلف''

يثبت بالكتاب الا اذ احمل قوله' تعالىٰ وما اهل لغير اللّٰه به عليه فيكون ذكره تكرارًا ولا بالسنة الا اذ احمل قوله ملعون من ذبح لغير اللّٰه علىٰ هٰذا لكن فيه انه لا يدل علے حرمة المذبوح بل علے حرمة الذبح كما اذا ذبح شاة مغصوبة وضمن قيمتها **قوله** والعام المخصص يتناول افراده الباقية ولو ظنًا **اقول** لكن يجرى فيه التخصيصات الأخر بالدلائل الظنية مثل اخبار الاحاد و قياسات المجتهدين المؤدية الى تحريمها فلا يفيد تلاوة الأية والتمسك بها فى معارضة قياساتهم **قوله**۔ اما عدم دخولها فيما سوٰى قصد به التقرب الىٰ غير اللّٰه فظاهر **اقول**۔ هذا مخدوش لان ما اهل به لغير اللّٰه ان

ہے صاحبِ اضحیہ کا۔ قولہ **ما قصد به التقرب الىٰ غير اللّٰه** مخصصات میں سے ہے۔ **اقول** اس فرد کی تخصیص قرآن سے تو ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر **ما اهل به لغير اللّٰه** کو اسی معنی پر حمل کیا جائے لیکن پھر اس کا ذکر یعنی **ما قصد به التقرب الى الغير** کا تکرار محض ہوگا اور نہ حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ ہاں اگر **ملعون من ذبح لغير اللّٰه** کو **تقرّب لغير اللّٰه** پر حمل کیا جائے لیکن پھر بھی یہ اعتراض باقی رہے گا کہ یہ حدیث مذبوح کی حُرمت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ ذبح کی حُرمت پر جیسا کہ کوئی شخص چھینی ہوئی بکری ذبح کرے اور اُس کی قیمت ادا کر دے۔ **قوله**۔ عام مخصوص البعض اپنے باقی افراد کو شامل ہو سکتا ہے خواہ ظنی ہی کیوں نہ ہوں۔ **اقول**۔ لیکن اس میں دلائلِ ظنیہ کے ساتھ ان تخصیصات کے علاوہ اور تخصیصیں بھی جاری ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اخبار احاد یا مجتہدین کے قیاسات جو ذبیحہ مذکورہ کی تحریم پر دلالت کرتے ہیں لہذا قیاسات کے معارضہ کے لئے آیت مذکورہ کی تلاوت کوئی

حمل علی ما قصد به التقرب الیٰ غیر اللّٰہ فعدم دخولھا فیہ لیس بظاھر[1] قولہ۔ فلانہ عبارۃ عن الذبیحۃ التی لم یقصد اہ۔ اقول۔ ھذا لیس بمدلول لغوی لقولہ ما قصد بہ التقرب لغیر اللّٰہ فلیبین وجہ[2] دلالۃ ھذا اللفظ علٰے ھذا المعنٰے والا فھو مردود

فائدہ نہ دے گی۔ قولہ۔ ذبیحہ منذورہ ان مخصصات میں سے کسی میں بھی داخل نہیں کما ھو ظاھر"۔ اقول۔ یہ مخدوش ہے کیونکہ اگر ما اھل بہٖ لغیر اللّٰہ کا معنی ما قصد بہ التقرب الی الغیر کیا جائے تو پھر یہ کہنا کہ ذبیحہ مذکورہ اس میں داخل نہیں یہ غیر[1] ظاہر ہوگا۔ قولہ اسی طرح ما قصد بہ التقرب الی الغیر میں بھی داخل نہیں کیونکہ تقرب الی الغیر اُس ذبیحہ پر

☆☆☆☆☆

[1] لا بل عدم دخولہ فیہ ظاھر علی ماقالہ حکیمُ الامۃ شاہ ولی اللّٰہ فی بیان معنے النذر للاولیاء۔۱۲

[1] نہیں بلکہ ظاہر ہے جیسا کہ حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نذر اولیاء کے معنے میں فرما چکے ہیں۔

[2] وجہ الدلالۃ ان حرمۃ الذبح للتقرّب الی غیر اللّٰہ ماخوذ من قولہ تعالیٰ وما ذبح علی النصب والذابحون علیھا من المشرکین ما کانوا یقصدون اللحم من الذبح فھو مدلول شرعی" وعلیہ مدار قول الفقھاء والفارق الخ۔

۱۲۔ از مؤلف"

[2] دلالت کی وجہ یہ ہے کہ تقرب الی الغیر کی ذبیحہ کی حُرمت ما ذبح علی النصب سے ماخوذ ہے۔ نصب پر ذبح کرنے والے یقیناً مُشرکین ہوتے تھے اور ذبح سے اُن کی قصد گوشت کھانے کی ہرگز نہیں ہوتی تھی لہذا یہ معنے مدلول شرعی ہے اور فقہاء کے قول کی مدار بھی اسی معنے پر ہے۔

علی قائله کیف والاضحیه یقصد بها التقرّب الی الله ویقصد اکل لحمها ایضا فا ذا اجتمع قصد المتقرب وقصد الاکل فی التقرب الی الله ففی التقرب الی الغیر اولیٰ

صادق آتا ہے جس کے ذبح سے کھانا مقصود نہ ہو۔ اقول۔ یہ معنے **ما قصد به التقرب الی الغیر** کا مدلول لغوی نہیں لہذا اس لفظ کی اس معنے پر دلالت کرنے کی وجہ بیان فرمایئے ورنہ اس کا ذمہ دار کہنے والا ہوگا۔ کیونکہ اضحیہ یعنی قربانی کے جانور سے کھانا بھی مقصود ہوتا ہے اور تقرب **الی اللہ** بھی۔ لہذا جب تقرب اِلی اللہ اور کھانے کا ارادہ جمع ہو سکتے ہیں تو تقرب اِلی الغیر اور کھانے کا ارادہ بطریقِ اولیٰ جمع ہو سکتے ہیں۔

قوله ـ بل قصد به الدفع الی الغیر۔ اقول۔ ما ذا اراد بالغیر[1] فلیبین حتی نتکلم علیه

قولہ: بلکہ صرف غیر کی طرف دفعہ کرنا مقصود ہو الخ **اقول**۔ اس غیر سے کون[1] مُراد ہے۔ ذرا تشریح ہو تو اُس پر گفتگو کی جائے۔

قوله: بنية غير الله۔ اقول۔ لکن لا بنية التقرب به الی ذٰلک الغیر بل بنية اکله وانتفاعه باللحم فعلم ان منشاء اشتباه هٰذا السائل انه

قولہ: اور ان سب صورتوں میں ذبح کے وقت آواز اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بلند کی جاتی ہے اور ارادہ غیر کا ہوتا ہے۔ **اقول**۔ غیر کا ارادہ تقرب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کھانے کے لئے ہوتا ہے تو معلوم ہوگیا کہ سائل کے اشتباہ

☆☆☆☆☆☆

[1] قد مرما اراد القائل۔ ۱۲

[1] قائل کی مراد ابھی ابھی واضح ہو چکی ہے۔ ۱۲

لا يفرق بين الذبح بمعنى اراقة الدم و بين المذبوح بمعنى اللحم والشحم فمتى كان اراقة الدم للتقرب الى غير الله حرمت الذبيحة ومتى كان اراقة الدم لله والتقرب الى الغير بالاكل والانتفاع حلت الذبيحة لان الذبح عبارة عن الاراقة لا عن المذبوح اى الذى يحصل بعد الذبح من اللحم والشحم وعلى هذا قلنا لو اشترى لحماً من السوق اوذبح بقرة او شاةً لاجل ان يطبخ مرقا وطعاما ليطعم الفقراء ويجعل ثوابها لروح فلانٍ حلّت بلا شبهةٍ وعلامة هذه الارادة ان لا يعين بقرةً خاصةً باسم ذلك الميت ولا يعلمها بشيء بل يكون عنده كل البقرة سواسية فى ان اللحم المشترى من السوق والحاصل بعد الذبح البقرة

کا منشاء یہ ہے کہ وہ ذبح بمعنے اراقۃ الدم یعنی خون گرانے کے لئے اورمذبوح بمعنے اللحم والشحم (جو محض گوشت سے انتفاع کے لئے ذبح کی جائے) کے درمیان فرق نہیں کرسکا جب ذبح سے مقصود تقرب اِلی الغیر کے لئے خون گرانا ہوتو ذبیحہ حرام ہوجاتی ہےاور جب خون گرانا تو اللہ تعالیٰ کے لیے مقصود ہولیکن غیر کے لئے صرف گوشت کھانے کا تقرب مُراد ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ کیونکہ ذبح عبارت ہے خون گرانے سے نہ مذبوح سے جو ذبح کے بعد گوشت اور چربی کی صورت میں موجود ہے ہم نے اسی لیے تفصیل کے ساتھ کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی شخص بازار سے گوشت خرید کرتا ہے یا گائے بکری وغیرہ گوشت پکانے کیلئے ذبح کرتا ہے تاکہ وہ طعام فقراء کو کھلا کر اس کا ثواب فلاں میت کی روح کو پہنچائے تو بلا شبہ حلال ہے لیکن ارادہ کی نشانی یہ ہے کہ کوئی جانور اس میت کے نام پر نہ کرے اور اس کو کسی قسم کا نشان وغیرہ نہ لگائے بلکہ سب جانور اس کے نزدیک برابر ہوں یعنے اس کے خیال میں ایفائے نذر کے لئے بازار سے خریدا ہوا گوشت اور گائے ذبح کی ہوئی کا گوشت مساوی ہوں۔

سواء" فی وفاء النذر قوله والفرق تحكم اقول قد علمت وجه الفرق فان هناک اراقة الدم باسم اللّٰه من غير نية القرب الى الغير بتلک الاراقة بل ايصال ثواب اليه باطعامه الفقراء وايصال نفع اليه بالاکل کما فی الولائم والاعراس وفی صورة النزاع الاراقة نفسها مما يتقرّب به الی ذٰلک الغير. قوله والکتابی اذا ذبح باسم المسيح لا تحل ولو ذبح باسم اللّٰه و ارادبه المسيح تحل هذا اقول عين مذهب القائل بالحرمة فانه يقول[1] لو

قولہ: والفرق تحکم یعنی ولیمہ وغیرہ کے جانور کو حلال کہنا اور ذبیحہ مذکورہ کو حرام کہنا یہ فرق دعوے بلا دلیل ہے۔ اقول۔ ہم فرق ابھی ابھی واضح کر چکے ہیں کہ ولیموں اور عُرسوں میں خون گرانا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہوتا ہے اور تقرب إلی الغیر کا ارادہ قطعاً نہیں ہوتا۔ بلکہ فقراء کو کھلا کر ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے۔ اور صورت متنازع فیہ میں خون گرانا ہی تقرّب الی الغیر کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ قولہ۔ عیسائی جب کسی جانور کو عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر ذبح کرے تو وہ جانور حرام ہوگا اور اگر ذبح تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کرے مگر ارادہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہو حلال ہے۔ الخ اقول۔ یہ بعینہ قائل حُرمت کا مذہب ہے کیونکہ ایک شخص لوگوں کے رُوبرُو کہتا ہے کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ گائے اللہ

☆☆☆☆☆☆

[1] المطابق لما فی السراجية ان يقول لو ذبح الرجل باسم السيد احمد لا يحل ولو ذبح باسم اللّٰه واراد به السيد احمد يحل۔ از مؤلّف

[1] یہ سراجیہ کے قول کے موافق ہے کہ اگر کوئی شخص سید احمد کے نام کے ساتھ ذبح کرے تو حلال نہ ہوگا اور اگر ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کرے اور ارادہ اس سے سید احمد کا ہو تو حلال ہوگا۔۱۲

قال رجل بحضرة الناس انی نذرت ان اذبح بقرةللّٰه واراد باللّٰه السید احمد علی اعتقاد الحلولیة یحل ذبیحته لانه لا خلل فی نیته بل هوا خلص النیةِ للّٰه لکن اخطأفی اعتقاده حلول اللّٰه فی السید احمد کبیر کا النصرانی یعتقد حلول اللّٰه فی المسیح حیث ان یقول ان اللّٰه هو المسیح ابن مریم فخطأه فی المعنون دون العنوان فعنوانه حق و معنونه باطل بخلاف مالو قال انی نذرت ان اذبح بقرة للسید احمد کبیر فانه اخطأ فی العنوان والمعنون معاً کما لو ذبح النصرانی باسم المسیح۔

تعالیٰ کے لئے ذبح کروں اور دل میں سید احمد کبیر کا خیال ہے یعنی اللہ سے مُراد سید احمد کبیر ہے اس کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سید احمد میں حلول کر گئے ہیں تو اس کی ذبیحہ بالکل حلال ہو گی کیونکہ اُس کی نیت میں کوئی خلل نہیں۔ اُس کی نیت تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مگر حلولیت کے اعتقاد میں اُس نے غلطی کھائی جیسا کہ نصرانی کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مسیح ابنِ مریم میں حلول کر گئے ہیں جیسا کہ وہ کہتا ہے ان اللّٰه هو المسیح ابن مریم تو اس کی خطا صرف معنوں میں ہے یعنی اُس کا عنوان حق ہے اور معنون باطل بخلاف اُس شخص کے جو کہتا ہے کہ میں نے نذر مانی ہے کہ سید احمد کبیر کے لئے گائے ذبح کروں گا تو اُس نے عنوان اور معنون دونوں میں غلطی کی ہے جیسا کہ نصرانی مسیح کا نام لے کر ذبح کرے۔

قولہ: یاایں عبارت مندفع مے شود قول قاصراں۔ **اقول۔** ازیں عبارت قول قاصران مندفع نہ مے شود زیرا کہ مُرادِ ایشاں ازنیت خبیثہ آنست کہ در عنوان متقرب الیہ خطا کند نہ آں کہ در معنوں خطا کند مثلاً ذبیحہ

قولہ: اس عبارت سے بے سمجھ لوگوں کا اعتراض مندفع ہوگیا۔ **اقول۔** اُن کا اعتراض مندفع نہیں ہوا کیونکہ نیت خبیثہ سے اُن کی مُراد یہ ہے کہ عنوان میں خطا کرے نہ یہ کہ معنون میں غلطی واقع ہو جائے مثلا! معتزلی کی

معتزلی کہ اللہ تعالیٰ را خالقِ افعال نہ مے داند و رافضی کہ بداء برخدا تجویز مے کند حلال است زیرکہ خطائے ایں ہا در معنون ست نہ در عنوان۔

ذبیحہ حلال ہوگی جو اللہ تعالیٰ کو افعالِ عباد کا خالق نہیں جانتا۔ اسی طرح رافضی کی ذبیحہ کہ اللہ تعالیٰ پر بداء جائز سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی خطا معنون میں ہے نہ عنوان میں۔

قولہ:الهداية والثالثة ان يقول مفصولاً عنه صورةً و معنىً۔
اقول۔هذا لا تعلق له بمحل النزاع فانه فى الذكر اللّسانى المجرد عن نية التقرب الى الغير اولم يذكر و نوى التقرب الى ذلك الغير وقد اعترف به حيث قال قوله لان المراد بالذكر الخالص المجرد الذكر باللسان فقط فيه خلل ظاهر لان مراده بالذكر الخالص المجرد وان كان الذكر باللّسان لكنه اراد بالخلوص والتجرد عدم ذكر الغير لا خلوه عن النية وامّا قول العناية فى شرح قول الهداية فلا تعلّق له بمحل النزاع اذ لا يشك عاقل فى انّ المامور به عند الذبح هو

قولہ۔صاحب ہدایہ فرماتے ہیں تیسری قسم یہ ہے کہ غیر خدا کا نام مفصولاً ذکر کرے۔
اقول۔اس عبارت کا محل نزاع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ حکم مجرد زبانی ذکر میں ہے جس میں نیت تقرب کا خیال قطعاً نہ ہو۔اس صورت کی حلت میں بالکل کوئی جھگڑا نہیں جب ذبح سے پہلے یا بعد محض سبقتِ لسانی کے طور پر زبان پر غیر کا نام جاری ہو گیا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ۔ جھگڑا اس صورت میں ہے کہ تقرب کے ارادہ سے غیر کا نام لیا یا نام تو نہیں لیا لیکن نیت تقرب اِلَی الغیر کی ہے۔اس کا اعتراف خود مولانا عبدالحکیم اِن الفاظ سے کر رہے ہیں کہ ''ذِکر مجرّد خالص سے مُراد فقط زبانی ذِکر ہے''۔اور یہ بھی غلط ہے کیونکہ ذکر مجرد سے ان کی مُراد اگرچہ زبانی ذِکر کی ہے لیکن خلوص اور تجرد سے مُراد غیر کے ذکر سے خالی ہونا ہے نہ غیر کی نیت سے خالی ہونا۔ باقی عنایہ کی تشریح بھی بالکل محلِ نزاع کے ساتھ غیر متعلق ہے۔

ذکر اللّسانی الخالص مجرّد عن ذٰلک الغیر نعم محل النزاع ما اذا ذکر اسم اللّٰہ باللّسان واراد به التقرّب الی الغیر۔

کیونکہ اس بات میں تو کسی عاقل کو شک نہیں کہ ذبح کے وقت صرف ذکر لسانی کا حکم ہے جو غیر کے ذکر سے مجرد ہو۔ ہاں محلِ نزاع یہ ہے کہ زبان کے ساتھ تو فقط اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرے اور دل میں ارادہ تقرب اِلی الغیر کا رکھتا ہو۔

قوله۔ واما بقول المفسرين فقول العلم الخ **اقول** هذا القول يعارضه[1] اقوال الجمّ الغفير من الفقهاء كما سيجئ[2] فكيف يحتجّ بقول هذا القائل وحده مع مخالفته با قوال العلماء الكبار و معهذا فقوله حلال طيب محلّ اشكالٍ اذ لا شك فی وقوع الاختلاف فی حل هذه الذبيحة و تعارض الادلة و متٰى كان كذلك كان محلا لشبهة ومن قاعدة الفقهاء انه اذ اشتبه الحل والحرمة

قول۔ مفسرین میں سے عالم مفسر محدث الخ **اقول۔** فقہاء کی بہت بڑی جماعت اس مفسر کے قول کے مخالف[1] ہے۔ لہذا تنہا ایک آدمی کی رائے خصوصاً جب کہ وہ باقی علمائے کبار کے خلاف ہو کس طرح حجت[2] ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کا حلال طیب" کہنا بھی قابل تامل ہے کیونکہ اس مسئلہ کے مختلف فیہ ہونے میں تو کوئی شک نہیں یعنی ذبیحہ مذکور کی حلت اور حُرمت کے بارے میں دلائل متعارض ہیں لہذا شُبہ پیدا ہو جائے گا۔ اور فقہاء کا قاعدہ ہے کہ حلت اور حرمت مشتبہ ہو جائے تو حُرمت

☆☆☆☆☆☆☆

[1] لا بل يطابقه ۱۲ ازمؤلف

[2] لا يجیء منه شیء ۱۲

[1] نہیں بلکہ موافق ہے۔ ۱۲ ازمؤلف

[2] ان کی طرف سے کچھ بھی بیان نہیں آیا۔ ۱۲

غلب[1] جانب الحرمة احتیاطاً وقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحلال بیّن والحرام بیّن وبینھما امور" مشتبھات" لا یعلمھا کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کراع یرعیٰ حول الحمی یوشک ان یقع فیہ۔

کو احتیاطاً ترجیح[1] ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی اور دونوں کے درمیان بعض اُمور مُشتبہ ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ لہٰذا جو شخص اُن شُبہات سے بچ گیا تو اُس نے اپنا دین اور عزت بچا لی اور جو شُبہات میں داخل ہو گیا وہ حرام میں داخل ہو گیا جیسا کہ جو جانور چراگاہ کے کنارے پر چرتا ہے وہ ایک دن ضرور چراگاہ میں داخل ہو جائے گا۔

قولہ۔ واگر بنام خُدا بسم اللہ اللہ اکبر الخ

اقول۔ دریں عبارت لفظ ظاہراً دلالت بوقوع شک درحل ازیں ذبیحہ مے کند لہذا متقی را از خوردنِ اُو منع نمودہ اند و اقوال جمِ غفیر فقہاء کہ فیما بعد منقول است بے شک

قولہ۔ اگر خُدا کا نام لے کر یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا اگر چہ ان کی نیت فاسد ہو تو ظاہراً ایسے جانور کا گوشت کھانا حلال ہے۔

اقول۔ اس عبارت میں ظاہراً کا لفظ صراحۃً دلالت کر رہا ہے کہ اس ذبیحہ کی حلت میں شک ہے اسی لیے اُنہوں نے متقی اور پرہیز گار کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ کثیر التعداد فقہاء

☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] ھھنا جانب الحرمۃ مرجوحہ بل باطلۃ لبطلان دلائلھا۔ ۱۲ از مؤلف

[1] یہاں حُرمت کی جانب مرجوح ہے بلکہ باطل ہے کیونکہ اس کے دلائل باطل ہیں۔ ۱۲ مؤلف

دلالت[1] بر حرمت مے کنند۔ **فالا خذبها اولیٰ اذ لا قول للشاک۔**

کے اقوال جو بعد میں نقل کیے گئے ہیں ذبیحہ مذکورہ کی حرمت پر دال ہیں۔ لہذا اُن کے ساتھ عمل کرنا اولیٰ ہے کیونکہ شک والے کا قول غیر معتبر ہے۔

قولہ۔ شیعہ را کافر مطلق بالا جماع الخ

اقول ایں نقل غلط است زیرانکہ شیعہ را بالا جماع کسے کافر نے گوید بلکہ در ایشاں اختلاف است علمائے ماوراء النہر از حنفیہ کافر گفتہ اند و مصریین از حنفیہ و عراقیین از ایشاں کافر نہ گفتہ اند بلکہ مبتدع و ضال قرار دادہ اند و علماء شافعیہ نیز کفر ایشاں را ثابت نہ کردہ اند بلکہ مبتدع و ضال گفتہ اند۔

قولہ۔ شیعہ کو کافر مطلق بالا جماع سمجھتا ہے۔

اقول۔ یہ غلط ہے کیونکہ شیعہ کو بالا جماع کسی نے کافر نہیں کہا بلکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حنفی علماء ماوراء النہر کافر کہتے ہیں اور مصری اور عراقی علمائے احناف کافر نہیں کہتے بلکہ بدعتی اور گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح علمائے شوافع نے بھی کفر ثابت نہیں کیا بلکہ مبتدع اور ضال کہا ہے۔

قولہ۔ تزویج بنات وغیرہ مے نمائند۔

اقول۔ تزویج بنات وغیرہ آن ست کہ ایں

قولہ۔ اپنی لڑکیاں شیعہ اشخاص کو نکاح کر دیتے ہیں۔ **اقول**۔ تزویج اور نکاح کر دینا

☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] بے شک دلالت نہ مے کنند بر حرمت حیوان منذور للاولیاء چہ ازاں ہا ثابت نہ شدہ کہ تشہیر از موجبات حرمت است و نہ آں کہ منذور للاولیاء داخل است در ماذبح للتقرب اِلٰی غیر اللہ بالمعنے المراد للفقہاء۔ ۱۲ از مؤلف

[1] نہیں فقہاء کے اقوال حیوان منذورہ للاولیاء کی حرمت پر بالکل دلالت نہیں کرتے کیونکہ ان سے ہرگز ثابت نہیں ہوا کہ تشہیر حرمت کے اسباب میں سے ہے اور یہ بھی ثابت نہیں ہو سکا کہ ذبیحہ مذکورہ فقہاء کے معنی کے مطابق ماذبح للتقرب اِلی الغیر میں داخل ہے۔ ۱۲۔ مؤلف

شخص ولی یا مالک امرِ زن باشد و او را با کسے نکاح کردہ دہد و اگر ایں شخص ولی آں زن نیست و نہ مالک امر اوست بلکہ آں زن از اقارب اوست مثل بنت البنت کہ پدرش زندہ باشد یا بنت العم یا بنت الخال کہ اولیائے دیگر دارد و جبر وولایت ایں شخص برآں زن و اولیائے آں زن نمے رسد۔ پس نسبت تزویج آں زن بایں شخص خطا ظاہر است **ولھذا قال قائل العرب**

شعر

بنونا بنوا بنائنا و بناتنا
بنوھن ابناء الرجال الاباعد

اُس کو کہتے ہیں کہ وہ شخص ولی یا عورت کے امُور کا مالک ہو اور کسی شخص کے ساتھ اُس عورت کا نکاح کر دے۔ اور اگر وہ شخص اُس عورت کا ولی نہیں بلکہ صرف قرابتدار ہے مثلاً بیٹی جس کا والد زندہ ہو۔ یا چچا کی لڑکی یا ماموں کی لڑکی جس کے ولی اور آدمی ہیں اور شخص مذکور کو اُس عورت پر اور اُن ولیوں پر کسی قسم کے جبر کا حق حاصل نہیں۔ پس ایسے شخص کی طرف نکاح کر دینے کی نسبت کر دینی بالکل غلط ہے۔ اسی لیے کسی عرب شاعر کا قول ہے۔

ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کی اولاد دُوسرے مردوں کی اولاد ہے۔

قولہ۔ مسکن خودرا الخ **اقول۔** مُراد از دار الحرب کہ ازاں ہجرت فرض باشد آں دارالحرب باشد کہ حربیاں از اظہارِ دین خود و صوم و صلوٰۃ و جمعہ و جماعات و اذان و ختان سکان آنجا را ممانعت نمائند و اگر چنیں نباشد بلکہ مُسلمانان آں جا اظہارِ دین خود بے دغدغہ می کنند و جمعہ و جماعات را قائم مے دارند و بیان احکام دین خود بے تکلف مے کنند پس ازاں دارالحرب ہجرت فرض نیست و علی تقدیر الوجُوب فی الفور واجب

قولہ۔ ایک طرف ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اور پھر وہاں سے ہجرت بھی نہیں کرتے۔ **اقول۔** جس دارالحرب سے ہجرت فرض ہے اس سے وہ مراد ہے جس میں کفار مسلمانوں کو نماز روزہ، جمع اور جماعت، اذان وغیرہ شعائرِ اسلام سے ممانعت کریں اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہاں مُسلمان بلا روک ٹوک دین کا اظہار کرتے ہیں۔ جمعہ اور جماعت کو قائم رکھتے ہیں تو ایسے دارالحرب سے ہجرت فرض نہیں اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ ہجرت

نے شود بلکہ **عند وجدان الملجاء والمقرلان النبی صلیّ اللّٰہ علیہ وسلم اقام ثلثۃ عشر سنۃ بمکۃ مع ان کفار مکۃ کانو یمنعون من اظہار الدعوۃ ویضربون و یشتمون من اٰمن ویمنعون من الصلوٰۃ فی المسجد الحرام۔** پس حق تعالیٰ ہرگاہ انصار رابعد از سیزدہ سال ناصر و معین آنجناب گردانید و محل و مسکن در بلدہ طیبہ بہم رسید ہجرت فرمودند **فلا طعن فی ذلک اصلاً۔**

قولہ۔ عُرس بزرگان خودرا الخ ۔**اقول۔** این طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ زیرانکہ غیراز فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نے داند آرے زیارت و تبرک بقبورِ صالحین و امداد ایشاں باہداء ثواب و تلاوتِ قرآن و دُعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امرِ مستحسن وخوب است باجماع علماء وتعین روزِ عرس برائے آن است کہ آں روز مذکرِ انتقال ایشاں مے باشد از دار العمل بہ دار الثواب والا ہر روز کہ عمل واقع شود مُوجب فلاح ونجات است وخلف رالازم

فرض ہے تو فوراً واجب نہیں بلکہ اُس وقت جب امان اور پناہ کی جگہ میسر ہو۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال مکہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ حالانکہ کفار مکہ تو اظہار دین سے منع کرتے تھے۔ مومنین کو مار پیٹ گالی گلوچ کے ساتھ پیش آتے۔ مسجد حرام میں نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ لہذا جب انصار کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناصر اور معاون بنایا اور مدینہ طیبہ میں سکونت کا موقعہ میسر ہوا تو آپ نے ہجرت فرمائی۔ لہذا یہ کوئی طعن کی بات نہیں۔

قولہ۔ خود اپنے بزرگوں کا عرس فرض سمجھتا ہے۔ **اقول۔** یہ طعن میرے حال سے ناواقفیت کی بناء پر کیا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی فرائض شرعیہ مقررہ کے ماسوا دُوسری چیز کو فرض نہیں سمجھتا۔ ہاں قبور صالحین کی زیارت اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کرنا۔ اُن کے لئے دُعائے خیر کرنا اور تلاوت قرآن اور طعام و شیرینی تقسیم کر کے اُس کا ثواب اُن کے اَرواح کو ہدیہ کر کے اُن کی امداد کرنا باتفاق علمائے کرام اچھی بات ہے۔ باقی ایک دن کو عرس کے لیے معین کرنے کی وجہ یہ ہے

است کہ سلفِ خود را بریں نوع بر و احسان
نماید۔ چنانچہ در احادیث ثابت است کہ
ولد صالح ید عوالہ تلاوتِ
قرآن واہدائے ثواب را عبادت قرار دادن
مبنی بر کمال بلادت و افراط جہل است۔
آرے اگر کسے سجدہ وطواف ودُعاء بخویا
فلاں افعل کذا بعمل آرد البتہ
مشابہت بعبدۃ الاوثان کردہ باشد و چوں
چنیں نیست پس در محلِ طعن نہ باشد و در دُرِّ
منثور سیُوطی مرقوم است **واخرج ابن
المنذرو ابن مردویه عن انس
رضی اللہ عنه ان رسول اللہ
صلی اللہ علیه وسلم کان
یأتی احداً کل عام فاذا بفوّہۃ**[1]
**الشعب سلم علیے قبور
الشهداء فقال سلام علیکم بما
صبرتم فنعم عقبی الدار
واخرج ابن جریر عن محمد
بن ابراهیم قال کان النبی
صلی اللہ علیه وسلم یأتی
قبور الشهداء علی رأس کل
حول فیقول سلام**

کہ وہ دن اُن کے انتقال کا یاد دلانے والا ہوتا
ہے جس میں اُس صاحب نے اس دارالعمل
سے دارالثواب کی طرف رختِ سفر باندھا
ہے۔ ورنہ جس دن بھی صدقہ، خیرات، نیکی کا
عمل کرو نجات اور ثواب کا مُوجب ہو سکتا
ہے۔ پسماندگان پر واجب ہے کہ اپنے
اسلاف کے ساتھ اس قسم کا احسان جاری
رکھیں۔ حدیث شریف میں اس کام کو عملِ
دائمی شمار کیا گیا ہے کہ نیک اولاد ماں باپ کے
لئے دُعا مانگے۔ ہاں قرآن کی تلاوت اور
ایصالِ ثواب کو بزرگوں کی عبادت قرار دینا
بھی بے وقوفی اور جہالت کی بین دلیل ہے۔
ہاں اگر کوئی شخص قبروں کا طواف یا سجدہ کرے
یا اس قسم کی دُعا مانگے کہ اَے صاحبِ مزار میرا
فلاں کام سرانجام دو" تو بُتوں کے پجاریوں
کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جائے گی جو ناجائز
ہے ورنہ اس کے سوا محلِ طعن نہیں۔ علامہ جلال
الدین سیُوطیؒ نے دُرِّ منثور میں نقل کیا ہے کہ
ابن المنذر اور ابن الردویہ نے حضرت انسؓ
سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علی
وسلم ہر سال اُحد میں تشریف لے جاتے تھے

☆☆☆☆☆☆

[1] بفوّہۃ۔ دہانۂ کوہ و وادی (المصراح)

علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ انتھیٰ و فی التفسیر الکبیر عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یأتی قبور الشھداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون انتھیٰ۔

اور وادی کے سرے پر پہنچ کر شہدائے اُحد کی قبروں پر سلام فرماتے اور کہتے "سلام" علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار "تم پر تمہارے صبر کی وجہ سے سلام ہوں یہ اچھی دارِ آخرت اور بہتر ٹھکانہ ہے۔ ابنِ جریرؒ نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کی ابتداء میں شُہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور فرماتے "سلام" علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار "۔ حضرت ابُو بکرؓ، حضرت عُمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اھ ک۔ تفسیر کبیر میں بعینہٖ انہیں الفاظ سے حدیث نقل کی گئی ہے۔ اھ ک۔

قولہ۔ لان الذبیحۃ اہ۔ اقول۔ ھذا بعینہ مذھب القائل بالحرمۃ قد رجع المعترض الی الحق واعترف بہ او جری علی لسانہ وھو لا یشعر۔

قولہ۔ یعنی وہ جانور جو غیرِ خُدا کی تعظیم اور اکرام کے لیے ذبح کیا جائے حرام ہے اور ذابح مُرتد ہے۔ الخ۔ اقول۔ یہی بعینہٖ میرا مذہب ہے۔ بالآخر معترض صاحب حق کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ یا غیر شعُوری طور پر آپ کی زبان سے حق کا کلمہ بے ساختہ نکل گیا ہے۔

قولہ۔ وھو ما اھل بہ لغیر اللّٰہ الا۔ اقول۔ ھذا ایضا رجوع الی

قولہ۔ یہ ما اھل بہ لغیر اللّٰہ ہے۔ اقول۔ یہ مفتی حرمت کے قول کی طرف

مذهب القائل بالحرمة وان البقرة[1] المنذورة داخلة فيما اهل لغير الله به فاحفظه۔

رجوع ہے۔ بقرہ منذورہ ما اھل بہ میں داخل[1] ہے۔ "خوب یادرکھو"

قوله۔ قد اجمع الفقهاء اه۔ اقول۔ لا بد فی دعوی الاجماع من نقل اقوال الفقهاء والافلا تسمع۔

قولہ۔ فقہاء کا اجماع ہے۔ اقول۔ دعوائے اجماع کے لیے فقہاء کے اقوال نقل کرنا لازمی امر ہے ورنہ یہ دعوے قابل سماعت نہ ہوگا۔

قوله۔ ان قد مهاليأ كل ان كان المراد من الا كل اكل الذابح فذبيحة القصاب۔ اقول۔ بل اكثر الولائم والاعراس يخرج عنها اذا كل الذابح منها غير مقصود وّلا معمولٍ فقوله فكان الذبح للّه والمنفعة للضيف وغيره سهو ظاهر اذا اكل الضيف ليس اكلاً للذابح فيجب علے هذا ان يكون ذبيحة القصاب والولائم والاعراس والضيافات كلّها محرّمة۔

قولہ۔ وہ جانور اگر کھانے کے لئے آگے کیا گیا ہے۔ اقول۔ اگر کھانے سے مُراد ذابح کا کھانا ہے تو اس صورت میں پھر قصاب کی ذبیحہ یا ولیمہ اور عرس کے ذبائح اس سے خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ ذابح کا کھانا ان جانوروں سے ہرگز مقصود نہیں ہوتا۔ اور نہ اس طرح لوگوں کا معمول ہے۔ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور منفعت مہمان کے لئے بالکل سہو ہے۔ کیونکہ مہمان کا کھانا ذابح کا کھانا نہیں ہوسکتا۔ لہذا اس دلیل کی رُو سے قصاب اور ولیمہ وغیرہ کے ذبائح سب حرام ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

[1] غیر مسلم کما مر مراراً ۱۲ از مؤلف

[1] ہم یہی بات تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے۔ ۱۲

قولہ۔وان لم یقدمھا لیا کل اہ۔

اقول۔المراد بالاکل امّا اکل الذابح او غیرہ فان کان الاول کان ذبیحۃ القصاب والولائم والاعراس محرمۃ داخلۃ فی ھذا القسم لا فی القسم الاول وان کان المراد اکل الغیر فیلزم ان تکون المذبوحات فی اجذیۃ محظورات الاحرام والنذور المعقودۃ للہ وکذا فی کفارۃ الجنایات کلھا میتات محرّمات وایضاً فالدفع الی الغیر ان کان حلالاً فکیف صارت ھذہ الذبیحۃ محرمۃ وان کان حراماً کیف یصحّ جعلہ مدارًا للحکم الشرعی اذا الحرام ساقط عن درجۃ الاعتبار[1]۔

قولہ۔اگر کھانے کے لئے مقدم نہ کیا گیا ہو۔

اقول۔اس پر بھی وُہی اعتراض لازم آیگا یعنی اگر ذابح کا کھانا مُراد ہے تو پھر قصاب اور ولیموں وعُرسوں کے ذبائح حرام ہو جائیں گے اور دوسری قسم میں داخل ہوں گے اور اگر ذابح کے سوا کسی دوسرے کا کھانا مُراد ہے تو لازم آئے گا کہ ممنوعات احرام کے جُرمانے کے ذبائح اللہ تعالیٰ کی نذروں اور جنایات کے کفاروں کے جانور بالکل مُردار اور حرام ہوں گے۔ایضاً اگر غیر کی طرف دفع کرنا حلال ہے تو پھر ذبیحہ کس طرح حرام ہوگئی اور اگر حرام ہے تو حکمِ شرعی کی مدار نہیں ہوسکتا۔کیونکہ حرام اعتبار[1] کے درجہ سے ساقط ہوتا ہے۔یعنی حرام کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆

[1] والعجب انہ قدس سرّہ استدل فی فتواہ بعبارۃ الدرالمختار فھذا لردرد علی سندہ مع انہ سخیف جدا کما عرفت سابقا ۱۲

[1] تعجب ہے کہ حضرت خاتم المحدثین خود اپنے فتویٰ میں دُرِ مختار کی عبارت سے استدلال کر چکے ہیں تو گویا یہ عبارت ان کے اپنے استدلال کی تردید ہوگی۔گو فی نفسہٖ یہ تردید بالکل پوچ ہے۔کما مر سابقا ۱۲

قوله-ولذا حرمت الذبائح للعظام۔ اقول-هذا ممّا يقضىٰ منه العجب لو جهين احد هما ان السيّد احمد كبير هل هو داخل فى العظام ام لا فان قال بد خوله فيهم فلم صارت البقرة المذبوحة له من جملة المحرمات و قد نقل سابقا من التفسير الاحمدى حلها واجاب هو ايضا فى صدر الفتوے بحلها وان لم يقل بدخوله فيهم فما بال[1] العظام حرمت الذبائح المنذورة لهم وما بال الصّغار حلّت الذبائح المنذورة لهم وبالجملة فى هذا الكلام خبط ظاهر فلينتبه له و ثانيهما ان البقرة المذبوحة لتعظيم السيّد احمد كبير مثلا يد فعون

قولہ-اسی وجہ سے امراء اور سلاطین کی آمد پر جانور ذبح کرنے فقہاء نے حرام قرار دیئے ہیں-اقول-اس عبارت پر دو وجہ سے تعجب ہے-اول یہ سید احمد کبیر مولانا کے خیال میں بڑی شخصیتوں میں داخل ہے یا نہ؟ اگر داخل ہے تو اس کی نذر کی ہوئی حرام ہوئی حالانکہ آپ تفسیر احمدی کے حوالہ سے بھی اور خود بھی فتاویٰ کی ابتداء میں حلال کا حکم نقل فرما چکے ہیں-اور اگر سید احمد کو بڑی شخصیتوں سے باہر سمجھتے ہیں-تو پھر کیا وجہ ہے کہ بڑی شخصیتوں کی منذورہ حرام ہو-اور چھوٹوں کی منذورہ حلال-خُلاصۃ المرام مولانا کی کلام بالکل بے ربط ہے سوچ بچار سے کام لینا چاہیے-دوم یہ کہ جو گائے سید احمد کبیر کی نذر کی گئی ہے اُس کا گوشت ڈھول بجانے والوں اور ناچ کرنے والوں کو بھی دیا جاتا ہے-اور کچھ حصہ کا شوربا

☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] انظر الىٰ قولهم والفارق انه ان قدمها ليأ كُل الخ لئلا تقع ايها الناظر فى الاضطراب۔ ١٢ ازمؤلف

[1] فقہاء کے قول "والفارق انه ان قدمها" الخ پر غور کر-تاکہ تُو اِضطراب میں مبتلا نہ ہو۔ ١٢ ازمؤلف

لـحـمـهـا الى الـذفـافين والـرّقـاصين ويطبخون بعضها مرقا و لحماً ويأكل منه الـذابح و غيره فكيف صارت محرّمة مع ان الـذابح شريك فی اكل لحمها۔

قولہ۔پس وقتے کہ فتویٰ داد کہ ذبیحہ آہ۔

اقول۔ ایں کلام منقوض است باں کہ حضرت امام اعظمؒ چوں فتوے داد بحرمتِ سُوسمار نزد شافعیؒ بسبب تحریم حلال مصداق ضالین گردیدہ باشد و حضرت امام شافعیؒ چوں فتوے داد بحرمتِ طاؤس نزدِ حنفی مصداق ضالین شدہ باشد فـمـا هو جوابكم فهو جوابنا۔

قولہ۔ونیت راالیٰ قولہ درحلّ وحُرمتِ اشیاء دخلے نیست۔ اقول۔ عجب است ازیں شخص کہ باوجود ادعائے دانش وعلم مختصرات اصُول رادر نظر نیاوردہ ومثال ضرب الیتیم تادیباً وایذاءً رانشنیدہ ودر کتبِ حنفیہ فرق را درشرب نبیذ تقویاً وتلہیاً ندیدہ۔

پکا کر ذابح اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں۔پس وہ کس طرح حرام ہوگئی حالانکہ ذابح خود بھی کھانے میں شریک ہے۔

قولہ۔مفتیٔ حرمت مضلّین میں داخل ہوا۔

اقول۔اس اعتبار سے تو پھر جب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سوسمار کو حرام فرماتے ہیں۔لہذا امام شافعیؒ صاحب کے نزدیک تحریم حلال کی وجہ سے مضلّین کا مصداق بنیں گے۔اور امام شافعیؒ صاحب طاؤس کو حرام کہتے ہیں۔لہذا حنفیوں کے نزدیک مضلّین میں داخل ہو گئے۔لہذا اس کا جواب جو تمہارے لیے ہے وہی ہمارے لیے ہے۔

قولہ۔نیت کو اشیاء کی حلت اور حرمت میں کوئی دخل نہیں۔اقول۔اُن حضرات پر سخت تعجب آتا ہے جو باوجودیکہ علم ودانش کا دعوے رکھتے ہیں تاہم اصُول کے مختصر مسائل کو بھی مدنظر نہیں رکھتے۔مثلاً یتیم کو ادب سکھلانے کے لئے مارنے میں اور ایذا دہی کے لئے مارنے میں کیوں فرق ہے۔نبیذ یعنی کھجور کے نچوڑ کو طاقت کے لیے پینے اور لہو ولعب کے ارادہ سے استعمال کرنے میں احکام کا تفاوت کس لیے ہے؟محض ارادہ اور نیت کی وجہ سے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تذییل

ذبح فوق العقدہ کی تحقیقِ انیق میں

بداں کہ ذبح عبارت است از قطع نمودن حلقوم و مریٔ وودجان۔ حلقوم مجری النفس است و مریٔ ککریم مجریٔ طعام وشراب و ودجان یعنی ہردوودج بفتحتین ودج شاہ رگ کہ مے باشد مابین آں ہا حلقوم ومریٔ وشاہ رگ از ہر جائے کہ قطع نمودہ شود حیوان مے میرد۔ ودر ہر موضع برائے اونامیست مخصوص پس ایں جانامِ اُو ودج و ورید است و در پشت نیاط وابہر دربطن وتین وددران نسا و درپائے اَنجل ودر دست اکحل و در ساقِ صافن۔ قطع ودجان برائے اخراج دمِ مسفوح است وقطع حلقوم و مریٔ برائے سُرعتِ اخراجِ نفس وقلتِ عذاب برائے ذبیحہ وبقطع سِہ ازاں چہار لاعلی التعین عند الامام ابی حنیفہؒ نیز حلال مے باشد۔ وفقہارا رضی اللہ عنہم درذبح فوق العقدہ اختلاف

ذبح تین چیزوں یعنی حلقوم مری و ودجان کے قطع کرنے کو کہتے ہیں۔ حلقوم وہ ہے جس میں سے سانس آتا جاتا ہے۔ اور مری (کریم کے وزن پر) وہ ہے جس میں سے کھانا پینا اندر جاتا ہے۔ ودجان وہ ہے جنہیں شاہ رگیں کہا جاتا ہے۔ حلقوم اور مری ان دو رگوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ شاہ رگ بدن کے جس حصہ میں بھی کٹ جائے جانور مر جاتا ہے۔ تمام جسم میں ہر جگہ اس کا نام علیحدہ ہے۔ گردن میں ودج یا ورید کہتے ہیں۔ پشت میں نیاط اور ابہر، پیٹ میں وتین، ران میں نسا، پاؤں میں اَنجل، ہاتھوں میں اکحل، پنڈلی میں صافن۔ ودجان کے کاٹنے سے دم مسفوح بدن سے جلدی خارج ہو جاتا ہے۔ حلقوم اور مری کے قطع ہو جانے سے روح جلدی خارج ہوتا ہے۔ تا کہ ذبیحہ کو ذبح کی تکلیف اور عذاب

عقدہ ہمارے عرف میں گرہ یعنی گھنڈی مشہور ہے۔ جس کے اُوپر سر کی جانب ذبح ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت مؤلفؒ نے حرام ہونے کی ترجیح دی ہے۔ (مترجم)

است محرم و مستحل۔ امام رُستُغفَنی بضم الراء و سکون السین المہملتین و ضم التاء ثالث الحروف وسکون الغین المعجمۃ و بالنون بعد الفاء ابُو الحسن علی بن سعد منسوب بسُوئے رُستغفن کہ دہ است از دیہات سمرقند و شیخ صاحب نہایہ و صاحب عنایہ و اتقانی و صاحب منح ناقلًا عن البزازیہ و صاحب دُرر و صاحب ملتقی وغیرہم ذبح فوق العقدہ را حلال مے گویند بہ دلیل آں کہ عقدہ را در کلامِ خُدا جل جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذکرے نیست و آں چہ ضروری ست یعنی قطع اکثرے از عرُوقِ چہار گانہ عندالامام دریں صُورت موجود۔ و حدیث **الذکاۃ ما بین اللّبۃ واللحیین** وہم چنیں عبارت مبسوط الذبح مابین اللبۃ واللحیین بلکہ عبارت جامع صغیر لا بأس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ واعلاہ واسفلہ نیز بر تقدیر ارادہ عنق از حلق کما فی القہستانی مشعر است بر حلیت آں۔ اتقانی در غایۃ البیان بر قائلین حرمت تشنیع بلیغ نمودہ **حیث قال الاترٰی الی قول محمد فی الجامع او اعلاہ فاذا ذبح فی الاعلی لا بدان تبقیٰ العقدۃ تحت ولم**

تھوڑا ہو۔ ان چار رگوں میں سے جونسی تین رگیں قطع ہو جائیں امام اعظم ابُو حنیفہؒ کے نزدیک جانور حلال ہو جاتا ہے۔ عقدہ سے اُوپر ذبح ہونے کی صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض حلال کہتے ہیں اور بعض حرام۔ امام ابُو الحسن علی بن سعد جو امام رُستغفنی کے نام سے مشہور ہیں۔ رُستُغفن سمرقند کے مضافات میں ایک بستی ہے) صاحب نہایہ کے شیخ اور صاحب عنایہ و اتقانی اور صاحب منح (جنہوں نے اس مسئلہ کو بزازی سے نقل کیا ہے) صاحبِ دُرر، صاحبِ ملتقیٰ وغیرہم حضرات ذبح فوق العقدہ کو حلال کہتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیثِ نبویؐ میں عقدہ کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ اگر حلت اور حُرمت کا تعلق اُس کے ساتھ ہوتا تو کس طرح خاموشی پائی جاتی۔ دوم امام اعظمؒ کے نزدیک چار رگوں میں سے اکثر کا کٹ جانا شرط ہے وہ بھی اس صورت میں موجود ہے یعنی تین رگیں کٹ جاتی ہیں۔ سوم حدیث شریف میں وارد ہے یعنی ذبح ہنسلی اور کلائیوں کے درمیان ہے۔ اس میں بھی عقدہ کا ذکر کہیں نہیں۔ اسی طرح مبسوط کی عبارت **الذبح ما بین اللبتہ**

يلتفت الى العقدة فى كلام الله تعالىٰ ولا كلام رسوله صلى الله عليه وسلم بل الذكاة بين اللبة واللحيين بالحديث وقد حصلت لا سيما على قول الامام من الاكتفاء بثلاث من الاربع ايّاً كانت ويجوز ترك الحلقوم اصلا فبالاولىٰ اذا قطع من اعلاه و بقيت العقدة اسفل اھ هكذا فى الحافظية و كيف يصح القول بعدم الحل على قول الا مام وقد قال يكتفىٰ بقطع الثلٰث من الاربع اىّ ثلٰثٍ كان فيجوز علىٰ هذا ترك الحلقوم اصلا فبالاولىٰ اذا قطع من اعلاه وكذا العلامة الشلبى اطال فى ردّ القول بالحرمة علىٰ وجه التشنيع بالعزو الى الاتقانى الى ان قال وهواى ماذكره الاتقانى صريح فى مخالفة ما ذهب اليه الزيلعى وكذا

و اللحيين اور جامع صغیر کی عبارت **لاء بأس بالذبح** الخ صراحۃ ذبح فوق العقدہ کی حلت پر دلالت کر رہی ہے (قہستانی نے حلق کا معنی گردن کیا ہے) اتقانی نے غایۃ البیان میں حرام کہنے والوں کو سخت بُرا بھلا کہا ہے۔ فرماتے ہیں جامع صغیر میں امام محمد کے لفظ **او اعلاہ** کو تو ملاحظہ کرو۔ جب ذبح حلق سے اوپر واقع ہو تو لامحالہ عقدہ نیچے رہ جائے گا۔ دوسرا کلامِ خُداوندی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں بھی عقدہ کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ بلکہ حدیث شریف میں تو **الذکاۃ بین اللبۃ واللحیین** فرمایا گیا ہے۔ خصوصاً امام ہمام رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق جب تین کا کہیں سے کٹ جانا کافی ہے تو حلقوم کا بالکل ترک ہو جانا بھی جائز ہو گا۔ اور جب حلقوم ترک ہو جائے تو جانور حلال ہو جاتا ہے تو عقدہ سے اُوپر کٹ جانے سے بطریق اولیٰ حلال ہو گا۔ اھ۔ حافظیہ میں ہے "امام صاحب کے فرمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذبح فوق العقدہ کو حرام کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جب کہ آپ فرما چکے ہیں کہ کوئی سی تین رگوں کا کہیں سے کٹ جانا کافی ہے لہذا جب حلقوم کا ترک جائز ہے تو حلقوم

العلامة الحموي يذكر
مانصه' وفي النهاية سئل
رستغفني عمن ترك عقدة
الحلقوم مما يلي الصدر فقال
هذا قول العوام وليس بمعتبر
الىٰ ان قال وكان شيخه اي
شيخ صاحب النهاية يفتي به
وكذا العلامة العيني لم يقل
بقول الزيلعي مع حرصه علي
متابعة بل اقتصر علي ما ذكره
في الغاية حيث قال و هذا يعني
ما ذكره الرستغفني من الجواز
صحيح لانه لا اعتبار لكون
العقدة من فوق ومن تحت الىٰ
ان قال ولم يلتفت الي العقدة لا
في كلام اللّٰه ولا في كلام
رسوله ﷺ وكذا الشيخ اكمل
الدين في العناية ذكر ان
الحديث دليل ظاهر للامام
الرستغفني ورواية المبسوط
ايضاً تساعده (علامہ ابوالسعود حاشیہ
ملا مسکین) ے گوید محرر سطور عفی عنہ ربہ
الغفور کہ ابوالسعود وعلامہ عینی را در عبارتِ مذکورہ
بالا از مستحلین شمردہ ہم

سے اُوپر قطع ہو جانے سے بطریق اولیٰ جانور
حلال ہوگا'' اسی طرح علامہ شلبی نے بھی حرام
کہنے والوں کی خوب تردید کی ہے اور اتقانی کی
طرف اس مسئلہ کو نسبت کیا ہے اور کہا ہے کہ
علامہ اتقانی نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ علامہ
زیلعی کے صراحۃً مخالف ہے اسی طرح علامہ
حموی نے بھی اتقانی کی تخصیص کا ذکر کیا ہے۔
نہایہ میں ہے کہ امام رستغفنی سے پوچھا گیا کہ
جو شخص عقدہ ترک کر دے تو جانور کا کیا حکم
ہے۔ فرمایا یہ عوام کا قول ہے یعنی حرام کہنا غیر
معتبر ہے اور ان کے شیخ یعنی صاحبِ نہایہ کے
شیخ حلت کا فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح علامہ
عینی نے بھی زیلعی کے اس قول کی (قول
بالحرمۃ) کی تائید نہیں کی۔ حالانکہ آپ زیلعی
کی متابعت پر سخت حریص ہیں۔ آپ فرماتے
ہیں۔ رستغفنی کا جائز کہنا صحیح ہے کیونکہ عقدہ
اوپر نیچے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں حتی کہ انہوں
نے اس بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ قرآن اور
حدیث میں عقدہ کا ذکر نہیں آیا۔ اسی طرح شیخ
اکمل الدین نے عنایہ میں ذکر کیا ہے کہ
حدیث شریف ظاہر طور پر امام رستغفی کی تائید
کر رہی ہے اور مبسوط کی روایت بھی رستغفنی
کے موافق ہے (علامہ ابو السعود حاشیہ ملا
مسکین)

چنیں علامہ شامی نیز حیث **قال وبہ جزم صاحب الدر روالملتقی والعینی وغیرھم**

ودر ذہنِ ناقص ایں بے ہیچ علامہ عینی را میلان بسوئے قول بالتحریم معلوم مے شود چہ عینی در صدر کلام تحریم را مدلل بحدیث دار قطنی و دلیل عقلی نمودہ بعد ازاں عبارت مذکورہ اظہاراً للخلاف نقل کردہ وتزییف **ما قالہ صاحب العنایۃ** رااعتماداً علی ظہوروہنہ ترک نمودہ حیث **قال والذبح المستحق ان یکون بین الحلق واللبۃ بفتح اللام والباء المشددۃ وھو راس الصدر فی الجامع ولا باس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ واعلاہ واسفلہ والاصل فیہ ماروی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعث منادیاً ینادی فی فجاج منی الا ان الذکوٰۃ فی الحلق (الحدیث) رواہ الدار قطنی)**

محررِ سطور کا خیال ہے کہ علامہ ابوالسعود تو علامہ عینی کو مستحلین میں سے شمار کر رہے ہیں اور اسی طرح علامہ شامی نے بھی عینی کو مستحلین میں سے شمار کیا ہے۔

لیکن میرے ذہن میں علامہ عینیؒ کا رجحان زیلعی کی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ علامہ عینیؒ نے صدر کلام میں تحریم کو دار قطنی کی حدیث اور دلیل عقلی کے ساتھ مدلل کیا ہے اور آگے چل کر اختلاف کو ظاہر کرنے کے لئے مذکورہ بالا عبارت بھی نقل فرمائی ہے اور صاحبِ عنایۃ کے قول کو کمزور سمجھتے ہوئے ترک کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں ذبح مستحق یہ ہے کہ حلق اور لبّہ کے درمیان ہو۔ لبّہ سینہ کے اوپر کو کہتے ہیں۔ جامع صغیر میں ہے کہ حلق میں جہاں بھی ہو جائے کوئی ڈر نہیں درمیان میں ہو یا اوپر نیچے اس بارے میں اصل وہ روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ منیٰ کی گلیوں میں منادی کر دے **الا ان الذکوٰۃ فی الحلق**۔ خبردار ذبح حلق میں ہے۔ رواہ دار قطنی۔

ولانه مجمع مجری النفس و مجری الطعام و مجمع العروق فیحصل بقطعه المقصود علیٰ ابلغ الوجوه وهو انهار الدم والتقیید بالحلق واللّبة یفید انه لو ذبح اعلیٰ من الحلقوم او اسفل منه یحرم لانه ذبح فی غیر المذبح ذکره فی الواقعات وفی فتاویٰ سمرقند قصاب ذبح شاة فی لیلة مظلمة فقطع اعلیٰ من الحلقوم او اسفل منه یحرم اکلها و در عینی هدایه درباره حدیث **الذکاة ما بین اللّبة واللحیین** که سند است برائے مستحلین گفته **ولم یثبت هذا الحدیث بهذه العبارة** الخ برناظر فطن از عبارت مذکوره پیدا است که علامه عینی از حلق در عبارت جامع عنق را مُراد نداشته **کما ینادی علیه قوله والتقیید بالحلق واللّبة** الخ بلکه حلقوم گرفته **کما فی القاموس قال العلامة**

دوم عقدہ چونکہ تمام رگوں کا مجمع ہے لہذا اس کے منقطع ہو جانے سے مکمل طور پر خون جاری کرنے کا مقصد حاصل ہو سکے گا۔ باقی ذبح کا حلق اور لبہ کے ساتھ مقید ہونا صراحۃً دلالت کر رہا ہے کہ حلقوم سے اوپر اور لبہ سے نیچے ذبح نہیں کیا گیا (اس کو صاحب واقعات نے ذکر کیا ہے) فتاویٰ سمرقندی میں ہے کہ اگر کسی قصاب نے اندھیری رات میں بکری ذبح کی اور حلقوم سے اور لبہ سے نیچے ذبح کر ڈالی تو اس کا کھانا حرام ہے۔ عینی نے شرح ہدایہ میں **الذکاۃ بین اللّبۃ واللّحیین** کی حدیث جو مستحلین کی سب سے بڑی دلیل ہے کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں ہوئی۔ اب علامہ عینی کی مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جامع صغیر کی عبارت میں اس نے حلق سے گردن ہرگز مُراد نہیں لی جیسا کہ "**والتقیید بالحلق واللبته**" کے الفاظ سے واضح ہو رہا ہے بلکہ حلق بمعنے حلقوم مُراد لیا ہے (**کما فی القاموس**) علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ قولہ **بین الحلق واللبتہ** حلق دراصل حلقوم کو کہتے ہیں (قاموس) یعنے عقدہ سے لے کر سینے کے اوپر

الشامی قوله بین اللّبة) فی الاصل الحلقوم کما فی القاموس ای من العقدة الیٰ مبدء الصدرو ہم چنیں در سائر متون فقہ حلقوم را مذبح قرار دادہ اند یعنی از سرِ عقدہ تا راسِ صدر محلِ ذبح است وسطش باشد یا اسفل از وسط یا اعلیٰ از وسط پس مُراد از واعلاہ در عبارت جامع اعلا از حلق یعنی فوق العقدہ نیست یدل علیہ ایضاً قولہ والتقیید الخ چُنانچہ اتقانی و اتباعش از و فہمیدہ و بناء علیہ قال ما قال بلکہ مراد وسط و اعلا و اسفل در حلق است چہ صاحب جامع **لا باس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ و اعلاہ واسفلہ** گفتہ پس در صورت بودن مُراد از اعلا فوق العقدہ منافی خواہد بُود بقول او فی الحلق) طحطاوی مے نویسد **وامّا کلام محمد فی الجامع لا باس بالذبح فی الحلق کلہ اسفل الحلق او وسطہ او اعلاہ الخ فتیعین فھمہ علیٰ ما قالہ الشمنی وملا علی لا نہ عبر اوّلاً بقولہ لا بأس بالذبح**

تک مذبح ہے اسی طرح فقہ کے تمام متون نے حلقوم کو مذبح قرار دیا ہے یعنی عقدہ سے لے کر مبدء صدر تک مذبح ہے۔ اس کے عین وسط میں یا وسط سے اوپر یا وسط سے نیچے۔ لہذا جامع صغیر کی عبارات میں **اواعلاہ** سے مُراد فوق العقدہ ہرگز نہیں ہوسکتا جیسا کہ علامہ اتقانی وغیرہم نے سمجھا ہے۔ کیوں پھر **والتقیید بالحلق** کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ بلکہ وسط، اعلیٰ اور اسفل حلق کے اندر ہی مُراد ہے۔ اور اعلیٰ سے فوق العقدہ مُراد لینے کو فی الحلق کا لفظ صاف طور پر منافی ہے۔ علامہ طحطاوی لکھتے ہیں کہ امام محمد کا جامع صغیر میں **لا بأس بالذبح فی الحلق کلہ** کہنے کا مفہوم لازمی طور پر وہی ہوسکتا ہے جو شمنی اور مُلا علی قاری وغیرہ نے لیا ہے کیونکہ جب امام محمد صاحب **فی الحلق کلہ** فرما رہے ہیں۔ تو حلق میں ذبح اُسی صورت میں ممکن ہے کہ عقدہ سر کی جانب متصل ہو۔ ورنہ پھر ذبح حلق سے خارج ہو گی حلق کے اندر نہ ہو گی۔ اھ ک۔

علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ ذبح کی جانے والی رگوں میں سے حلقوم ہے خواہ اُس کے عین وسط میں یا وسط سے اعلیٰ یا وسط سے اسفل میں

فی الحلق كله ولا يكون فيه الّا اذا كانت العقدة مما يلی الراس والا كان خارجه۔ انتهیٰ موضع الحاجة۔ وقال الشمنی وعروق الذبح الحلقوم فی وسطه او فی اعلاه او فی اسفله بعد ان يكون فيه حتیٰ لو ذبح اعلی الحلقوم او اسفل منه يحرم لا نه ذبح فی غير المذبح انتهیٰ موضع الحاجة۔

پس اتقانی وصاحب حافظیہ وعلامہ شلبی در فہم مراد جامع وعلامہ ابو السعود در انتساب قول بالاستحلال بسوئے علامہ عینی وہم چنیں در تسلیم وتصحیح ما قال الاتقانی وصاحب الحافظیۃ والعلامہ شلبی از جادہ مستقیم دور افتادند۔

وآں چہ گفتہ اند کہ ولم يلتفت الی العقدة لا فی كلام الله ولا فی كلام رسول الخ پس مبنی است بر عدم التفات بسوئے قولہ تعالیٰ الّا ما ذكيتم وحدیث مذکور۔ طحطاوی گفتہ و امّا قوله ولم يلتفت الی العقدة فی كلام اللّٰه تعالیٰ ولا فی كلام رسوله فممنوع لان اللّٰه

قطع واقع ہو لیکن اس کے اندر ضرور ہو۔ اگر حلقوم سے اوپر یعنی عقدہ سے اوپر ذبح واقع ہوئی تو جانور حرام ہو جائے گا کیونکہ ذبح اپنے محل میں واقع نہیں ہوئی۔ اھ ک۔ لہذا علامہ اتقانی اور صاحب حافظیہ و علامہ شلبی نے جامع کی عبارت کا مفہوم سمجھنے میں اور علامہ ابو السعود نے استحلال کا قول علامہ عینی کی طرف منسوب کرنے میں یا اتقانی اور صاحب حافظیہ اور شلبی وغیرہم کے قول کی تصحیح علامہ عینی کے ذمہ لگانے میں سخت غلطی کھائی ہے۔ باقی ان کا یہ اعتراض کہ قرآن اور حدیث میں عقدہ کا کہیں ذکر موجود نہیں یہ بھی آیت **الّا ما ذكّيتم** اور حدیث **ان الذكاة فی الحلق** کی طرف عدم توجہی پر مبنی ہے۔ علامہ طحطاوی اسی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے **الا ما ذكيتم** "یعنی وہ جانور حلال ہے جس کو تم ذبح کرو" اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی گلیوں میں منادی کے ذریعہ محل ذبح متعین فرما دیا ہے کہ ذبح حلقوم میں ہو۔ اور امام محمد صاحب نے **فی الحلق** کے لفظ سے جو وہم پیدا ہو رہا تھا کہ ذبح صرف حلق کے وسط ہی میں جائز ہے۔ **لا باس بالذبح**

تعالیٰ قال الّا ما ذکیتم و بین رسوله صلی اللّٰه علیه وسلم محل الذکاة فبعث منادیا ینادی فی فجاج منی اَلاان الذکاة فی الحلق الحدیث رواه الدار قطنی و محمد رحمة اللّٰه تعالیٰ انما قال ما ذکر دفعا لما یتوهم ان الذبح لا یکون الا فی وسط الحلق۔ انتهی موضع الحاجة۔

فی الحلق کله وسطه او اعلاه او اسفله کی تشریح فرما کر اس وہم کو دور کر دیا ہے کہ محل ذبح حلق ہے خواہ عین وسط میں ذبح کرو یا وسط سے اُوپر یا وسط سے نیچے۔ اھ ک

اِیں است مفاد عبارات متون کہ الذبح بین الحلق واللّبة نوشتہ اندو عبارت جامع صغیر کہ لا باس بالذبح فی الحلق کله الخ گفتہ وصاحب نقایہ و مواہب و اصلاح و زیلعی و صاحب البحرالرائق و طحطاوی صاحب ذخیرہ وصاحب واقعات و فتاوےٰ سمرقند و مُلّا علی و شمنی و شرنبلالی وصاحب شرح وقایہ وغیرہم قائل اند بحرمت ذبح فوق العقدہ وہمیں است مفاد عبارات متون کما یدل علیه تصریح شارح الوقایة بقوله فلم یجز فوق العقدة ونزدِ فقیر اصل دریں مسئلہ آں حدیث است کہ اخراج نمودہ

متون فقہ کی عباراتِ مندرجہ بالا کا یہی مفہوم ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں جو لوگ مندرجہ بالا تشریح متون فقہ کو صحیح سمجھتے ہیں اور ذبح ما فوق العقدہ کو حرام کہتے ہیں وہ حضراتِ ذیل ہیں۔ صاحب نقایہ اور مواہب، اصلاح، زیلعی صاحبِ البحرالرائق، طحطاوی صاحبِ ذخیرہ، صاحبِ واقعات وفتاویٰ سمرقندی مُلّا علی قاری شمنی شرنبلالی وغیرہم صاحبِ شرح وقایہ نے تشریح کی ہے۔ لم یجز فوق العقده۔ فقیر کے نزدیک اسباب میں اصل وہ حدیث ہے جو عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ذکر کی ہے جو حضرت ابن عباس حضرت علی اور

اوراعبدالرزاق درمصنف خودموقوفاً علی ابن عباس وعلی وعُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم **الذکاۃ فی الحلق واللبۃ** (عینی ہدایہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین پر موقوف ہے۔ **الذکاۃ فی الحلق و اللّبۃ۔**
(عینی ہدایہ)

چہ در صورت ذبح فوق العقدہ ذکاۃ فی الحلق نمے ماند اما حدیثے کہ ذکر نمودہ است اورا صاحب ہدایہ **الذکاۃ بین اللبۃ واللحیین** وتمسک گرفتہ اند بدو امام رستغفنی وتابعانِ اوپس ثابت نہ شدہ بداں عبارت **قال العینی ولم یثبت ھذا الحدیث بھذہ العبارت۔** دار قطنی اورا بہ لفظ **الا ان الذکاۃ فی الحلق واللبۃ۔** اخراج نمودہ کہ نیز سند است برائے قائلین بحرمت گو در اسناد ایں حدیث سعید بن سلام است واو را متروک الحدیث گفتہ اند **فقال فی التنقیح ھذا اسناد ضعیف بمرۃ و سعید بن سلام اجمع الامۃ علٰی ترک الاحتجاج بہ وکذ بہ ابن نمیر وقال البخاری یذکر موضوع الحدیث وقال الدار قطنی یحدث بالبواطیل متروک"** لکن از جہت متروک بودن اوجرح در متن

ظاہر ہے کہ ذبح فوق العقدہ کی صورت میں ذکاۃ فی الحلق ہرگز حاصل نہیں ہوتی باقی جس حدیث کو صاحب ہدایہ نے **الذکاۃ بین اللبۃ واللحیین** کے الفاظ سے نقل کیا ہے اور امام رستغفنی وغیرہم نے اس کے ساتھ استدلال کیا ہے بقول علامہ عینی ان الفاظ کیساتھ ثابت نہیں بلکہ دار قطنی نے اس حدیث کو **الا ان الذکاۃ فی الحلق واللبۃ** کے الفاظ سے تخریج کیا ہے جو حرام کہنے والوں کا مستدل ہے گو اس حدیث کے اسناد میں سعید ابنِ سلام راوی موجود ہے جو متروک الحدیث ہے۔ صاحب تنقیح فرماتے ہیں اس حدیث کا اسناد ضعیف ہے اور سعید ابن سلام وہ راوی ہے جس کی حدیث تمام اُمت نے بالا جماع ترک کر دی ہے۔ ابن نمیر نے اُسے جھوٹا کہا ہے اور امام بُخاری کہتے ہیں کہ وہ موضوع حدیثیں ذکر کرتا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ جھوٹی حدیثیں روایت کرتا ہے اور متروک ہے لیکن سعید کے متروک ہونے سے حدیث کے متن میں کوئی غلطی نہیں واقع ہو سکتی

حدیث و احتجاج صاحب مذہب بدو لازم نمے آید چہ سعید بن سلام راوی سافل و متاخر است از صاحبِ مذہب از برائے آں کہ او روایت کردہ از عبداللہ بن عدیل خزاعی از زہری از سعید بن مسیّب از ابی ہریرہ کمافی سُنن دار قطنی پس احتجاج صاحب مذہب و اسناد او از سعید بن سلام ہیچ تعلق نے۔ از لفظ **فی الحلق** کہ در حدیث موقوف یا مرفوع وارد شدہ ثابت گشت قولِ فقہاء کہ **العروق التی تقطع فی الذکاۃ اربعۃ الحلقوم والمرئی والودجان۔** آرے بناءً علیٰ ان **للاکثر حکم الکل** حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکتفا بقطع ثلث ای ثلاث کان فرمودہ ہمیں بود قولِ ابو یوسف اولاً۔ و در قولِ ثانی **اشتراط تعیین قطع حلقوم ومرئی واَحَدَ الوَدَجَیْنَ** نمودہ و امام محمد قطع ہر واحد از چہارے گوید گو قطع اکثر باشد از ہر واحد و امام مالک ہر چہار را بغیر از اکتفاء باکثر گفتہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اکتفاء بقطع حلقوم و مری نمودہ۔ ازیں جا ظاہر گشت کہ استحلال ذبح فوق العقدہ

اور نہ صاحب مذہب کے اس حدیث کو قابل حجت سمجھنے میں کوئی نقص لاحق ہوسکتا ہے کیونکہ ابن سلام صاحب مذہب سے متاخر اور نچلا راوی ہے۔ سعید۔ نے عبداللہ ابن عدیل خزاعی سے روایت کی ہے اُس نے زہری سے اُس نے سعید ابن مسیّب سے اُس نے ابی ہریرہؓ سے (کما فی سُننِ دار قطنی) لہذا صاحب مذہب کے احتجاج اور اسناد کو سعید ابن سلام سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور **فی الحلق** کے لفظ سے جو حدیث مرفوع یا موقوف میں موجود ہے فقہاء کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ ذبح میں چار رگوں یعنی حلقوم، مری اور ودجان کا کاٹنا ضروری ہے۔ چونکہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تین کے انقطاع پر اکتفا کیا ہے یعنی جونسی تین کٹ جائیں ذبح صحیح ہو جائے گی۔ امام یوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے۔ دوسرے قول میں اُنہوں نے حلقوم، مری اور ودجین میں سے ایک کا کاٹنا شرط قرار دیا ہے۔ امام مالک چاروں کا قطع کرنا لازم سمجھتے ہیں اور امام شافعی صاحب حلقوم اور مری کے قطع ہو جانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ ذبح فوق العقدہ کی

مخالف است از حدیث مذکور واز مذاہب
ائمہ اربعہؒ چہ ذبح فوق العقدہ ہرالفظ فی الحلق
وہم چنیں مذہبی از مذاہبِ اربعہ شامل نیست
از برائے آں کہ دریں صورت قطع و دجان
محقق است فقط آرے لفظ **بین اللّبۃ**
واللحیین شامل مے شود ولکن تصریح
نمود علامہ عینی بعدم ثبوت او بعبارت مذکورہ
کمامرّ۔ لہٰذا صاحبِ بحرالرائق بعد نقل قولِ
امام رستغفنی گفتہ **وھذا مشکل فانہ**
لم یوجد فیہ قطع الحلقوم ولا
المرئی واصحابنا رضی اللّٰہ
عنھم وان شرطوا قطع الاکثر
فلابد من قطع احدھما عند
الکل واذا بقی شیء من عقدۃ
الحلقوم مایلی الرأس لم
یحصل قطع واحد منھما فلا
یوکل بالاجماع انتھٰی۔ مے گوید
محررسطور عفی عنہ **قولہ بالاجماع قید**
للنفی لاللمنفی۔ فتدبر۔ طحطاوی
گفتہ **والذی ظھرلی ان الحق**
قول الزیلعی ومن معہ الخ
صاحبِ ذخیرہ نوشتہ **قال فلم**

صورت میں **فی الحلق** پر عمل نہیں ہوسکتا
ہاں شاہ رگیں ضرور کٹ جاتی ہیں۔ ہاں
الذکاۃ بین اللّبۃ واللحیین کی
حدیث **ذبح فوق العقدہ** کو شامل ہوسکتی
ہے۔ لیکن وہ ثابت نہیں کمامر۔ اسی لیے
بحرالرائق نے رستغفنی کا قول نقل کرنے کے
بعد لکھ دیا ہے کہ یہ مشکل ہے کیونکہ اس صورت
میں مرّی اور حلقوم قطع نہیں ہوتے اور اصحابِ
حنفیہؒ کے نزدیک اکثر کا قطع کرنا شرط ہے۔
لہٰذا مرّی اور حلقوم میں سے ایک کا کاٹنا تو
سب ائمہ کے نزدیک ضروری ہوا۔ اب اگر
عقدہ چھوڑ دیا جائے تو ان میں سے ایک بھی
قطع نہیں ہوگی۔ لہٰذا بالاتفاق اس کا کھانا
ناجائز ہوگا۔ اھ ک۔ محررسطور عفی عنہ ربہ الغفور
کے نزدیک بالاجماع کا لفظ نفی کی قید ہے نہ منفی
کی یعنی بالاجماع کا تعلق **لا یوکل** کے
ساتھ ہے۔ نہ **لم یحصل قطع واحد**
منھما کے ساتھ تدبر۔ علامہ طحطاوی لکھتے
ہیں۔ مجھے جو چیز معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ
زیلعی اور اُس کے متبعین کا مذہب حق ہے۔
صاحبِ ذخیرہ لکھتے ہیں کہ ذبح فوق العقدہ
ناجائز ہے۔ عقدہ گردن میں بلند مقام کو کہتے

یــجــزفــوق الــعــقــدة۔ وهــی الــمــوضــع الــمــرتفع فی اعلیٰ الـعـنـق وانـمـا لم یجزلانه لم یـوجـد فـیـه قـطـع الـحـلقوم والمرئی انتهیٰ۔

ہیں۔ عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ کی صورت میں حلقوم اور مری قطع نہیں ہوتیں۔ اھ ک

زیلعی آوردہ واصـحـابـنـا رحمهم الله وان اشترطوا قطع الاکثر فـلا بـد مـن قـطـع احدهما ای الـحـلـقوم والمرئی عند الکل واذ لـم یـبـق شـیء مـن عـقدة الـحـلـقـوم ممایلی الراس لم یـحصل قطع واحد منهما فلا یـوکـل بـالاجـمـاع وکذالک الشـمـنـی قال وعروق الذبح الـحـلـقوم فـی وسطـه اوفی اعـلاه اوفـی اسـفـلـه بعد ان یـکـون فیه حتیٰ لو ذبح اعلی الـحـلـقـوم او اسفل منه یحرم لانّه ذبح فی غیر المذبح۔ اھ

زیلعی کہتے ہیں کہ یہ ہمارے ائمہ حنفیہؒ نے چونکہ تین رگوں کا کاٹنا شرط قرار دیا ہے لہذا مری اور حلقوم میں سے ایک کا کاٹنا ضروری ہو گا۔ اور جب عقدہ تمام کا تمام جسم کے ساتھ متصل رہ جائے تو پھر ان میں سے ایک بھی قطع نہیں ہوگی لہذا اس کا کھانا بالاجماع ناجائز ہو گا۔ اسی طرح علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ ذبح کی جانے والی رگوں میں سے حلقوم بھی ہے خواہ اس کے وسط میں قطع واقع ہو خواہ وسط سے اوپر یا وسط سے نیچے بہرکیف ذبح حلق کے اندر ہی ہونی چاہیے۔ لہذا اگر کوئی شخص حلقوم سے اوپر ذبح کرے یا نیچے تو مذبوحہ حرام ہو جائے گی کیونکہ اس نے محل ذبح میں سے ذبح نہیں کیا۔ اھ ک۔

وذکـر نـحـوه ملّا علی وذکره الشـرنبلالـی عـن الزیلعی و اقـره۔ طـحـطـاوی۔ وبناءً علیه صاحبِ ہدایہ گفتہ الا انه لا یمکن

ملا علی قاری اور شرنبلالی وغیرہ نے بھی زیلعی سے اس طرح نقل کیا ہے اور طحطاوی نے اس کی توثیق کی ہے۔ اسی بناء پر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ تین رگوں کا قطع ہونا حلقوم کے قطع

قطع هٰذه الثلاثة الا بقطع الحلقوم۔ ہدایہ صفحہ ۴۲۱ سطر ۷ مقدسی ورملی از جانب امام رستغفنی جواب دادہ اند۔ **قال المقدسی قوله لم یحصل قطع واحد منهما ممنوع بل خلاف الواقع لانّ المراد بقطعهما فصلهما عن الراس او عن اللّبة آه وقال الرملی لا یلزم منه عدم قطع المری اذ یمکن ان یقطع الحرقد کذبرج وهو اصل اللّسان وینزل علی المرئی فیقطعه فیحصل قطع الثلٰثة انتهٰی۔** مے گوید محرر سطور عفی عنہ ربہ الغفور کہ وَدَج حسب تصریح علماء متصل است براس قال العینی **وقال اللّیث الودج عرقٌ متصل من الراس الیٰ النحر انتهٰی۔** ومرئی متصل است بحلقوم **قال العینی مری الجزور والشاة المتصل بالحلقوم۔** وکسے از اہلِ لسان تصریحے نفرمودہ کہ مرئی متصل است براس بلکہ حس شہادت مے دہد برآں چہ عینی ناقلاً عن العباب گفتہ **فما قال الرملی**

بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہدایہ ص ۴۲۱ سطر ۷۔ مقدسی اور رملی نے امام رستغفنی کی طرف سے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ مقدسی کہتے ہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذبح فوق العقدہ کی صورت میں حلقوم اور مری میں سے ایک بھی قطع نہ ہوگی بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ قطع سے مُراد ان رگوں کا سر سے یا سینہ سے جُدا ہو جانا ہے اور یہ حاصل ہو جاتا ہے رملی کہتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مری قطع نہ ہو کیونکہ ممکن ہے بیخ زبان کو قطع کرتے ہوئے چھری پھسل کر مری پر جا پڑے اور مرئی منقطع ہو جائے تو تین کا کٹ جانا حاصل ہو جائے گا۔ اھ ک۔

فقیر محرر سطور رحمہ ربہ الغفور (فرماتے ہیں) وَدَج یعنی شہ رگ کا تعلق حسبِ تصریح علماء سر اور دماغ کے ساتھ ہے۔ علامہ عینی نے لیث سے نقل کیا ہے کہ وَدَج اُس رگ کو کہتے ہین جو سر سے لے کر سینے تک موجود ہے اور مری کا تعلق صرف حلقوم کے ساتھ ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اونٹوں اور بکریوں کی مری حلقوم کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ یعنی عقدہ تک ختم ہو جاتی ہے۔ کسی اہل زبان سے یہ تصریح ثابت نہیں ہوئی کہ مری سر کے ساتھ متصل

امکان "محض" لا یفید ھھنا۔

ہے بلکہ حسن نے عینی کی رائے کو وقیع سمجھا ہے اَب آپ غور فرمائیں کہ رملی صاحب کا امکان یہاں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

واما ما قال المقدسی ان المراد بقطعهما فصلهما عن الراس او عن الاتصال باللبة فیأبیٰ عنه قولهم فی الحلق کما ورد فی الحدیث و متون الفقه اذا اخذ الفصل علی الاطلاق وبدونه یلزم القرار علیٰ ما عنه الفرار ویظهر من تحویل العلامة الشامی علی المشاهدة او السوال عن اهل التجربة عدم رضائه واطمینانه بما قال المقدسی والرملی والله اعلم۔

مقدسی صاحب کا یہ کہنا کہ قطع سے مُراد انفصال ہے۔ سر کی طرف سے ہو جائے یا سینہ کی طرف سے محل تامل ہے۔ کیوں کہ انفصال اگر مطلق ہے تو پھر حدیث فی الحلق اور جملہ متون فقہ کے خلاف ہے اور اگر انفصال مقید ہے جیسا کہ فی الحلق سے صراحۃً معلوم ہورہا ہے تو پھر مقدسی صاحب کے لئے **قرارما عنه الفرار** لازم آئے گا۔ علامہ شامی جب اس تحقیق کو معائنہ اور اہلِ تجربہ سے سوال کرنے کے سپرد کر رہے ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی مقدسی اور رملی کی تحقیق پر ہرگز مطمئن نہیں ہے۔

باید دانست کہ بر تقدیر تسلیم ثبوت عبارت حدیث **الذکاة ما بین اللّبة واللحیین** اطلاق او محمول است بر تقیید **الاان الذکاة فی الحلق علی ما صرح به الشمنی ومُلّا علی وغیرهما من شراح الهدایة۔ کما قالو فی عبارة**

فائدہ: گذشتہ اوراق میں ہم لکھ چکے ہیں کہ حدیث **الذکاة بین اللّبة واللّحیین** ثابت نہیں لیکن اگر تسلیم کرلیا جائے کہ ثابت ہے تو اس کا اطلاق **الا ان الذکاة فی الحلق** کی تقیید پر محمول ہوگا یعنی پہلی حدیث مطلق ہے دوسری نے اسے مقید کردیا ہے۔ ہدایہ کے شراح اور علامہ شمنی

المبسوط والجامع قال فی النهایة بینهما اختلاف من حیث الظاهر لانّ روایة المبسوط تقتضی الحل فیما اذا وقع الذبح قبل العقدة لانه بین اللَبّة واللحیین وروایة الجامع تقتضی عدمه لانه اذا وقع قبلها لم یکن الحلق محل الذبح فکانت روایة الجامع مقیدة لا طلاق روایة المبسوط وقد صرح فی الذخیرة بان الذبح اذا وقع اعلیٰ من الحلقوم لا یحل لان المذبح هو الحلقوم انتهیٰ موضع الحاجة۔ شامی وھکذا قال السکاکی ذکره العینیٰ فی شرح الھدایة۔

اور مُلّا علی قاری وغیرہم نے مبسوط اور جامع کی عبارتوں کی تحقیق میں اس کی تصریح کی ہے۔ نہایہ میں ہے کہ گو ظاہری طور پر ان دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے یعنی مبسوط کی روایت حلت کی مقتضی ہے کیونکہ مافوق العقدہ لبہ اور لحیین کے درمیان ہے اور جامع صغیر کی روایت تحریم کی مقتضی ہے۔ کیوں کہ ذبح فوق العقدہ کی صورت میں ذبح حلق میں نہ ہوگی لیکن درحقیقت جامع صغیر کی روایت نے مبسوط کی روایت کو مقید کر دیا ہے۔ اسی لیے صاحب ذخیرہ نے تصریح کر دی ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے جانور حلال نہ ہوگا کیونکہ محل ذبح حلقوم ہے۔ انتھیٰ۔ شامی اور علامہ سکاکی نے بھی یونہی کہا ہے جیسا کہ علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں ذکر کیا ہے۔

اِیں جا تبرکاً و تائیداً سطرے چند از مکتوبات قدوسیہ رضی اللہ تعالیٰ عن صاحبہا نقل نمودہ مے شود۔ معدن اسرارِ ربانی و بحرِ دُرّ معانی حضرت مولانا شیخ المشائخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرّہٗ در مکتوب صد وسی و پنجم مے نویسند و اگر حلقوم بُریدہ نہ شود و در طرف سینہ گرہ او عند ذبح فرو افتد و ہیچ ازاں بریدہ نشود بدیں ذبح

یہاں چند سطریں مکتوبات قدوسیہ کی رضی اللہ عن صاحبہا تبرّک اور تائید کی غرض سے نقل کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ معدنِ اسرارِ ربانی و بحرِ دُرِّ معانی حضرت مولانا شیخ المشائخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرّہٗ اپنے مکتوب نمبر ۱۳۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر حلقوم قطع

بالاعقدہ واقع شود وذبیحہ حلال نہ باشد دریں احتیاط نیکو باید کرد کہ اگر چہ بعضے روایات مرجوحہ در حلِ اوست حلال نہ پندارند وآں روایات را معتبر و مفتی بہ ندانند کہ کارِ دین است و کارِ حل و حرمت است ایں امورِ معظّمہ را نیکو نگاہ دارند ومہمل نگذارند تا رونقِ اسلام و پاکی مسلمانانِ برکمال باشد و گوشتِ اسپ ہر چند در حلِ او اختلاف است ۔ چوں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ مکروہ مے دارند بکراہیت تحریمی چناں کہ در ذخیرہ و ہدایہ مسطور است وایں روایت از و بصحت پیوستہ است و صاحبِ کنز و وقایہ در سلک لا تحل کشیدہ است وحرام داشتہ است خوردن آں نشاید وترکِ اکلِ آں لازم آید زیرانکہ چوں حل و حرمت جمع شود حرمت را ترجیح دہندہ گردآں نگردند کہ در واخذ است و روایات مختار در بابِ ذبح ایں است فی الذخیرۃ وفی فتاویٰ سمرقندی قصاب" ذبح شاۃ فی لیلۃ مظلمۃ فقطع اعلیٰ من الحلقوم او اسفل منہ یحرم اکلھا لانہ ذبح فی غیر المذبح لان المذبح ھوالحلقوم فان قطع البعض

نہ ہو اور گرہ بدن کی طرف رہ جائے اور گرہ کا کچھ حصہ بھی نہ کٹے تو ذبیحہ حلال نہ ہوگی ۔ اس میں اچھی طرح احتیاط کر لینی چاہیے ۔ اگر چہ بعض روایتوں سے حلت معلوم ہوتی ہے مگر پھر بھی اُسے حلال نہ سمجھیں اور ان روایتوں کو معتبر اور مفتی بہ گمان نہ کریں ۔ کیونکہ یہ دین کا کام ہے ۔ حلت اور حرمت کا معاملہ ہے اسے معمولی نہ سمجھنا چاہیے تا کہ اسلام کی رونق اور مسلمانوں کی پاکی مکمل رہے ۔ گھوڑے کا گوشت اگر چہ اس کی حلت میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکروہ تحریمی کہتے ہیں جیسا کہ ذخیرہ اور ہدایہ وغیرہ میں موجود ہے ۔ کنز اور وقایہ نے بھی اسے حرام کہا ہے لہذا اس کے کھانے سے احتراز لازم ہے ۔ کیونکہ جب حلت اور حرمت میں اختلاف ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ اس میں سزا کا خطرہ ہے ۔ ذبح کے مسئلہ میں چند معتبر روایات یہ ہیں ۔ ذخیرہ اور فتاوے سمرقندی میں ہے کہ اگر قصاب نے اندھیری رات میں بکری ذبح کی اور گرہ سے اوپر ذبح ہوگئی تو اس کا گوشت کھانا حرام ہے ۔ کیوں کہ محل ذبح حلقوم ہے اور کی ذبح غیر محل میں واقع ہوئی ہے ۔ اگر پہلی دفعہ گرہ سے اوپر

ثم علم فقطع مرة اخری
الحلقوم قبل ان یموت بالاول
فهذا علیٰ وجهین امّا ان قطع
اوّل بتمامه او قطع شیئًا منه
ففی الوجه الاوّل لا یحل وفی
الوجه الثانی یحل وفی حل
الوقایة (م[1]) وزکواة الضرورة
جرح این کان من البدن
والاختیار ذبح بین الحلق
واللّبة وعروقه الحلقوم
والمرئی والودجان (ش)
الحلقوم مجری النّفس
والمرئی مجری الطعام
والشراب (م) فلم یجز فوق
العقدة وفی تحفة الفقهاء فی
الغیائی وان قطع الحلقوم
والمرئی واکثر من احد
الودجین یحل والّا فلا هو
الصّحیح من الروایات
والمختار کذالک لو قطع احد
الودجین معهما وفی الکنز

چھری چل گئی اور کچھ حصہ کٹ گیا بعد میں فوراً
معلوم ہونے پر گرہ سے نیچے دوبارہ ذبح کیا
بشرطیکہ بکری پہلے وار سے مر نہ چکی ہو تو اس کی
دو صورتیں ہیں۔ اگر پہلی دفعہ گرہ سے اوپر
بالکل گردن جُدا ہو چکی ہے پھر تو حرام ہو چکی
ہے لہٰذا دوبارہ صحیح ذبح کرنے سے حلال نہ ہو
گی۔ اور اگر پہلی دفعہ کچھ حصہ قطع ہوا ہے اور
پتہ چل گیا پھر صحیح مقام سے ذبح کر لی تو حلال
ہو گی۔ حل وقایہ میں ہے ذبح اضطراری میں
جسم کے جس حصہ میں بھی زخم پہنچ جائے جانور
حلال ہو جائے گا اور ذبح اختیاری میں حلق اور
سینے کے درمیان ہی ذبح واقعہ ہونی چاہیے۔
چار رگیں ذبح میں قطع کی جاتی ہے حلقوم، مری
اور ودجان۔ حلقوم سانس لینے کی رگ کو کہتے
ہیں اور مری جس سے کھانا وغیرہ اندر جاتا ہے
لہٰذا گرہ سے اوپر ذبح کرنا ناجائز ہو گا۔ تحفۃ
الفقہاء میں ہے کہ اگر حلقوم اور مری اور شہ
رگوں میں سے ایک کا اکثر حصہ کٹ جائے تو
حلال ہے ورنہ نہیں۔ یہ روایت صحیح اور مختار
ہے۔ اسی طرح اگر ایک سالم ان میں سے
کٹ جائے تو بطریق اولیٰ حلال ہے کنز میں
ہے۔ ''ذبح حلق اور سینے کے درمیان میں ہے

[1] م متن اور ش شرح کی نشانی ہیں۔۱۲

والذبح بين الحلق واللّبة والمذبح الحلقوم والمرئى والودجان وقطع الثلاث كاف وفى حاشيته وعنه يشترط قطع الحلقوم والمرئى واحد الودجين وعندهما لا بد من قطع اكثر كلّ واحد من هٰذه الاربعة وهو رواية عن ابى حنيفةؒ وعند مالك يشترط قطع الكل ولا يكفى قطع الثلث عنده ايضاً فى حاشيته وقال الشافعیؒ ان قطع الحلقوم والمرئى يحل وان لم يقطع الودجان وفى شرح النافع والعروق الّتى تقطع فى الزكاة اربعة لقوله عليه السّلام افرِالاوداج بما شئت فيتناول المرئى والودجين لانه اسم جمع واقله ثلٰثة وقطع هٰذه الثلاثة لا يمكن الا بقطع الحلقوم فثبت قطع الحلقوم باقتضائه وايضاً فيه۔

اور مذبح حلقوم، مری اور ودجان ہیں اور تین کا کٹ جانا کافی ہے"۔ کنز کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ امام اعظم صاحبؒ کے نزدیک حلقوم، مری اور ایک شہ رگ کا قطع کرنا شرط ہے اور صاحبین کے نزدیک چاروں کا اکثر حصہ منقطع ہونا ضروری ہے یہ روایت امام صاحبؒ سے بھی ثابت ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک تین پر اکتفا درست نہیں بلکہ چاروں کا قطع ہونا ضروری ہے۔ کنز کے حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام شافعیؒ صاحب کے نزدیک حلقوم اور مری کے قطع ہو جانے سے ذبیحہ حلال ہو جاتی ہے اگر چہ ودجان منقطع نہ ہوں۔ شرح نافع میں ہے ذبح میں جن رگوں کا قطع کرنا ضروری ہے وہ چار ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ جس چیز سے چاہے جانور کی رگیں کاٹ دیں لہذا اوداج، مری اور ودجان کو بھی شامل ہوگا۔ کیونکہ اوداج اسم جمع ہے کم از کم تین پر مشتمل ہونا لازم ہے۔ اور ان تینوں کا منقطع ہونا بغیر حلقوم کے ناممکن ہے۔ لہذا حلقوم کا منقطع ہونا اقتضاءً ثابت ہوگا۔

---------- **قوله فلا بد من قطع الحلقوم والمرئی وھذا من تمام الدلیل ای لما ناب احد الوجین عن الأخر یکتفی باحد ھما ولما کان المرئی مخالفاً بالحلقوم ولا ینوب احد ھما مناب الأخر فیشترط قطعھما وفی المعدن ای و محلّ ذبح البقر والغنم بین الحلق واللّبة حتی لو وقع الذبح فوق الحلق قبل العقدة ولم یکن الحلق محل الذبح فتحرم الذبیحة لانہ جعل الحلق محل الذبح وانہ ینتھی بالعقدۃ۔**

اسی کتاب میں یہ بھی موجود ہے کہ حلقوم اور مری کا قطع کرنا ضروری ہے گویا یہ پہلی دلیل کا تتمہ ذکر کیا گیا ہے یعنی وَدْ جان چونکہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوسکتی ہیں لہذا ایک پر اکتفا جائز ہے لیکن مری اور حلقوم علیحدہ علیحدہ ہیں لہذا ایک دوسرے کے قائم مقام نہ ہوسکنے کی وجہ سے دونوں کا قطع کرنا شرط ہوگا۔ معدن میں ہے کہ گائے اور بکری کے ذبح کرنے کی جگہ حلق اور لبہّ کے درمیان میں ہے لہذا اگر ذبح حلق سے یعنی گرہ سے اوپر واقع ہوتو ذبیحہ حرام ہوگی۔ کیونکہ حلق محل ذبح ہے اور وہ عقدہ پر ختم ہوجاتا ہے۔

ولم یکن الحلق محلا للذبح فتحرم الذبیحة وما روی فی المبسوط الزکوٰۃ بین اللّبة واللحیین محمول علیٰ ما اذا وقع الزکوٰۃ فی الحلق بعد ان یکون ما بین اللّبة واللّحیین وقد صرح فی ذبائح الذخیرة ان الذبح اذا وقع اعلیٰ من

لہذا محل ذبح میں ذبح واقع نہ ہونے کی وجہ سے ذبیحہ حرام ہو جائے گی اور مبسوط میں جو روایت ہے کہ ذبح لبہّ اور لحیین کے درمیان ہے تو وہ محمول ہے اس پر کہ ذبح حلق میں واقع ہو اس طریقے سے کہ سینہ اور کلائیوں کے درمیان

الحلقوم لا يحل واللّٰه اعلم وامّا اللّبة فمحل ذبح الابل والحلق (نائی گلو) واللّبة بفتح اللّام النحر من الصدر وذكر فی المبسوط الزكوٰة ما بين اللّبة واللّحيين وهذا يدلّ علٰے ان اعلیٰ الحلق واوسطه واسفله فی ذلک سواء و يقتضی الحل فيما اذا وقع الذبح فوق الحلق قبل العقدة وهو بين اللّبة واللّحيين فيحل وذكر فی جامع الصغير لا بأس بالذبح فی الحلق كله وسطه واعلاه واسفله وهذا يدل علیٰ ان المذبح الحلق وانه انتهیٰ بالعقدة فلما وقع الذبح قبل العقدة لم يكن الحلق محل الذبح المقيد وهو ان يقع الزكوٰة فی الحلق بعد ان يكون ما بين اللّبة واللّحيين فلا يجوزو كان بين روايتی المبسوط والجامع الصغير

سے قطع ہو۔ ذبائح ذخیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر ذبح حلقوم سے اوپر واقع ہو تو ذبیحہ حلال نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ لبہ اونٹ کے ذبح کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور حلق گلے کو کہتے ہیں۔ مبسوط کی روایت **الذكاة بين اللّبة واللّحيين** سے مطلقاً جواز معلوم ہوتا ہے۔ حلق سے اوپر ذبح ہو یا وسط یا نیچے اس صورت میں ذبح فوق العقدہ حلال ہوگی۔ کیونکہ فوق العقدہ بھی لبہ اور لحیین کے درمیان میں ہے اور جامع صغیر کی روایت **لا باس بالذبح فی الحلق كله وسطه او اعلاه و اسفله** دلالت کرتی ہے محل ذبح حلق ہے اور وہ عقدہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا ذبح فوق العقدہ حرام ہوگی۔ فقہ کی ان دونوں روایتوں میں ظاہراً اختلاف نظر آتا ہے۔ مگر اس کی توجیہ ہوسکتی ہے۔ اس طرح کہ مبسوط کی

اختلاف من حيث الظاهر الاان تأول بان يقال كان المراد من اطلاق الرواية بان الزكوٰة ما بين اللّبة واللّحيين المقيد وهو ان يقع الزكوٰة فى الحلق بعد ان يكون ما بين اللّبة واللّحيين وقد صرح فى ذبائح الذخيرة بان الذبح اذا وقع اعلىٰ من الحلقوم لا يحل فقال فى فتاوٰے سمرقندى قصاب ذبح الشاة فى ليلة مظلمة اعلےٰ من الحلقوم اواسفل منه يحرم اكلها لانه ذبح فى غير المذبح لانّ المذبح هو الحلقوم۔

روایت کا اطلاق جامع کی روایت سے مقیّد ہے یعنی ذبح سینے اور کلائیوں کے درمیان میں ہی ہے۔ لیکن جس وقت کہ حلق کے اندر ہو۔ اھ ک

☆☆☆☆☆

باب سوم

در بیان معنی نذر و ما یتعلّق بہٖ

بداں کہ لفظ نذر را دو معنیٰ است (۱) شرعی و (۲) عرفی نذر شرعی کہ واجب الادا ست واجب گردانیدن مومن است طاعت مقصود را بالذات غیر واجبہ را بر خود کہ از جنسِ او عبادات در شرع شریف مشروع باشند۔ پس نظر بقیودِ مذکورہ نذر (۱) معصیت و (۲) نذر بہ نماز ظہر مثلاً و نذر (۳) بوضو و نذر (۴) بعیادت مرضیٰ واجب الادا نخواہند بود و نذر بہ ہمیں معنی شرعی عبادات است و مخصوص است بحق سُبحانہٗ وتعالیٰ۔ و عُرفی رسانیدن شخص ادنٰے است چیزے را بخدمت اعلیٰ کہ در فارسی تعبیر کردہ شود بہ لفظِ نیاز و ہمیں است مُرادِ عوام از لفظِ نذر کہ مے گویند۔ بشرط برآمد کار ایں قدر نذر حضرت غوثِ اعظم قدس سرّہ خواہم داد۔ چہ معنی شرعی اصلاً در ذہنِ اوشاں حاصل نہ شدہ **فکیف یریدون ما لیس بحاصلٍ فی**

جاننا چاہیے کہ لفظ نذر کے دو معنی ہے (۱) شرعی و (۲) عرفی۔ نذر شرعی جو واجب الادا ہے۔ اُس کا معنے شرع شریف میں یہ ہے مومن کا طاعت مقصود بالذّات کو اپنے آپ پر واجب کرنا وہ طاعت خود پہلے قبل از نذر واجب نہ ہو مگر اس عبادت کے جنس سے دوسرے عبادات مشروع ہوں۔ ان قیود سے حسب ذیل اشیاء نذر کی تعریف سے خارج ہوگئیں۔ (۱) نذرِ معصیت۔ یہ خارج ہوئی قیدِ طاعت سے (۲) نذرِ نماز ظہر۔ یہ خارج ہوئی قید خود واجب نہ ہونے سے (۳) نذرِ وضو یہ خارج ہوئی قید مقصودہ بالذّات سے اس واسطے کہ وضو مقصود بالذّات نہیں بلکہ وضُو سے مقصود نماز ہے۔ (۴) نذر عیادتِ مریض کیونکہ عیادت سُنت ہے واجب نہیں۔ اور نذر اسی معنے شرعی کی رُو سے عبادت ہے اور خاص ہے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے لئے (اور غیر کی نذر اسی معنی کی رو سے شرک ہے اور حرام)

اذھانھم حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم مے فرماید (یعنی ایں نذر آں است کہ اہداء ثواب طعام و انفاق و بذل مال بروحِ میت کہ امریست مسنون واز روئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل **ماوردفی الصحیحین من حال ام سعد وغیرہ** ایں نذر مستلزم مے شود پس حاصل ایں نذر آں است کہ مثلاً اہداء ثواب ہذا القدر الٰی روحِ فلان وذکر ولی برائے تعین عمل منذور است نہ برائے مصرف ومصرف ایں نذر نزدِ ایشاں متوسّلان آں ولی مے باشند از اقارب وخدمہ وہم طریقان وامثال ذٰلک وہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ وحکمہ **انہ صحیح یجب الوفاء بہ لانہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع** آرے اگر آں ولی را حلالِ مشکلات بالاستقلال یا شفیع غالب اعتقاد مے کنند ایں عقیدہ او منجر بشرک وفساد مے گردد۔ لیکن ایں عقیدہ چیزے دیگر است و نذر چیزے دیگر۔ انتہیٰ۔ فتاویٰ عزیزی۔

(۲) نذرِ عُرفی۔ اس کو فارسی میں نیاز کہتے ہیں اور یہ عبارت ہے اس سے کہ کوئی ادنےٰ شخص کسی اعلیٰ شخص کی خدمت میں کوئی شے پہنچائے اور عوام مسلمین جب یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر میرا کام ہو گیا تو اس قدر نذر حضرت غوثِ اعظم قدس سرّہٗ کی دوں گا۔ تو ان کی مراد معنے عرفی ہوا کرتے ہیں اور معنی شرعی ان کی مُراد نہیں ہوا کرتے اس واسطے کہ معنی شرعی ہرگز ان کے ذہن میں حاصل نہیں ہوتے اور جو چیز ان کے ذہن میں نہیں کس طرح اس کو مُراد لے سکتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم فرماتے ہیں۔ اس نذر عُرفی کے یہی معنے ہیں اور یہی اس کی حقیقت ہے کہ میت کی روح کو طعام کا ثواب ہدیہ کیا جائے یا مال کے خرچ کرنے کا ثواب اس میت کے روح کو پہنچایا جائے اور یہ امر مسنون اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ بُخاری اور مسلم میں جو اُمِ سعد کا حال مروی ہے وہ اس نذر کو مستلزم ہے پس حاصل اس نذر کا یہ ہے کہ فلاں بزرگ کی روح کو اس قدر ثواب ہدیہ کرتا ہوں۔ اور ولی بزرگ کا نام اس واسطے لیا جاتا ہے کہ عمل منذور کی تعین ہو جائے نہ اس واسطے کہ وہ ولی مصرف

ہے طعام یا مال کا بلکہ مصرف اس طعام یا مال کا اس ولی کے اقرباء اور خادم و ہم طریقت ہوتے ہیں اور اس کے امثال اور یہی مقصود نذر کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ بلاشبہ اور حکم اس کا یہ ہے کہ یہ نذر صحیح اور اس کی وفا واجب ہے۔ اس لیے کہ یہ قربت شرع میں معتبر ہے۔ ہاں اگر ولی کو حل کرنے والا مشکلات کا مستقل طور پر یا شفیع غالب اعتقاد کرے تو یہ عقیدہ اس کو شرک و فساد کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ الگ چیز ہے اور نذر الگ چیز (فتاویٰ عزیزی)

ازیں جا دانستی کہ حرمت اشیاء منقولہ بسوئے قبور اہل اللہ بحسب تصریحات فقہاء مقید است۔ بآں کہ اہل قبور را بنفوسِ نفیسہ اوشاں مصرف قرار دہد چہ دریں صورت بوجہ اسراف بودن او حرام خواہد بود بخلاف آں صورت کہ متوسلانِ اہل قبور را مصرف گرداند۔ **فما قال صاحب البحر الرائق فما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت و غیر ھما وینقل الیٰ ضرائح الاولیاء تقرباً الیھم فحرام باجماع المسلمین۔ محمول علی ما**

یہاں سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو اشیاء اہل اللہ کے مزارات پر لوگ لے جایا کرتے ہیں اُن کی حرمت فقہا نے اس صورت کے ساتھ مقید کی ہے کہ وہ اہل اللہ خود بنفوسِ نفیسہ ان اشیاء کا مصرف قرار دیئے جائیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں ان اشیاء کا وہاں لے جانا بوجہ اسراف ہونے کے حرام ہوگا۔ مگر جب مصرف وہ اہل اللہ خود بنفوسِ نفیسہ نہ ہوں بلکہ ان کے اقارب اور خادم اور ہم طریقہ اور متوسلین اہل قبور ہوں تو بوجہ اسراف نہ ہونے کے حرمت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ حرمت کی علت اسراف تھا۔ جب علت نہ رہی معلول بھی نہ رہا۔ بحر الرائق

ذکرنا درفوائد بُرہانیہ مے نویسد۔ حاجی محمد رفیع الدین خان مُرادآبادی قدس سرّہٗ بر بعض مقام بر ترجمہ بدور سافرہ مصنفہ جلال الدین سیوطی برّد اللہ مضجعہ نوشتہ اند نذر بزرگان کہ برائے قضاء حوائج معمول و مرسُوم است حقیقتِ آں نذرآں است کہ اہدائے ثوابِ طعام و بذلِ مال برُوحِ میت کہ امریست مسنُون ازرُوئے احادیث صحیح ثابت مثل آں چہ در بُخاری و مسلم از حال اُمِ سعد وغیر آں انتہٰی موضع الحاجۃ۔

وہم درفوائد بُرہانیہ آمدہ **مسئلہ**۔ اگر مالِ منذور بنام احیاء مستحقین مقرر کند مُراد آنست کہ نذر برائے خدائے تعالیٰ است و ثواب بنا ذرو ذکر فقراء منذور لہم بیان مصرف اوست **قال النبی علیہ السلام الصدقۃ تقع فی کف الرحمٰن** وآں چہ در بعضے کتب است کہ **نذر الاولیاء حرام**"۔ مُراد آنست کہ

میں جو کہا گیا ہے کہ اولیاء کی قبور پر جو دراہم اور موم بتی اور تیل دیا جاتا ہے کہ ان کا تقرب حاصل کریں یہ حرام ہیں باجماع المسلمین تو اس کا مطلب بھی یہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔
فوائد بُرہانیہ میں حاجی محمد رفیع الدین خان مراد آبادی قدس سرّہٗ بدور سافرہ مصنفہ جلال الدین سیوطی برداللہ مضجعہ کے ترجمہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں نذر بزرگان جو حاجات کے لئے معمول ہے اور اس کا دستور ہے۔ اس نذر کا معنے اور حقیقت اسی قدر ہے کہ میت کے روح کو طعام کا ثواب ہدیہ کیا جائے اور مال کے خرچ کرنے کا ثواب پہنچایا جائے یہ امر مسنون ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ بُخاری اور مُسلم میں اُمِ سعد وغیرہ کا حال مروی ہے۔

فوائد بُرہانیہ میں آیا ہے۔ **مسئلہ**۔ اگر نذر کا مال زندہ مستحقین کے نام مقرر کرے تو مُراد یہ ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کی ہے اور ثواب ناذر کے نام ہے اور جن زندہ فقراء کے نام مال مقرر کیا ہے وہ مصرف ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خیرات پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جاتی ہے۔ اور بعض کتابوں میں جو لکھا ہے کہ اولیاء کی نذر حرام ہے۔ مُراد اس

نذرے کہ عبادت است بالخصوص حقیقت انتساب اوسمت اولیاء نباید کرد نہ آں کہ ایصالِ ثواب ہم باینہا وبدیگر اموات ممنوع باشد۔ مسئلہ۔ مال منذور بفقراء ذمیان دادن ہم رواست خلافاً للزکوٰۃ۔

سے وہ نذر ہے جو عبادت ہے اور مخصوص بجناب باری تعالیٰ ہے۔ درحقیقت اس کا انتساب اولیاءاللہ کی طرف نہ کرنا چاہیے اور یہ مُراد نہیں کہ مالِ منذور کا ثواب اولیاءاللہ اور دوسرے مردوں کو ممنوع ہے۔ مسئلہ۔ مال منذور کا ذمی یعنی مسلمان ملک کی کافر رعیت کو جو مسکین ہوں دینا بھی جائز ہے۔ ہاں زکوٰۃ کا مال ذمی فقیر کو دینا جائز نہیں۔

سوال: اگر گفتہ شود کہ یکے از عامیان نذر بنام بزرگے مقدر کند بایں خیال کہ طعام منذور تقسیم بمسلماناں خواہم کرد وتصورِ او تعالیٰ ہرگز در دِلش نے گذرد کہ ثوابِ ایں عمل راکہ از جناب الٰہی ست بہ ایں بزرگ خواہد رسید حکم او بینہ وبین اللہ چیست، وحکمِ آں طعام چہ خواہد شُد۔

سوال: اگر کہا جائے کہ ایک عامی مسلمان نذر کسی بزرگ کے نام مقرر کرتا ہے اس خیال سے کہ طعام نذر شدہ مسلمانوں میں تقسیم کروں گا اور اللہ تعالیٰ کا تصور اس نذر ماننے کے وقت اُس کے دل میں نہیں گزرتا کہ اس عمل کا ثواب جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے ملا کرتا ہے اُس بزرگ کو پہنچے گا تو یہ نذر اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور اللہ تعالیٰ ثواب اس نذر کا دیں گے یا نہیں اور اس طعام کا کیا حکم ہے؟

جواب: گویم دریں صورت نذر مذکور نارو ا نہ کفر کما مرّ۔ مگر تناول آں چیز جائز کما سیجیء بیانہ مفصلاً غالب کہ بناء علیہ مولوی محمد مبین لکھنوی طاب ثراہ خوردن گوسفند شیخ سدّو کہ بنامش عوام الناس نذر مقررے کنند

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں نذر ناجائز ہے۔ اور اس نذر کا کوئی ثواب نہ ہوگا مگر اس نذر کو اس حالت میں بھی کُفر نہ کہا جائے گا۔ ہاں اس چیز کا کھانا ممنوع نہیں ہوگا جیسا کہ اس کا بیان مفصل آئے گا۔ غالباً اسی بناء پر

بشرطیکہ ذبح بنام خدائے تعالیٰ شدہ جائز نوشتہ اندو نذر رانا جائز انتہیٰ۔

مولوی محمد مبین لکھنوی طاب ثراہ نے شیخ سدّو کے بکرے کا کھانا جو عوام الناس شیخ سدّو کے نام نذر کرتے ہیں جائز لکھا ہے بشرطیکہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور نذر کو ناجائز لکھا ہے۔ انتہیٰ۔

درہماں فوائد بُرہانیہ مسطوراست۔ **مسئلہ** ۔چیز نذر رانا ذرو عیال اونخورند۔ ہر قدر کہ خواہند خورد از عہدہ آں بری الذمہ ازاں نذر نتواند شُد۔ کذافی السراج المنیر۔ نقلاً عن الکتب الآخر دریں صورت مناسب آن است کہ طعام و حلوہ زائد از مقدار نذر بہم رسانند تا ہر قدرے کہ ناذرو عیالش خواہند خورند فاضل از نذر خواہد شد۔

نیز فوائد بُرہانیہ میں لکھا ہے۔ **مسئلہ**۔ جو چیز نذر کی جائے اس چیز کو نذر کرنے والا اور اس کے اہل و عیال نہیں کھا سکتے۔ اور اگر ناذر اور اس کے اہل و عیال نے کھا لیا تو جس قدر کھایا ہے اس سے بری الذمہ نہ ہوں گے بلکہ اس قدر نذر پھر ادا کرنی پڑے گی۔ کذافی السراج المنیر۔ نقلاً عن الکتب الآخر اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ طعام اور حلوہ نذر کی مقدار سے زائد مہیا کریں اور نذر سے جس قدر زائد طعام اور حلوا ہو اُس کو ناذر اور اُس کے اہل و عیال کھالیں۔

مسئلہ ۔نذر باغنیاء ندہد کہ حق فقیر است فی جامع البرکات للشیخ عبدالحق الدہلوی قدس سرّہٗ مدار برنیت است پس آنچہ برائے اہل و عیال میت پزند مخصوص بایشاں دارند۔ غیر ایشاں را مباح نہ باشد۔ آں چہ برنیت تصدق برفقراء نہ باشد ہدیہ مر اغنیاء را آں چہ برنیت ضیافت مسلمین پزند نذر

مسئلہ ۔نذر کا دولتمند اور غنی کو دینا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ نذر کا مال فقراء کا حق ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی جامع البرکات میں تحریر فرماتے ہیں۔ نیّت پر مدار ہے۔ پس جو کچھ میت کے اہل و عیال کے لئے پکایا جائے وہ ان کے لئے خاص رکھا جائے ان کے اغیار کے لئے جائز نہیں۔ اور جو چیز اس

خوردن او غنی و فقیر را رواست چنانچہ در اعراسِ مشائخ ہند۔ **مسئلہ**۔ اگر کسے بہ نیت خود نذر مقرر نہ کردہ است امّا تبرعاً برائے فاتحہ میت ماکولات بہم رسانیدہ پس ہر قدر کہ خود مع عیال خورد ثوابش بمیّت نخواہد رسید مگر مواخذہ آں بذمہ آں کس نیست و دادن آں باغنیاء ہم جائز۔

نیت سے پکائی جائے کہ میت کی طرف سے خیرات ہوگی مساکین کے لئے وہ مساکین کو دی جائے۔ اور جو چیز خیرات اور تصدق فقراء کی نیت سے نہ ہو وہ اغنیاء کو بطور ہدیہ مل سکتی ہے۔ اور جو چیز ضیافت کی نیت سے پکائی جائے اُس کا کھانا فقیر اور غنی ہر ایک کو جائز ہے۔ جیسے بزرگان ہند کے عرسوں میں ہوتا ہے۔ **مسئلہ**۔ اور اگر کسی شخص نے ایصالِ ثواب کی نذر تو نہیں مانی مگر بلا نذر تبرع اور عنایت اور احسان کے طریق پر میت کی فاتحہ دلوانے کے لئے کھانے کی اشیاء مہیا کی گئی ہوں اُن کھانے کی اشیاء سے جس قدر خود کھائے گا یا اپنے اہل و عیال کو کھلائے گا اُس کا ثواب میت کو نہ پہنچے گا۔ ہاں اس کا مواخذہ بھی نہ ہوگا اور ایسی صورت میں اغنیاء کو بھی اس کا دینا جائز ہے۔

مسئلہ۔ نذرِ شرعی چند قسم است۔ نذرِ مطلق چوں نذرِ صوم بلا تعین یوم و نذرِ مقید چوں صومِ جمعہ و بلا شرط چوں نذرِ صومہائے مذکورہ و صلوٰۃ نفلِ دوگانہ و بشرط برآمدن حاجت۔ چنانچہ کسے برخود نذر خدا بشرطِ شفاء بیمار ملتزم کند یا نذر حق سبحانہ وتعالیٰ و ثواب او بروحِ بعضے بزرگان اموات بلا

مسئلہ۔ نذرِ شرعی چند قسم ہے:۔

۱۔ نذرِ مطلق مثل نذر روزہ کے تعین دِن کے سوا۔

۲۔ نذرِ مقید مثلاً نذر روزہ یوم جمعہ۔

۳۔ بلا شرط مثل نذر روزہ ایامِ مذکورہ و نماز دوگانہ۔

۴۔ مع شرط حاجت پُوری ہونے کے جیسے

شرط خواہ بشرطے متعین کند چنانچہ بگوید ایں قدر طعام برائے نذر خدا و ثواب او بروحِ غوث الاعظم قدس سرہٗ مقرر کردم وہمچنیں بگوید بشرط برآمد حاجت نذرِ خدا و ثواب بروحِ فلانے متعین کردم۔ ایں ہمہ نذر مشروع اند واجب الادا۔

باز درہماں فوائد مے نویسد مثال دیگر ازروئے کتبِ حدیث چوں مشکوٰۃ شریف وغیرہ بقلم مے آید کہ قومے از کفار نومسلم کہ ہنوز احکامِ اسلام را خوب ماہر نبودند گوشتِ ذبیحہ بطور ہدیہ بخدمت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرستادند جناب ممدوحہ مکرمہ بہ قرائنِ عقلیہ کہ طریقہ ذبح شرعی خوب نمے دانستند درتناول آں گوشت تامل فرمودند۔ آخراز جناب آنحضرت علیہ السلام استفسار فرمودند۔ ارشاد شد بگو بسم اللہ و بخورآں گوشت را علماء شراح حدیث درآں مقام نوشتہ اند۔ خلاصہ اش آں کہ عمل فعل مسلم برامرنامشروع یقیناً معلوم نہ شود نباید کرد۔ بالجملہ مادام از حالِ نیت یقیناً بزبانی ذابحان بقرہ منذورہ معلوم نہ شود بھوگ جان جانور بتقربِ آں بزرگ اثبات نہ رسد از راہ قرائن حکم بحرمتِ او قطعاً نباید ساخت لنا

نذر خدا تعالیٰ بشرط شفاء بیمار یا نذر اللہ تعالیٰ اور ثواب بروحِ غوثؓ اعظم مقرر کرے اور کہے کہ اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو یہ چیز مثلاً گائے نذرِ خدا اور ثواب فلاں بزرگ کو ہدیہ کروں گا۔ یہ سب اقسام شروع ہیں۔ اور واجب الادا ہیں۔

فوائد برہانیہ میں پھر فرماتے ہیں ایک دوسری مثال کتب حدیث مثل مشکوٰۃ شریف وغیرہ سے لکھی جاتی ہے۔ ایک قوم کفار نے اسلام قبول کیا ابھی تک انہوں نے احکامِ اسلام میں مہارت پیدا نہ کی تھی۔ انہوں نے گوشت ذبیحہ بطور ہدیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ارسال کیا۔ جنابہ ممدوحہ مکرمہ رضی اللہ عنہا نے اس گوشت کے تناول میں تامل فرمایا۔ اس لیے کہ قرینہ عقلی (ان کی عدم مہارت احکامِ شرعیہ میں) اس کا مؤید بنا کر آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اس گوشت کو کھالو۔ علماءِ شارحانِ حدیث اس مقام میں لکھتے ہیں اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے عمل کو ناجائز کام پر محمول نہ کیا جائے جب تک کہ یقیناً معلوم نہ ہو کہ اس مسلمان سے نامشروع کام صادر ہوا ہے۔

تقوے چیزے دیگر است لا کلام فیہ وآں چہ در حدیث شریف **دعْ مـا یریبک** الخ وارد است امر دراں مقام برائے استحباب است نہ برائے وجوب واللہ اعلم انتہی موضع الحاجۃ۔ از تامل در آنچہ نوشتہ شد بر ناظر مخفی نماندہ باشد کہ در حیوان منذورہ برائے اولیاء تشہیر و انتساب او بنام اوشاں موجب حرمت شدہ نے تواند و نیز ذبح او را از قبیلِ ذبح للتقرب الی غیر اللہ شمردہ حرام گفتہ نے تواند وہم چنیں اطلاق لفظ نذر راو را حرام نے گرداند **لما عرفت في الابواب الثلثه** آرے مسلم را از اطلاق لفظ نذر گو معنی عرفی مراد داشتہ باشد اجتناب باید۔ **واللہ اعلم وعلمہ اتم۔**

خلاصہ کلام جب تک کہ نذر کرنے والوں کی نیت کا حال اُن کی زبان سے معلوم نہ ہولے۔ اور جانور کی جان کا بطور بھوگ ہونا اس بزرگ کے تقرب کے لئے ہونا قطعاً ثابت نہ ہو جائے محض قرائن سے حکم حرمت ذبیحہ منذورہ کا نہیں دیا جا سکتا ہاں احتیاط دوسری چیز ہے۔ اور حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ شک کو چھوڑ کر ایسا طریقہ اختیار کرو جس میں شک و تردّد نہ ہو۔ استحباب کے لئے ہے نہ وجُوب کے لئے۔ اگر کوئی تامّل اور تکرّر سے کام لے گا۔ تو اس تحریر سے جو اوپر لکھی گئی ہے دیکھنے والے کو واضح ہو جائے گا کہ جو جانور اولیاء اللہ کی نذر کیا جاتا ہے اُس کا انتساب اور تشہیر اس بزرگ کے نام پر اس کے حرام ہونے کا موجب نہیں اور نہ اس کی ذبح کو ایسی ذبح قرار دیا جا سکتا ہے جو غیر اللہ کے تقرب اور تعبد کے لئے ہوتی ہے۔ اور حرام ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اطلاق نذر موجب حُرمت نہیں ہو سکتا جیسا کہ پہلے تین ابواب سے معلوم ہو چکا ہے۔ ہاں مسلمان کے لئے لفظ نذر کے اطلاق سے پھر بھی پرہیز کرنا چاہیے اگرچہ معنے عُرفی ہی مُراد ہوں۔ واللہ اعلم۔

استفتاء جواب طلب

از علماء کوٹ نجیب اللہ خان علاقہ ہزارہ

ما قولکم دام فضلکم صور مسطورہ میں کہ ایک شخص نذر معیّن کرے اس طور پر کہ اگر میرا مریض اچھا ہو جائے یا مُسافر میرا گھر میں خیریت سے آجاوے تو میں اللہ کے نام کا بکرا دوں گا اور ثواب اس ولی اللہ کو پہنچاؤں گا۔ دوسری صورت۔ اے ولی اللہ! اگر میرا مریض اچھا ہو جاوے تو میں تیرے نام کا بکرا دوں گا۔ تیسری صورت۔ اَے ولی اللہ اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا یا میرا مطلب تم نے پُورا کیا تو میں تمہارے نام کا بکرا دوں گا۔ پھر بعد حصُولِ حاجت کے بکرا لے کر ولی اللہ کی قبر کے نزدیک ذبح کرے کہ میرا سر اس ولی اللہ نے نگاہ رکھا ہے یا اپنے گھر میں ذبح کرے کیا ان صُوَرْ میں وفاء نذر واجب ہے یا نہ؟ اور ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ اور حرمت کی وجہ ارتداد ہے یا غیر۔ اور وجہ ارتداد کی ولی اللہ کو متصرّفِ حقیقی جاننا ہے یا وسیلہ کی صورت میں بھی و بر وجہ اوّل اگر وہ مرتد نہ ذبح کرے تو پھر بھی ذبیحہ حلال ہے یا نہ۔ **بینوا و توجروا۔**

جواب

پہلی صورت میں ایفاء نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال۔ ایسا ہی دوسری صورت میں بھی اگر مقصود ذبح اور جانکشی لِلّٰہ ہے اور ایصالِ ثواب ولی کے لیے۔ اور اگر نفسِ ذبح ولی کے لئے ہے تو ذبیحہ حرام اور ایفاء بالنذر واجب نہیں۔ تیسری صورت میں اگر ولی کو وسیلہ سمجھ کر ایصالِ ثواب مقصود ہو تو جائز اور ایفاء واجب ہے ورنہ ذبیحہ حرام اور ایفاء غیر واجب۔ خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے والدِ ماجد سے رضی اللہ عنہما فتاوےٰ عزیزی میں نقل فرماتے ہیں :۔

استعانت بارواح دریں اُمت بسیار بہ وقوع آمدہ آں چہ جہّال و عوام اِیںؔ ہاے کنند۔ ایشاں را در ہر عمل مستقل دانستہ اند بلاشبہ	اَرواح سے مدد مانگنا اس اُمت میں بہت واقع ہوا ہے اور وہ جو جہّال اور عوام یہ کرتے ہیں کہ ان ارواح کو ہر کام میں مُستقِل اعتقاد

شرک جلی است و نذرِ اَولیاء کہ برائے
قضائے حوائج معمول و مرسُوم است اکثر
فقہاء بحقیقت آں ہاپے نبردہ اندو آں رابر
نذرِ خُدا قیاس کردہ حکم بردّت برآوردہ اندکہ
اگر نذر بالاستقلال برائے آں ولی ست
باطل واگر برائے خداست وذکرِ ولی برائے
بیان مصرف است صحیح است لیکن حقیقتِ
ایں نذر آں است کہ اہداء ثواب طعام و
انفاق و بذلِ مال برُوحِ میت کہ امرے
ست مسنون واز رُوئے احادیثِ صحیحہ
ثابت است مثل **مـــاوردفـــی**
الـصـحيحين من حال ام سعد
وغیرہ ایں نذر مستلزم مے شودپس حاصلِ ایں
نذر آں است کہ مثلاً اہداء ثواب ہٰذا القدر
الٰی رُوحِ فلاں و ذکرِ ولی برائے تعیّن عمل
منذوراست نہ برائے مصرف ومصرف ایں
نذرنزدِ ایشاں متوسلانِ آں ولی مے باشند از
اقارب وخدمہ وہمطریقان وامثال ذالک و
ہمیں است مقصودِ نذر کنندگان بلا شُبہ
وحـكـمـه انـه صـحيح" يجب
الوفاء به لانه قربة معتبرة فی
الشـــرع آرے اگر آں ولی راحلالِ
مشکلات بالاستقلال یا شفیع غالب اعتقاد

رکھتے ہیں بلاشُبہ شرک ہے اور نذرِ اَولیاء اللہ کی
حاجات کے پورا ہونے کے لئے معمول ہے
اور اس کی عادت ہے اکثر فُقہاء کو اس نذر کی
حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ اُنہوں نے نذرِ
اولیاء کو نذرِ خُدا پر قیاس کر کے ارتداد کا حکم لگا
دیا کہ اگر نذر بالاستقلال اس ولی کے لئے
ہے تو باطل ہے اور اگر خدا تعالیٰ کے لئے ہے
اور ولی کا ذکر محض مصرف کا بیان ہے تو صحیح ہے
لیکن اس نذرِ اَولیاء اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ
طعام اور مال خرچ کرنے کا ثواب کسی اولیاء
اللہ کی رُوح کو ہدیہ کیا جائے اور یہ امر مسنُون
ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اُمِ
سعد وغیرہ کے واقعہ میں اور یہ نذر لازم ہو جاتی
ہے۔ پس اس نذر کا حاصل یہ ہوا کہ میں اس
قدر چیز کا ثواب فلاں ولی کی روح کو ہدیہ کرتا
ہوں اور ولی کا ذکر اس عملِ منذور کی تعیین کے
لئے ہے نہ بیان مصرف کے لئے اور مصرف
اس نذر کا نذر کنِندگان کے نزدیک اس ولی
کے رِشتہ دار اور خُدّام اور پیر بھائی اور ان جیسے
لوگ ہوتے ہیں اور نذر کنِندگان کا بلا شک
یہی مقصد ہوتا ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ
نذر صحیح ہے اور اس کا وفاء واجب ہے۔ اس
لیے کہ یہ عبادت شرع میں معتبر ہے۔ ہاں اگر

ے گند ایں عقیدہ اور امنجر بشرک وفساد مے گردد لیکن ایں عقیدہ چیزے دیگر است و نذر چیزے دیگر انتہیٰ۔ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۲۸۔

اس ولی کو مستقلاً (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح ذاتی طور پر) مشکلات کا حل کرنے والا اعتقاد رکھیں یا اس کو شفیعِ غالب سمجھیں تو یہ عقیدہ شرک وفساد کی طرف لے جاتا ہے۔ مگر یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر دُوسری چیز۔ الخ۔ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۲۸۔

اسی سے دُوسری اور تیسری صورت کا حکم معلوم ہوگیا یعنی ایفاء نذر واجب و ذبیحہ حلال۔ کیونکہ (میں تیرے نام کا بکرا دُوں گا) عملِ منذور کے معیّن کرنے کے لئے ہے۔ پس نذر اللہ کے لئے اور ثوابِ طعام رُوحِ ولی اللہ کے لئے ہوگا۔ اور یہ قول بیان، مصرف گوشتِ ذبیحہ کے لئے نہیں تا کہ یہ ہبہ اور تملیک لغو اور بے جا سمجھ کر اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام کہا جائے۔ چنانچہ بحرالرائق میں ہے:۔

وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت وغیرها وینقل الیٰ ضرائح الاولیاء تقرباً الیهم فحرام" باجماع المسلمین۔ انتهیٰ۔

اور وہ دراہم اور موم بتی اور تیل اور دُوسری اشیاء جو اولیاء اللہ کے مزاروں پر لوگ لے جاتے ہیں اور ان سے غرض ان اَولیاء اللہ کا تقرب ہوتا ہے وہ حرام ہے اجماع المسلمین کے رُو سے۔

اس عبارت میں لفظ (**تقرباً الیهم**) قابل غور ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے یہ حُرمت اسی صورت میں ہے جس میں ناذر کو اہداء ثواب سے کچھ غرض نہیں۔ بے شک اس صورت میں اسراف ہونے کی وجہ سے حُرمت ثابت ہوگی۔ اگر تقرب الیہم منظور نہیں بلکہ نقل اُن اشیاء کا صاحب مزار کے اقارب وخُدّام کے لئے ہے اور رُوحِ ولی کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو حُرمت نہ ہوگی۔ کیونکہ مفہوم مخالف روایات میں بالاتفاق معتبر ہے۔ فوایدِ بُرہانیہ میں ہے:۔

در بحرالرائق وبعضی دیگر کتب معتبرہ مرقوم است خلاصہ آش آں کہ اگر کسے طعام ونحوہ برقبرِ بزرگے آرد تقرباً لہ پس درست نیست و

بحرالرائق اور بعض دوسری معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا وغیرہ کسی بزرگ کی قبر پر اُس کے تقرب کی

حرام امّا اگر نیت بود کہ آں را بمسلمانانِ زندہ دہد تا ثوابِ ایں کار بروحِ صاحبِ قبر رسد نہ طعام پس جائز است۔ انتہیٰ۔

خاطر لائے تو یہ درست نہیں اور حرام ہے۔ اور اگر نیت یہ ہو کہ اس کھانے وغیرہ کو زندہ مُسلمانوں کو دے گا اور طعام دینے کا ثواب صاحبِ قبر کے رُوح کو پہنچائے گا تو یہ جائز ہے۔ آہ

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

غالباً سببِ منع ایں چنیں امور ایں است کہ ازیں طعام و مالِ موہوب لہ منتفع نہ شود اسراف است و تبذیر۔ قال اللہ تعالیٰ **ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ الآیہ**۔ و ہبہ بمردہ ناروا ومع ہذا اگر بتقرب او باشد مشابہت دارد با فعلِ کفار کہ پیشِ اصنام تقرباً لہا حلوہ موہن بھوگ وغیرہ مے گزارند و مے دہند و مے دانند کہ آنہا نمے خورند۔ واللہ اعلم۔ **ومن تشبہ بقوم فھو منھم۔ انتھیٰ**۔

غالب یہ ہے کہ اس قسم کے امور کی ممانعت کا سبب یہ امر ہے کہ اس طعام و مال سے موہوب لہ یعنی صاحبِ قبر کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا۔ پس یہ سراف اور تبذیر ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور ہبہ مُردہ کو کرنا ناجائز ہے۔ اور اس کے ساتھ اگر یہ فعل مُردہ کے تقرّب کے لیے ہو تو مشابہت فعل کفار کے ساتھ لازم آئے گی۔ اس لیے کہ وہ بُتوں کے سامنے ان کے تقرب کی خاطر حلوہ موہن بھوگ وغیرہ رکھتے ہیں اور دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ نہیں کھاتے اور جو کسی قوم کے مشابہ ہو وہ اُنہی سے ہو گا۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

رہا یہ قول ناذر کا (اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا) سو اگر مقصود اُس کا اس نسبت سے شفیعانہ طور پر ہے تو مضائقہ نہیں نسبت وسائل کی طرف قرآن کریم سے ثابت ہے۔

لَاَهَبَ[1] لک غُلا ماً ذَکِیاً ہاں اگر ہر دو فقرہ مذکورہ بالا میں یعنی (میں تیرے نام کا بکرا دوں گا) اور اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا) استقلالی[2] طور پر نسبت ہے یا شفیع غالب سمجھ کر، تو بے شک ناذر مُرتد ہے اور ذبیحہ اس کی ذبیحہ مُرتد ہے۔ اور اگر ناذر مُرتد خود نہ ذبح کرے بلکہ دُوسرے مسلمان سے خُدا کے نام پر ذبح واقع ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ عالمگیری میں ہے:۔

مسلمہ" ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم اوالکافر لآلھتھم تؤکل لانہ سمیّ اللّٰہ تعالیٰ ویکرہ[3] للمسلم کذا فی التاتارخانیہ نا قلا عن جامع الفتاویٰ۔ انتھیٰ۔

آگ کے گھر کے یا کافر کی بکری اس کے بُتوں کے لئے ذبح کرتا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے اس لیے کہ ذبح کے وقت نام اللہ تعالیٰ کا لیا گیا ہے ہاں مُسلمان کے لئے مکرُوہ ہے۔ مُسلمان کسی آتش پرست کی بکری ذبح کرتا ہے برائے

☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] میں تجھے پاکیزہ لڑکا عطا کروں گا۔

[2] استقلالی طور پر نسبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بوجہ جہالت یہ عقیدہ ہو کہ یہ بزرگ (اللہ کی طرح) اپنی قدرت کاملہ سے یہ کام کرتا ہے۔ اور شفیع غالب کا مطلب یہ ہے کہ اصل کارساز اگرچہ خُدا تعالیٰ ہے مگر اس بزرگ کی بات کو خُدا ہر گز ٹال نہیں سکتا اور ضرور اس کے کہنے پر کام کر دے گا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں مقتضائے توحید کے خلاف ہیں۔ کیونکہ نہ تو خُدا کے سوا کسی کو مستقِل قدرت ہے اور نہ اس کے اِذن کے بغیر کوئی جبری طور پر سفارش کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ من ذالذی یشفع عندہٗ الا باذنہ (آیۃ الکرسی) کون ایسا ہے جو خُدا کے اِذن کے بغیر اُس کے ہاں سفارش کرے۔ البتہ اس کے اِذن اور عطا سے جس طرح وہ چاہے مخلوق کچھ کر سکتی ہے۔ ۱۲ مترجم

[3] کراہت کی وجہ تشہیر و انتساب بنامِ غیر نہیں بلکہ عدم تعمیل ارشادِ مالک کی وجہ سے غصب ہو گا اور حُرمت تعلق حق الغیر ہو گی۔ کما صرح بہ بعض الفضلاء۔ ۱۲۔ از مؤلف رحمۃ اللہ تعالیٰ

فوائدِ بُرہانی میں ہے:۔

مجوسی گاوے بمسلمانے داد کہ بنامِ نار کہ معبودِ اوست ذبح کُند۔ مسلم بنامِ خُدا ذبح کرد۔ گوشتِ او حلال است۔ کذا فی کُتب الفقہ۔ انتہیٰ۔

اگر کوئی آتش پرست ایک گائے کسی مسلمان کو اس غرض سے دے کہ وہ ہمارے معبود آگ کے نام سے ذبح کرے مگر مُسلمان نے اللہ کے نام سے ذبح کیا تو اس کا گوشت حلال ہے۔

اور قبر پر ذبح کرنا موجب حُرمت نہیں تاوقتیکہ تقرب الیٰ صاحب القبر قصد نہ کیا جائے۔ جناب خاتم المحدثین لکھتے ہیں:۔

وکذا اذا ذبح شاۃً علی نصب من الانصاب او علی قبر من القبور وقصد به التقرب الی صاحب القبر او صاحب النصب وذکر اسم اللّٰه علیها لا تحل لهٰذا النص الصریح ومدار کلّ ذٰلک علی قصد التقرب الیٰ غیر اللّٰه او تغییر الطریق المشهور فی الذبح۔ انتهیٰ۔

"اور اسی طرح حلال نہیں جب ذبح کرے بکری کسی نشان پر نشانوں سے یا قبر پر قبور سے اور مقصد اس صاحبِ قبر یا صاحبِ نشان کا تقرب اور عبادت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی اس پر ذکر کرے تو حلال نہیں ہوگی۔ اور مدار اس کا نیتِ عبادت اور تقرب ہے یا ذبح کے مشہور طریق کا بدل دینا۔

خلاصہ آنکہ صورِ مسطورہ فی السوال میں ایفاء نذر واجب اور ذبیحہ حلال بشرطیکہ اُس ولی کو مستقل اور شفیعِ غالب نہ مانا جائے۔ اور ذبح وجانکشی اللہ جل شانہٗ کے لئے ہو نہ اُس ولی کے لئے حکیم الاُمّت حضرت شاہ ولی اللہ اور حاجی الحرمین مفسّر اصولی فقیہہ مصنف تفسیر احمدی اور مولانا بُرہان الدین وغیرہم محققین نے عوام کی مُراد کو صاف واضح کر دیا ہے۔

رہے قرائن آیا ان کی رُو سے بھی عوام کی مُراد وہی ثابت ہوتی جو محققین نے اوپر بیان

کی ہے یا نہ۔ سو اُس کو ناظرین اسی رسالہ سے مختلف موقعوں پر مُلاحظہ فرما سکتے ہیں۔

علماء کرام[1] پر واجب ہے کہ جہّال کو مجالسِ وعظ میں ایسے الفاظ کی ہدایت فرمایا کریں کہ جن میں کسی قسم کا کھٹکا نہ ہو۔ صاحبِ بوارق محمدیہ صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں:۔

ونذرِ اَولیاء بر سہ وجہ مباح است یکے آں کہ بگوید الٰہی! اگر آں مُرادِ من حاصل شود نذرِ تو بخدّامِ مزارِ آں صالح رسانم۔ دوئم ایں کہ بگوید۔ یا حضرت در جنابِ الٰہی برائے ایں مشکل دُعا بکنید کہ ایں مُراد حاصل شود اَز طرفِ شما در جناب الٰہی ایں قدر طعام یا نقد رسانم تا ثواب عاید بشما شود۔ سوم آں کہ آں بزرگ را در جنابِ الٰہی وسیلہ و شفیع سازد گویا ے گوید الٰہی بہ برکت رُوحِ فلاں بزرگ و بحق عنایات و مہربانئ خود ہر دو اگر مشکلِ من آسان کنی ایں قدر مال برائے تو بدہم و ثواب آں تنخواہ رُوحِ آں بزرگ سازم تا از برو اِحسان بآں بزرگ خوشنود شوی۔ ایں کہ گفتم ملتقط است از رسالہ نذور مولوی رفیع الدین کہ در ہمیں ایام بما رسیدہ و ہماں ست مُراد صاحب احمدی کہ نذر الاولیاء

نذرِ اولیاء تین وجوہ سے مباح اور جائز ہے۔ پہلا یہ کہ نذر گزار اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کرے کہ اگر میری مُراد حاصل ہوگئی تو اے اللہ تیری نذر فلاں بزرگ کے مزار کے خُدّام کو دُوں گا۔ دوئم یہ کہ کہے بزرگ کو مخاطب بنا کر یا حضرت! آپ جنابِ الٰہی میں میری اس مشکل کے لئے دُعا کریں کہ میری یہ مُراد حاصل ہو جائے تو آپ کی طرف سے اِس قدر طعام یا نقد جنابِ الٰہی میں بطور تصدّق پیش کرُوں گا تا کہ آپ کو ثواب ملے۔ سوئم یہ کہ اس بزرگ کو جنابِ باری تعالیٰ میں وسیلہ اور شفیع بنا کر عرض کرے الٰہی فلاں بزرگ کے رُوح کی برکت سے اور بحق اپنی مہربانی اور عنایت ہر دو امر کے اگر میری مشکل حل فرمائے گا تو اس قدر مال آپ کے لئے خیرات کروں گا اور ثواب اس کا اس بزرگ کے رُوح کو بخشوں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] حضرت مؤلف ؒ کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ عوام جُہلاء جو نذر شرعی اور اس کے عبادت ہونے کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ علماء اہلِ سُنّت کا فرض ہے کہ اُنہیں ان مسائل سے اور توسّل کی

جائز صورت سے آگاہ کریں تا کہ وہ خلاف شرع سے بچیں اور ہدف ملامت بھی نہ ہوں۔ ۱۲ مترجم

ما اول والحق المبین ما قال مولانا محمد مبین موافقا للفقهاء المحققین فی رسالته فی النذور ونذر شیخ سدّو ذبح مے کنند اگر وقتِ ذبح نامش گرفتہ باشند گوشت مُردار شود و خوردنش روانباشد۔ **قال اللّٰہ ولا تاکلوا ممّا لم یذکر اسم اللّٰہ علیه وانه لفسق** ۔ واگر بنامِ خُدا بہ بسمِ اللہ اللہ اکبر ذبح کردہ باشند۔ اگرچہ در دِل نیت فاسد دارد ظاہراً خوردنش حلال باشد لیکن متقی و پرہیز گار را باید کہ نخورد و اِلّا جاہلان گمان برند کہ ایں نذر حلال است پس گمراہ شوند۔ انتہیٰ۔

گا۔ تا کہ اس بزرگ پر احسان کرنے سے آپ راضی ہو جائیں۔ اور یہ تمام مضمون مولوی رفیع الدین صاحب کے رسالہ نذور سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ جو آج کل ہی ملا ہے۔ اور یہی مُراد ہے صاحبِ تفسیر احمدی کی جو فرمایا (اولیاء کی نذر کی تاویل کی جاتی ہے) صاف اور سچی بات وہ ہے جو مولانا محمد مُبین فرنگی محلی نے فقہاء محققین کی موافقت کرتے ہوئے رسالہ نذور میں لکھی ہے کہ شیخ سدّو اور دیگر بزرگوں کی نذر حرام ہے۔ بکری اور گائے وغیرہ جو شیخ سدّو کے نام پر ذبح کرتے ہیں اگر بوقتِ ذبح شیخ سدّو کا نام لے کر ذبح کریں تو ذبیحہ حرام اور کھانا اس کا ناجائز۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو گو دِل میں نیت فاسد ہی ہو ذبیحہ حلال ہے اور کھانا جائز ہے۔ ہاں متقی کو کھانا مُناسب نہیں تا کہ لوگ اس ذبیحہ کو ہر حالت میں جائز ہی نہ سمجھ لیں۔ آہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وتخصیص منذور مفہوم مے شود از تفصیلِ ذیل

وہم دراں کتاب نوشتہ۔ استفتاء از مولوی رفیع الدین۔

سوال: تخصیص ماکولات در فاتحہ بزرگان مثل کھچڑہ در فاتحہ امام حسین رضی اللہ عنہ و توشہ در فاتحہ شیخ عبدالحق وغیرہ ذٰلک وہم چناں تخصیص خورندگان چہ حکم دارد۔

جواب: فاتحہ واطعام کو بے شبہ از مستحسنات است وتخصیصِ کہ فعلِ مخصص است باختیار اوست باعثِ منع نے تو اند شد ایں تخصیصات از قسمِ عرف و عادات اند کہ بمصالح خاصہ ومناشی خفیہ ابتداً بظہور آمدہ رفتہ رفتہ شیوع یافتہ درحق کھچڑہ کہ صاحب دُرِ مختار وصاحب قنیہ ودیگر فقہاء تصریح نمود اند وتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذبح جانور و تقسیم گوشت آں را بصدائق خدیجہ رضی اللہ عنہا بطریق صحیح ثابت است۔ واللہ اعلم

اور اسی کتاب (فوایدِ بُرہانیہ) میں بھی لکھا ہے۔ استفتاء از مولوی رفیع الدّین۔

سوال: بزرگوں کے فاتحہ دلوانے میں طعام کی تخصیص مثلاً امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلواتے وقت کھچڑہ (ہرلسیہ) کو خاص کیا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق کی فاتحہ دلوانے میں توشہ خاص اور اسی طرح کھانے والوں کی بھی تخصیص کی جاتی ہے۔ ان ہر دو تخصیصات کا کیا حکم ہے؟

جواب: فاتحہ دلوانا اور طعام کھلانا بلا شُبہ امرِ مستحسن ہے اور مستحب تخصیص اُس شخص کا فعل ہے جو طعام اور اس کے کھانے والوں کا مخصص ہے اور اُس کے اختیار میں ہے پس یہ تخصیص امرِ مستحب کے ممنوع ہونے کا باعث نہیں ہوسکتی۔ اور یہ تخصیصات رسم ورواج اور عادات کی اقسام ہیں۔ ابتداء اُن کی کسی خاص مصلحت اور مخفی منشاء کی وجہ سے ہوئی اور رفتہ رفتہ شائع اور رائج ہوگئیں۔ کھچڑہ کے بارے میں صاحب دُرِ مختار و صاحب قنیہ و دُوسرے فقہاء نے تصریح کر دی ہے۔ اور صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ایک جانور ذبح فرماتے تھے۔ اور بالتخصیص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخلصین میں اس کا گوشت تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا عبداللہ گجراتی کہ از اعاظم علماء و صُلحائے وقتِ خود و معاصر شیخ عبدالحق دہلوی ست در وصیت نامۂ خود نوشتہ است تقیدات وتخصیصات در اوضاع وتراکیب ماکولات وتعیّنات در مقروات بفاتحہ ہائے ونیاز ہائے بزرگان از ارتفاقات و رسُومِ صالحہ است چراکہ معمولِ مشائخ کرام و اولیاء عظام است کسانے کہ کمالِ ظاہری و باطنی ایشاں متفق علیہ کافہ اہلِ اِسلام است براں مقید بُودہ اند وحکم کردہ اند بلکہ بعضے از تراکیب کذائیہ مشہورہ کہ فاتحہ و نیاز فلاں بزرگ بایں طور و بریں چیز باید دررسائل و اَورادِ اکابرہم بنظر آمدہ مثل ترکیب توشہ اصحابِ کہف وغیرہ گو اصل لِم معلوم نیست فاما عمل بداں مناسب کہ داخل تجربیات است۔ و دررقی کہ ازیں قسم تخصیصات بطریق صحیح مروی ست وفرقے نیست میانِ آں و اِیں وظہُور برکات و آثار دریں تخصیصات از یقینیات است مثل سائر

مولانا عبداللہ گجراتی جو کہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صالح تھے اور شیخ عبدالحق دہلوی رضی اللہ عنہم کے ہم عصر تھے اپنے وصیت نامہ میں خود تحریر فرماتے ہیں۔ بزرگانِ طریقت کی نیاز دِلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے اس کی وضع اور ترکیب میں جو قیود اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور فاتحہ دلوانے کے ساتھ جو خاص خاص سُور اور آیات پڑھی جاتی ہیں یہ تخصیص اور تعیین نیک رسُوم اور عاداتِ حسنہ کے قبیلہ سے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تخصیصات اور تعینات مشائخ عظام اور اولیاء کرام کے معمول ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور وہ لوگ ان تخصیصات اور تعینات پر پابندی فرماتے اور حکم کرتے رہے ہیں کہ جن کا ظاہری اور باطنی کمال تمام اہلِ اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ بلکہ بعض اس قسم کی ترکیبیں جو مشہور ہیں (مثلاً فلاں بزرگ کا فاتحہ اور نیاز اس طرح اور اس چیز پر دیا جائے) رسائل اور وظائف اور اوراد کی کتابوں میں جو

تجربیات۔انتہیٰ کلامہ

ان اکابر نے مدوّن کیے ہیں نظر آئی ہیں۔ جیسے اصحابِ کہف کے توشہ کی ترکیب اگرچہ اس کی اصلی عِلّت معلوم نہیں مگر اس پر عمل کرنا مُناسب ہے۔اس لیے کہ تجربیات میں داخل ہے اور جائز منتروں میں بھی اسی قسم کی تخصیص بطریق صحیح مروی ہیں۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ برکات کا ظہور اور اثر ان تخصیصات میں دیگر مجرّبات کی طرح یقینی ہے۔

وبالجملہ در صُورتِ مسطورہ خُوردنِ گوشتِ ذبیحہ حلال است لوجود شرائط الذبح وخروجها من الصور المستثناة فی الآیة نعم اذا قصد بذبحها التقرب الیٰ صاحب القبر فحرام عند الاکثر ومکروه عند البعض والله اعلم وعلمه اتم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو صُورتیں سوال میں مذکور ہیں ان صُورتوں میں ذبیحہ کا گوشت کھانا حلال ہے۔اس واسطے کہ شرائطِ ذبح موجود ہیں اور جو صُورتیں آیت میں مستثنےٰ ہیں اُن سے ذبیحہ مذکورہ خارج ہے۔ ہاں جب ناذر کا قصد ذبح جانور سے صاحب قبر کا تقرب ہو تو اکثر کے نزدیک حرام ہے اور بعض کے نزدیک مکرُوہ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تتمۂ بابِ سوم

واز برائے بُودن خطاب بسُوئے صاحبِ قبر و استمداد در استفتاء مذکور اگر برخے از مسئلہ اِستمداد و مالہ وما علیہ اِیں جا ذِکر نمودہ شود اجنبی از مقام نخواہد بُود۔

اس استفتاء میں چُونکہ صاحبِ قبر کو خطاب کیا گیا ہے اور اس سے مدد طلب کی گئی ہے۔ اگر اِستمداد کے مسئلہ اور اس کے مالہ وما علیہ کو کسی قدر ذِکر کیا جائے تو اجنبی نہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سوالاتے چند

در بارہ اِستعانت و اِستمداد از اَرواحِ کاملہ

سوال: چُونکہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ خالق است و سمیع و بصیر مطلق بے توسّل و احتیاج باعانت و امداد احدے پس استمداد و استعانت از غیرِ اوسُبحانہٗ وتعالیٰ نبی باشد یا ولی یا ملک یا جن وغیرہ و دعوت و ندا با سامی اوشاں در حوائج و مشکلاتِ خویش چہ معنے دارد بلکہ بحسبِ نصُوصِ قطعیہ مفصلہ ذیل شرکیست صریح و ظلمیست قبیح۔

سوال: چونکہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ خالق ہیں اور ہر ایک آواز سننے اور دیکھنے اور پیدا کرنے میں کسی کے توسّل کی کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں۔ پس بزرگوں سے مدد مانگنا اور اعانت طلب کرنا چاہے وہ بزرگ نبی ہوں یا ولی یا فرشتہ یا جن بے معنے بات ہے اور مشکلات و حاجات میں بزرگوں کو ان کے نام لے کر پکارنا جیسے اَے میرے پیر مدد کر، یا شیخ میری اعانت کر یہ بھی بے معنے ہے بلکہ نصُوصِ قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے اور قبیح ظلم ہے۔ آیات ذیل تفصیل وار مذکور ہیں:۔

۱۔ قال اللّٰہ تعالیٰ تعلیماً للعباد (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نستعین) محصرِ عبادت واستعانت در ذاتِ خودش جلّ وعلیٰ شانہٗ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنی مخلوق کی تعلیم کے لیے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ ۔خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

۲۔ وقال اللّٰی تعالیٰ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا وَّ اَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا قُلْ اِنَّمَا اَدْعُوْرَبِّیْ وَلَا اُشْرِکُ بِہٖ اَحَدًا۔

۲۔ مساجد اللہ کی ہیں پس خُدا کے ساتھ کسی کو مت پُکارو۔ اور جب خُدا کا بندہ (محمد رسولؐ اللہ) نماز میں خُدا کی عبادت کرتا ہے تو اُس کو (جنّات سامعین) جھرمٹ میں لے جاتے ہیں۔ یا رسولؐ اللہ حکم سُنا دو کہ میں تو اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتا۔

۳۔ وقال اللّٰہ تعالیٰ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِلَّا اِنٰثًا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ (کفار) مؤنثات (لات ومنات) کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ لوگ درحقیقت شیطان مردود کی عبادت کرتے ہیں۔

۴۔ وقال تعالیٰ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَ ھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ

۴۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا ان باطل معبودوں کو پکار کر عبادت کرتا ہے جو قیامت (ابد الاباد) تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے ہیں۔ اور وہ بت ان کی نداؤں سے غافل ہیں۔

۵۔ وقال ایضا وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

۵۔ نیز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ان باطل معبودوں کی عبادت نہ کرو جو کہ کسی قسم کے نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں اَے مخاطب اگر تو ایسا کرے تو ظالمین سے شمار ہوگا۔

۱۔ عن ابن مسعود قال قال رجل یا رسول اللّٰہ ای الذنب اکبرُ عند اللّٰہ قال ان تدعو اللّٰہ ندًا و ھو خلقک۔ بخاری و مسلم۔

۱۔ حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بُرا ہے۔ فرمایا وہ یہ ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور تو غیر کی عبادت کرے۔ (بُخاری و مُسلم)

۲۔ عن جبیر بن مطعم قال اُتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعرابی فقال جَھَدتِ الانفس و نھکت العیال و ھلکت الانعام فاستسق اللّٰہ لنا فانا نَستَشفِعُ باللّٰہ علیک و نستشفع بک علی اللّٰہ فقال النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم سبحان اللّٰہ سبحان اللّٰہ فما زال یسبح حتی عرف فی وجوہ اصحابہ ثم قال ویحک انہ لا یستشفع باللّٰہ علی احد فشان اللّٰہ اعظم من ذٰلک ویحک اتدری ما اللّٰہ ان عرشہ علی سمواتہ ھکذا قال باصابعہ مثل القبۃ علیہ وانہ

۲۔ جبیرؓ بن مطعم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسُولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ (قحط پڑ گیا ہے) اہل و عیال مشقت اور تکلیف میں پڑ گئے ہیں۔ جانور بھوک پیاس سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ آپؐ اللہ تعالیٰ سے بارشِ رحمت طلب فرما دیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو آپؐ کے پاس برائے طلبِ دُعا تشفیع اور آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برائے اجابتِ دُعا تشفیع کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ جاہلانہ کلمات سُن کر خشیتِ الٰہی سے سُبحان اللہ سُبحان اللہ کافی دیر تک زبان مُبارک سے ادا فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ اصحابِ کرام موجودہ و حاضرین کے چہروں سے خوف و خشیت کے آثار ظاہر ہو گئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت اس سے بہت ہی اعلیٰ اور رفیع ہے کہ اُس کو مخلوق کے پاس سفارشی بنایا جا

لَیئَاطُ أطیط الرحل بالراکب (ابوداؤد)

سکے۔ فرمایا افسوس کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عرشِ عظیم اُس کے آسمانوں پر ہے۔ اُنگلیوں مُبارکہ سے گُنبد کی طرح اشارہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ عرشِ مجید عظمتِ الٰہیہ سے چر چر کرتا ہے جیسا پالان سوار کے بیٹھنے سے چر چر کرتا ہے۔ (ابُو داؤد)

۳۔ عن ابن عباس قال کنت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوماً فقال یا غلام احفظ اللّٰہ بحفظک تجدہ تجاھک واذا سئلت فاسئل اللّٰہ واذا استعنت فاستعن باللّٰہ۔ مشکوٰۃ باب التوکل۔ ترمذی۔

۳۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں ایک دن رسُولؐ اللہ کے پیچھے جا رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اَے جوان حدُود اللہ کی محافظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو اللہ سے سوال کر۔ اگر مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد مانگ۔ مشکوٰۃ باب التوکل بحوالہ ترمذی شریف۔

از **ویحک انہ لا یستشفع باللّٰہ علی احد** کہ در حدیث ابُو داؤد واقع شدہ حرمتِ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً لِلّٰہ نیز ثابت است۔

ویحک انہ لا یستشفع باللّٰہ علی احد کے ارشادِ نبویؐ سے جو کہ حدیث ابُو داؤد میں واقع ہے یا شیخ عبدالقادر جیلانی **شیئاً لِلّٰہ** کی حُرمت بھی ثابت ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

جواب

۱۔ **مفاد ایاک نستعین** آں کہ اِستعانت بنحیکہ مستعان منہ را خالقِ عون داند منحصر است در حقِ سُبحانہٗ وتعالیٰ خواہ در امُورِ دُنیویہ یا اُخرویہ امّا اِستعانت باّں معنی کہ مُستعان منہ را از مظاہرِ عون داند چنانچہ نظر بر کارخانہ اسباب و حکمت مسبب الاسباب ہمیں را تقاضاے کُند از مخلوق ممنُوع نیست و نہ منافی مفاد مذکور را۔ قال اللہ تعالیٰ **وتعاونوا علے البر والتقویٰ** پس مطلق استعانت و اِمداد طلبی را منحصر گفتن در او سُبحانہٗ وتعالیٰ ناشی است از فرطِ جہالت۔

۱۔ **ایاک نستعین** کا معنے اور مدلُول صرف یہ ہے کہ طلب مدد کرنا اس طرح کہ مستعان مِنہ کو خالقِ اعون و مدد یقین کرنا یہ جنابِ باری تعالیٰ شانہ کی ذات میں منحصر ہے خواہ امورِ دینی میں ہو خواہ امورِ دُنیاوی میں ہو۔ اور اگر استعانت کے یہ معنے نہ لیے جائیں بلکہ استعانت بمعنے اس امر کے کہ مستعان مِنہ کو مظہرِ عون جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کارخانہ حکمت و اسباب میں یہی امر جاری ہے کہ ہر چیز کے اسباب بنائے ہیں اور ہمیں ان اسباب کے استعمال کا حکم دیا ہے۔ پس کارخانہ اسباب و حکمت پر نظر کرنا اسی کا متقاضی ہے۔ لہذا یہ مدد مانگنا مخلوق سے ممنُوع نہیں اور نہ یہ **ایاک نستعین** کے معنے کے خلاف ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی **وتعاونوا علے البر والتقویٰ** سے ظاہر ہے یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دُوسرے کی مدد کیا کرو۔ پس یہ کہنا کہ مطلق مدد کا طلب کرنا جناب باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اِسی میں منحصر ہے اور کسی طور پر بھی مخلوق سے مدد طلب نہیں کی جا سکتی۔ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہے۔

خاتم المحدثین مولانا عبدالعزیز ے فرمائید قدس سرہٗ تقدیم **ایاک بر نستعین** مفید حصر است یعنی از غیرِ تو اِستعانت نداریم و ایں استعانت یا خاص است برائے عبادت یا عام است در جمیع امُورِ دُنیاودین اگر خاص است پس سر آنست کہ عبادت ہر چند کسبِ بندہ است مگر عمل بندہ بہ پیدا کردن خدا است و اگر عام است پس وجہِ اِختصاص آنست کہ ہر کہ غیرِ خود را اعانت ے کند۔ منتہیٰ کارِ او آنست کہ در دلِ او داعیہ اعانت آں غیرے اندازد و ایں فِعل فِعلِ او تعالیٰ است۔ پس گویا بندہ ے گوید غیر ترا اعانتِ بہم رسانند باز در دلِ او داعیہ اعانتِ من اندازی۔ پس من از وسائط قطع نظرے کنم و غیر از اعانت ترانے بینم۔ انتہیٰ ملخصاً[1]

خاتم المحدثین مولانا عبدالعزیز فرماتے ہیں قدسِ سرہٗ۔ **ایاک کا نستعین** پر مقدم کرنا حصر کا فائدہ بخشتا ہے یعنی آپ کے غیر سے ہم مدد نہیں مانگتے اور یہ استعانت یا خاص عبادت میں ہے یا جمیع امُورِ دُنیاودیں میں اگر خاص ہے۔ پس راز اس میں یہ ہے کہ اگرچہ عبادت انسان کا اپنا کسب ہے اور اپنا اختیاری فعل ہے مگر بندہ کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ پس عبادت میں استعانت ثابت ہو گئی۔ اور اگر عام ہے تو اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے غیر کی امداد و اعانت کرتا ہے اسکی غایت کار یہ ہے کہ اسکے میں دل میں غیر کی امداد کے اسباب اور دواعی ڈالے جائیں اور اسباب اعانت کا کسی کے دل میں ڈالنا باری تعالیٰ کا کام ہے۔ پس گویا بندہ کہتا ہے کہ آپ کے بغیر کوئی میری مدد نہیں کر سکتا اور اس سے

☆☆☆☆☆☆☆

[1] مترجم کہتا ہے کہ حاصل کلام حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کا یہ نکلا کہ مخلوق سے استعانت کی منع اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ مخلوق کی مدد بھی جناب باری تعالیٰ شانہٗ کی اعانت ہے اور اُسی جناب نے اُن کو معین بنایا ہے ورنہ وہ غیر ہرگز امداد نہ کرتے۔ پس وہ غیر مظہرِ عونِ الٰہی ٹھہرے۔ پس اگر ان کو مظہرِ عونِ الٰہی یقین کر کے استعانت کی جائے تو کوئی ممانعت نہیں۔ پس شاہ صاحب قدس سرہٗ کا کلام حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے کلام کو مؤید ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ مدد کا خالق اور مستقل صرف سمجھ کر کسی سے مدد طلب کرنا شرک اور حرام ہے لیکن مدد کا خالق خُدا کو سمجھ کر محض کارخانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے ایسی چیز سے مدد طلب کرنا جس سے شرعاً جائز ہو ہرگز شرک اور حرام نہیں۔ مترجم۔

اعانت کا امکان بھی نہیں۔ ہاں مگر آپ اس کی مدد فرمائیں اور میری امداد و اعانت کے اسباب جمع کرے اور پھر آپ اس کے دل میں میری امداد و اعانت کی خواہش ڈالیں تو جب یہ ممکن ہے پس میں ان تمام وسائط سے قطع نظر کرتا ہوں اور آپ کی اعانت پر ہی نظر رکھتا ہوں۔

۲۔ و در آیتِ دوئم مُراد از **لا تدعوا ویدعوہ وادعوا** معنی خواندن و ندا نمودن نیست بلکہ معنے عبادت است۔ بیضاوی معالم مدارک وغیرہ ہمہ تفاسیر متفق اند بریں پس عبادت غیرِ حق سُبحانہ و تعالیٰ حرام و شرک خواہد بود نہ نداء و خواندن۔

۲۔ آیت دوم میں مُراد **لا تدعوا ویدعوہ وادعوا** سے معنی پکارنے اور بُلانے اور نِدا کرنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ عبادت مُراد ہے۔ بیضاوی۔ معالم۔ مدارک وغیرہ تمام تفاسیر میں بالاتفاق یہی معنی مذکور ہیں۔ پس عبادت غیر اللہ حرام اور شرک ہوئی نہ آواز کرنا اور پکارنا۔

۳۔ و در آیتِ سوئم نیز مُراد از **یدعون** دعوت بطریقِ عبادت است و از **اناثا** اصنام۔ کمافی التفاسیر۔

۳۔ تیسری آیت میں بھی مُراد **یدعون** سے ایسا پکارنا ہے۔ جو کسی کو معبود سمجھ کر بطریق عبادت پکارا جائے اور اناث سے مُراد اصنام[1] ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

[1] مشرکین عام طور پر بُتوں کے نام مؤنث رکھتے تھے جیسے لاتؔ، مناتؔ اور کالؔی دیوی وغیرہ جو مؤنث نام ہیں۔ اور قرآن میں جو مشرکین کا شیطان کو پکارنے کا ذکر ہے۔ اس کا مفسرین کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ شرک کی رسمیں چونکہ شیطانی وسوسہ سے مروج ہوتی ہیں لہذا اُن پر عمل کرنے والے گویا شیطان کو دعوت دیتے ہیں۔ اور اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ مترجم۔

۴۔ و در آیت چہارم مُراد از یدعو یعبد است و از من لا یستجیب بتان کمافی المدارک وغیرہ۔

۴۔ اور چوتھی آیت میں یدعو کے معنے یعبد کے ہیں۔ اور من لا یستجیب لہ سے مراد بُت ہیں۔ مدارک وغیرہ تفاسیر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ و در آیت پنجم نیز مُراد از لا تدع لا تعبد است کمافی المعالم وغیرہ۔ علامہ سیوطی در اتقان گفتہ الدعاء ورد علےٰ اوجہ العبادۃ نحو ولا تدع من دون اللّٰہ مالا ینفعک الخ

۵۔ پنجم آیت میں بھی لا تدع سے مُراد لا تعبد ہے۔ معالم وغیرہ تفاسیر میں یہی ہے۔ علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں۔ لفظ دُعا کے کئی معانی ہیں۔ ان میں سے ایک معنے عبادت بھی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ولا تدع من دُون اللّٰہ مالا ینفعک۔ الآیۃ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

احادیث سے جو اعتراض کیے گئے ہیں اُن کا جواب

۱۔ مُراد از اں **تدعو للّٰہ نِدًا و ھو خلقک** **ان تجعل للّٰہ** است شیخ عبدالحق در ترجمہ مے نویسد قدس سرّہٗ بگردانی پروردگار عالم را مانند و ہمتا حالانکہ تُو مے دانی کہ وَے پیدا کردہ ترا۔ ملّا علی قاری در مرقاۃ نوشتہ **ان تدعو ای لتجعل للّٰہ**۔ قسطلانی در شرح **لا یدعون ای لا یعبدون**۔ وغیرہ نوشتہ۔

۱۔ **ان تدعو للّٰہِ نِدًا و ھو خلقک** سے مُراد ہے **ان تجعل للّٰہ** حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں قدس سرّہٗ۔ بنائے تُو پروردگار کا کوئی شریک و مساوی حالانکہ تو جانتا ہے کہ اُس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تو خُدا کا شریک بنائے۔ قسطلانیؒ نے **لا یدعون** کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے یعنی عبادت نہیں کرتے۔

۲۔ ودر حدیثِ دوئم معنے **نستشفع باللّٰہ علیک** آنست کہ ما عین ذاتِ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ را پیشِ تو شفیع آریم کہ مستلزم فضیلت و مزّیت مشفوع الیہٖ است بر شفیع نہ آں کہ نامِ خدائے راعزّ و جل وسیلہ مے گیریم پیش تو تا کہ بحرمت آں نامِ پاک برائے ما طلب باراں کُنی چہ سوال کردن از

۲۔ اس حدیث شریف میں معنی **نستشفع باللّٰہ علیک** کے یہ ہے کہ ہم خود ذاتِ جل جلالہٗ کو آپ کی خدمت میں سفارشی لاتے ہیں اور یہ جُملہ اس معنی میں یہ مطلب ہے کہ جناب باری تعالیٰ جو شفیع بنائے گئے ہیں۔ جناب رسالت مآبؐ اعلیٰ مرتبہ ہیں۔ حالانکہ یہ صریح کفر[1] ہے۔ اور یہ معنے اس جملہ کے

[1] مترجم کہتا ہے کہ قرینہ اس پر یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے **فشان اللّٰہ اعظم من ذالک** بھی فرمایا ہے۔ پھر جناب باری تعالیٰ کی عظمت کی وہ تفسیر فرمائی ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ اور اس امر کا کوئی بھی ہم میں سے قائل نہیں اور نہ ہی یہ معنے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ کے ہیں۔ اور نہ یہ مُراد لیے جاتے ہیں۔ (مترجم)

کسے بحرمتِ نامِ او سبحانہٗ و تعالیٰ ممنوع نیست بلکہ ثابت است از قولہٗ تعالیٰ **واتقو اللّٰہ الذی تساءلون بہ والارحام**۔ تفسیر کبیر۔ واز احادیث صحیح عن ابن عباس **قال قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا اخبرکم بشر الناس قیل من ھو قال الذی یسئل باللّٰہ ولا یعطی بہ۔ رواہ احمد۔ و عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من استعاذ باللّٰہ فاعیذوہ ومن سأل باللّٰہ فاعطوہ۔ رواہ النسائی** وغیرہ۔ بالجملہ احادیثِ کثیرہ وارداند دریں مضمون **لا نذکرھا مخافۃ التطویل**۔

نہیں کہ ہم نام مبارک جناب باری تعالیٰ شانہٗ کو وسیلہ پکڑتے ہیں تاکہ بحرمت اس اسم مبارک ہمارے لیے بارش طلب فرما دیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نام مُبارک کی حُرمت سے کوئی چیز کسی سے مانگنے کی ممانعت نہیں اور نہ ہی اس نام کا وسیلہ بنانا ممنوع ہے بلکہ قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا وسیلہ بنانا اور اسی نام کی حرمت سے کچھ مانگنا جائز اور مستحسن ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس کے نام کے وسیلہ سے سوال کرتے ہو۔ اور حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا نہ بتاؤں تم کو کہ سب سے بُرا آدمی کون ہے۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر اُس سے مانگا جائے اور نہ دے۔ نیز فرمایا کہ جو اللہ کے نام پر پناہ مانگے اُس کو پناہ دو۔ اور جو اللہ کے نام پر مانگے اُس کو دو۔ مجمل یہ ہے کہ اس مضمون میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ تطویل کے خوف سے ان کو ذکر نہیں کیا جاتا۔

۳۔ ودر حدیثِ سوئم مقصود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان توکل است کہ مقامیست عالی ومخصوص بخواص پس برائے

۳۔ تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں مقصود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام توکل کا بیان ہے جو بلند مقام ہے اور خواص

اوشاں توجہ باسباب و انہماک دراں ہا موجبِ تنزّل است ازاں مقام کہ حسنات الابرار سیّئات المقرّبین مشعراست ازاں نہ آں کہ اِستعانت از بنی نوع واستمداد از اَرواحِ طیبہ انبیاء واَولیاء وتوسّل باسباب ممنوع وحرام باشد مطلقاً۔

کے لیے مخصوص نہ ہے۔ پس خواص کے لئے اسباب کی طرف توجہ اوراسباب میں مشغولیت اس مقام بلند سے تنزّل کا مُوجب ہے۔ چنانچہ قولِ مشہور حسنات الابرار سیّئات المقرّبین۔ عام نیکوں کی بھلائیاں بلند درجات والوں کی بُرائیاں ہیں۔ یہ اسی مقام بلند کی خبر دیتا ہے اوراس سے مقصود یہ نہیں کہ ہم جنس مخلوق اورارواحِ طیبہ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا اوراسباب کے ساتھ توسّل کرنا مطلق حرام ہے۔

ورنہایہ گفتہ **ھذا من صفات الاولیاء المعرضین عن اسباب الدنیا وعوائقھا الذین لا یلتفتون الیٰ شیءٍ من عوائقھا وتلک درجة الخواص لا یبلغھا غیرھم واما العوام فرخص لھم التداوی والمعالجات۔ (احقاق الحق)**

صاحبِ نہایہ فرماتے ہیں کہ جو صفات اس حدیث میں مذکور ہیں یہ صفات اولیاء اللہ کے ہیں جواسبابِ دُنیا سے اعراض کرتے ہیں اور دُنیاوی موانع کی طرف اُن کی بالکل التفات نہیں ہوتی۔ اور یہ درجہ خواص کا ہے جس کو دُوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔ بہر حال عوام کے لئے تو دوا و معالجہ اور دیگر دُنیاوی اسباب کی اجازت ہے۔

الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعضے ارشادات بحسبِ حیثیت مادۂ مخاطب فرمودہ اند نہ علی العموم نے بنی کہ وقتے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمیع مالِ خودرا تصدق کردہ نظر بہ یقین وتوکل وصبراو اِنکار نہ

حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض ارشادات مخاطب کے مادہ اور حیثیت کے مطابق فرمایا کرتے اوروہ عام نہیں ہوتے تھے۔مخاطب کے لئے ہوتے تھے۔دیکھو جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال

فرمودند صلی اللہ علیہ وسلم وآں صحابی دیگر را منع فرمودند وقتے کہ تصدق کرد بجمیع مالِ خود ہم چنیں استعانت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بغیراو سبحانہٗ وتعالیٰ **حین قال اذکرنی عند ربک** مناسب نہ بود بمقام نبوت **کما یدل علیہ قولہ علیہ السّلام رحم اللّٰہ اَخِیْ یُوْسُفَ لَوْلَمْ یَقُلْ اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ لَمَا لَبِثَ فِی السِّجْنِ سَبْعًا** نہ آں کہ شرعاً ممنوع بود۔

خیرات کر دیا تو آپؐ نے انکار نہیں فرمایا اس واسطے کہ اُن کے یقین اور صبر اور توکل پر نظر تھی۔ اور جب دُوسرے ایک صحابی نے سب مال خیرات کیا تو آپؐ نے انکار فرمایا اور اُس کو منع کیا۔ اسی طرح جب یُوسف صدیق علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگی اور کہا مجھے اپنے مالک کے پاس یاد کرنا۔ تو یہ مقامِ نبوت کے مناسب نہ تھا۔ نہ یہ کہ یہ امر دُوسروں کے لیے بھی شرعاً ممنُوع تھا۔ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ارشاد مذکور کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ امر مقامِ نبوت کے مناسب نہ تھا۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسفؑ پر رحم کرے۔ اگر **اذکرنی عند ربک** (مجھے اپنے بادشاہ کے پاس یاد کرنا اور میری سفارش کرنا کہ ایک مظلوم بے گناہ جیل خانہ میں ڈالا گیا ہے نہ کہتے) تو وہ ہرگز سات سال جیل خانہ میں نہ رہتے۔

نقل است کہ سُلطان الزاہدین حضرت فریدالدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد افاقہ از مرض روزے بباعث عارضہ ضُعف قدمے چند بر تکیہ چوب رفتہ آں چوب را انداختند بنوعے کہ از چہرہ مُبارک آثارِ ناخوشی نمودار شدند۔

شدند۔ بعد ازاں حسبِ موقع سائلے برائے دریافتِ سبب عرض نمود۔ بجوابش فرمودند کہ وقتے کہ گامے چند باتکاء آں چوب رفتم شنیدم کہ ہاتفے مے گفت اَے فرید تاہنوز متّکیٰ وتکیہ گاہِ تو بغیر از مابُود و ایں زبان خلاف معتاد برغیرِ ما تکیہ نمودی۔ ایں بُود وجہ انداختن ماچوب۔

نقل ہے کہ زاہدین کے سُلطان حضرت فریدالدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایک مرض سے تندرُست ہوئے۔ تو بوجہ ضعف چند قدم عصا پر تکیہ کر کے چلے اور پھر فوراً اس عصا کو پھینک دیا اور چہرہ مبارک سے رنجیدگی کے

آثار بھی ظاہر ہوئے اس کے بعد حسبِ موقعہ ایک شخص نے عصا پھینکنے کا سبب دریافت کرنے کے لئے عرض کیا تو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں چند قدم اس عصا کے سہارے چلا تو ہاتفِ غیب نے پُکار کر کہا کہ اے فرید اب تک تو تیرا تکیہ گاہ ہم تھے اور ہمارے سوا کوئی تمہارا تکیہ گاہ نہ تھا اب خلافِ عادت ہمارے غیر پر تکیہ کیا۔ اس وجہ سے میں نے عصا پھینک دیا ہے۔

تنبیہ۔ باید دانست کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوقے را از مبداء فیاض خصوصیتے و شان ممتاز است از شیونات مخلوق دیگر کہ منشاء و مبنیٰ مے باشد برائے ظہور و ترتب آثار و احکام ممتازہ و لازم نیست کہ موجبِ فضیلت مطلقہ باشد بر بنی نوع پس لازم نیامد فضیلت سلطان الزاہدین بر موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام و غیر او از انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام **فتدبر ولا تعجل**[1] **علیکم بالسواد الاعظم وایضاً لن تجتمع امتی علی الضلالۃ و مقولۃ ابن مسعودؓ ما رآہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن** را زیر نظر باید داشت تا کہ از قصور فہمی خود فیما بین احادیث تعارض و تناقض روئے نہ نماید و مصداق **اذا اسمعت الرجل یقول ھلک الناس فھو اھلکھم** نگردد

تنبیہ۔ جاننا چاہیے کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کو مبداء فیاض سے سے ایک خاص خصوصیت اور شان ملی ہے جو دوسری مخلوق کے شیون سے ممتاز ہے اور وہ شان نمایاں احکام اور خصوصی آثار کے ترتب کا مدار ہے۔ لہذا ضروری نہیں کہ بنی نوع پر فضیلت مطلقہ کا سبب بنے۔ پس اس قصہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت بابا صاحبؒ کو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام و دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت مطلقہ ثابت ہو جائے۔ پس سوچ اور جلدی نہ کر۔ سوادِ اعظم کے طریقہ کو لازم رکھو اور حدیث **لن تجتمع اُمّتی** الخ و مقولہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ **ما رآہ المسلمون** الخ کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیے تا کہ اپنے قصور فہمی سے آیات اور حدیثوں کے درمیان تعارض اور تناقض نہ ہونے پائے اور اس حدیث کا مصداق نہ بن جائے۔ **اذا اسمعت**۔ الخ۔

[1] سوادِ اعظم کے طریقہ کو لازم کرو اور یہ حدیث کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور حضرت ابن مسعود کا قول کہ جس چیز کو اہل اسلام اچھا سمجھیں وہ اچھی ہے۔ مدنظر رکھیں تا کہ سمجھ میں کوتاہی کے باعث آیات اور احادیث میں تناقض محسوس نہ ہو۔ اور اس حدیث کا مصداق نہ ہونا پڑے کہ جب کسی سے یہ سنو کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ شخص خود بڑا ہلاک ہونے والا ہے۔ (مترجم)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ در شرح ایں
حدیث نوشتہ **عندی له معنی آخر وهو ان يخالف جمهور المسلمين وعامة حملة العلم ويخترع قولاً غير قولهم ثم يُقدم على الانكار والطعن فيهم انتهىٰ۔**
نے بینی کہ قولہ تعالیٰ **ایاک نستعین**
بزعم حصر استعانت مطلقہ مصادم و مناقض
آیت **وتعاونوا على البر والتقوىٰ** خواہد بود ہمچنیں قولہ تعالیٰ
الیس اللّٰہ بکاف عبدہ بخیال
آنکہ مفادش کفایت او سبحانہ وتعالیٰ است و
عدم احتیاج بما سوے مناقض آیہ **ولو**

حکیم الامت مولنا شاہ ولی اللہؒ اس حدیث کی
شرح میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس
حدیث کا ایک دُوسرا معنیٰ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ
جمہور مسلمین اور اکثر حاملین علم کی مخالفت
کرے اور اُن کے قول کے خلاف ایک قول
گھڑ ڈالے اور پھر ان لوگون پر طعن کرے اور
ان پر انکار کرے۔

دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا قول مُبارک **ایاک نستعین** جب یہ زعم اور خیال ہو کہ مطلق
استعانت کا حصر ہے مناقض ہو جائے گا۔ آیۂ
شریفہ **وتعاونوا على البر والتقوىٰ** کے اس لیے کہ اس آیت میں حکم
ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اسی طرح
اللہ تعالیٰ کا ارشاد **الیس اللّٰہ بکاف**

اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا O

نساء (۶۴)

عبدہ کا جب یہ معنے خیال میں رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی ہرگز ہرگز حاجت نہیں کسی کام میں بھی کسی کی ضرورت نہیں تو یہ آیت شریف مناقض ہو جائے گی۔ دوسری آیت شریف **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم** الآیۃ کی اس لیے کہ اس آیت شریف میں حکم ہے کہ جب گنہگار گناہ کرکے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور مغفرت طلب کریں اور آپؐ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ کو رحیم اور توّاب پائیں گے۔

چوں کہ **انّ القرآن يفسر بعضه بعضاً** واردشدہ وہمہ آیات آیاتِ قرآنیہ ندہمہ رامرعی داشتہ **وضع كل شیء فی مرتبته** راکار باید بست ازیں جا دانستہ باشی کہ بودن اوسبحانہ وتعالیٰ کافی برائے عبادِ خود وسمیع وبصیر منافی نیست بہ بُردن التجا بسوئے محبوبے از محبوبانِ حق و توسّل بدوشاں چہ اوتعالےٰ باوجود سمیع بُودن او بلا واسطہ امر فرمود بحاضر شدن گنہگاران بحضور نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسّلام و مغفرتِ خود را وابستہ ومنوط گردانید۔

اِس آیت میں شرط کر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مغفرت طلب کریں تو مغفرت ہوگی۔ چونکہ وارد ہوا ہے کہ قرآن شریف کی بعض آیات دوسری بعض کی تفسیر کرتی ہیں اور تمام آیات قرآن شریف کی ہیں۔ لہذا تمام آیات کی رعایت کرتے ہوئے ہرایک کو اپنے موقعہ اور مرتبہ پر رکھنے کا کام کرنا چاہیے۔ یہاں سے تم کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ جناب الٰہی کا اپنے بندوں کے لئے کافی ہونا اور سمیع و بصیر ہونا اور بندے کا اپنی حاجات کو کسی محبوب کے توسّل سے پیش کرنا اور کسی محبوبِ خدا کی

بمغفرت و دُعا طلبی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(۱)جاؤک۔

(۲)واستغفر لھم الرسول۔

(۳)لوجد واللہ تواباً رحیماً

قابل غوراست عن ربیعة بن کعبؓ قال کنت ابیت مع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم فاتیتہ بوضوءہ وحاجتہ فقال لی سَلْ فقلت اسئالک مرافقتک فی الجنة قالِ او غیر ذالک قلت ھو ذاک قال فاعنی علی کثرة السجود۔ رواہ مسلم۔

طرف التجا کرنا آپس میں منافی نہیں ہیں۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ باوجود اپنے کافی ہونے اور سمیع و بصیر بلا واسطہ ہونے کے گنہگاروں کو ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ درگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوں اور پھر اپنی مغفرت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت طلبی اور دُعا فرمانے پر موقوف اوروابستہ فرمایا۔ جاءوک۔ واستغفرلھم الرسول۔ لوجدوااللّٰہ تواباً رحیما قابلِ غور ہیں۔ ربیعہؓ بن کعب سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ پس ایک دن میں آپؐ کے لیئے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لے آیا۔ پس آپؐ نے فرمایا جو چیز چاہے مجھ سے مانگ۔ مانگ لے جو چاہتا ہے۔ پھر میں نے عرض کی کہ بہشت میں آپؐ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی اور چیز مانگ۔ میں نے عرض کی۔ میرا مطلوب تو یہی ہے۔ فرمایا کہ کثرتِ سجود کو میری اعانت کے ساتھ شامل کر۔

رواہ مسلم

دریں حدیث کلمہ **سَلْ وقال او غیر ذٰلک** را ملاحظہ باید نمود کہ از عدم ذکر مفعول **سَلْ** واز **اَوغیر ذٰلک** چہ قدر وسعت و اطلاق مسئول معلوم مے شود۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ در شرح ایں حدیث نوشتہ۔ واز اطلاق سوال کہ فرمود سَلْ وتعیین نہ کرد مسئول معین و مطلوبے خاص معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ہر چہ خواہد و ہر کرا خواہد باذن تقدس وتعالیٰ بدہد۔

فان من جودک الدنیا وضرتها
ومن علومک علم اللوح والقلم

اگر خیریتِ دُنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیاو ہر چہ می خواہی تمنا کن

اس حدیث میں کلمہ **سَلْ وقال او غیر ذٰلک** کو ملاحظہ کرنا چاہیے اس لیے کہ **سَلْ** کا مفعول ذکر نہیں فرمایا نیز **او غیر ذٰلک** بھی فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ مسئول اور مطلوب میں بہت ہی وسعت ہے اور بہت ہی اطلاق ہے۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ **سَل** کو مطلق فرمایا ہے اور مسئول کو معیّن نہیں فرمایا اور مطلوب کو خاص نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام کام آپؐ کے دستِ ہمت و کرامت میں ہیں جو کچھ چاہیں اور جس کو چاہیں اللہ تعالیٰ کے اِذن اور حُکم سے دے دیں۔

دنیا اور آخرت آپؐ کی جُود و سخا کے دو جُزیئے ہیں اور لوح و قلم کا علم آپؐ کے علم کے دو حصے ہیں۔

اگر دُنیا و آخرت کی بھلائی کی تمنا رکھتے ہو تو آپؐ کی درگاہ میں آؤ اور جو چیز چاہو اُس کی تمنا کرو۔ الیٰ آخرہ۔

ملّا علی قاری نوشتہ سَلْ ای اطلب منی حاجۃ وقال ابن حجر اتحفک بھا فی مقابلۃ خدمتک لی لان ھذا ھو شان الکرام ولا اکرم منہ علیہ السلام ویؤخذ من اطلاقہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الامر بالسوال ان اللّٰہ تعالیٰ مکنّہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق و ذکر ابن سبع فی خصائصہ وغیرہ انّ اللّٰہ تعالیٰ اقطعہ ارض الجنۃ یعطی منھا ما شاء لمن یشاء الیٰ آخرہ۔ ﴿احقاق الحق﴾

ملّا علی قاری نے لکھا ہے سَلْ یعنی مجھ سے حاجت طلب کر ابنِ حجر فرماتے ہیں تُو نے جو میری خدمت کی ہے میں اس کے مقابلہ میں تیری حاجت کو بطور تحفہ کے پُورا کروں گا۔ اس لیے کہ ارباب کرم کا یہی طریقہ ہے اور آپؐ سے زیادہ کریم کوئی نہیں اور آپؐ کے امر سوال کو مطلق چھوڑ دینے سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو جس قدر چاہیں عطا کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ اور ابن سبع نے خصائص میں لکھا ہے کہ جنت کی زمین اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور جاگیر عطا فرمادی ہے جس کو جتنی چاہیں عطا فرمادیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال

مشرکین ہم اصنام را شفعاء و سفراء مے دانستند نہ خالق ارض وسماو غیرہما لقولہ تعالیٰ **ولئن سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله** پس چیست فرق مابین مومنین کہ اعتقاد دارند بشفاعتِ انبیاء و اولیاء و مابین مشرکین مع آں کہ اصنام وانبیاء واولیاء ہمہ داخل اندر ماسوے اللہ۔

مشرکین بھی اپنے بتوں کو زمین و آسمان کا خالق نہیں جانتے تھے۔ بلکہ وہ بتوں کو اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت شریف سے سمجھا جاتا ہے۔ پس مومنین جو انبیاء و اَولیاء کی شفاعت اور توسّل کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مشرکین جو بتوں کی شفاعت و توسّل کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اُن کے درمیان کیا فرق رہا۔ اس لیے کہ انبیاء و اولیاء اور اصنام سب غیر اللہ ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو بیان کرو۔

جواب

مشرکین اصنام را معبود و مستحق عبادت مے دانستند۔ قال اللہ تعالیٰ **حاكيا عنهم**

فرق واضح ہے۔ مشرکین اپنے اصنام (بتوں) کو معبود اور مستحق عبادت جانتے تھے۔

ما نعبدهم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفیٰ فلذا وَرَدَ لا الٰہ الااللہ ردًا علیھم۔ چنانچہ بادشاہے کسے را از خدمہ بمقابلۂ خدمت او مُلکے یا شہرے عطا فرماید وتدبیر آں مُلک وآں شہر حوالہ او سازد پس آں بالاستقلال متصرف باشد واہل آں مُلک و بلدہ او را مثلِ بادشاہ دانند حکیم الامت شاہ ولی اللہ در حجۃ اللہ البالغہ مے نویسد۔ **والمشرکون وافقوا المسلمین فی تدبیر الامور العظام وفیما ابرم وجزم ولم یترک لغیرہ خیرَۃ ولم یوافقوا ھم فی سائر الامور و ذھبوا الیٰ ان الصالحین من قبلھم عبداللّٰہ وتقربو الیہ فاتا ھم اللّٰہ الا لوھیۃ فاستحقوا العبادۃ من سائر خلق اللّٰہ کما ان ملک الملوک یخدمہ عبدہ فیحسن خدمتہ فیعطیہ خلعۃ الملک ویفوض الیہ تدبیر بلد من بلادہ فیستحق السمع والطاعۃ من اھل ذالک البلد**

اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف سے بطور حکایت فرمایا ہے **ما نعبدھم الا لیقربونا** ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ ہمیں خُدا کے قریب کر دیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کا ردّ کیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں مشرکین کہتے تھے کہ جس طرح بادشاہ اپنے خادموں کو کسی خدمت کے بدلے میں کوئی مُلک یا شہر دے دیتے ہیں۔ اور اُس ملک یا شہر کی تدبیر اُسی کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ خادم اس ملک اور شہر کا مستقل بادشاہ اور متصرف ہوتا ہے۔ اور اُس ملک یا شہر کے لوگ اُس کو بادشاہ جانتے ہیں۔ اسی طرح یہ بُت ہیں۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ مشرکین بڑے بڑے کاموں کی تدبیر کے بارے میں مومنین کے موافق ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور کسی دوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ مگر باقی امُور اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں مومنین کے موافق نہیں ہیں۔ وہ مشرکین کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے صالحین گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اُس کا قرب حاصل کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُنہیں الوہیت (خدائی) دی اور وہ تمام مخلوق کے

وقالو الاتقبل عبادة اللّٰه الامضمومة بعبادتهم بل الحق فی غایة التعالی فلا تفید عبادته تقربا منه بل لا بد من عبادة ھٰؤلاء یسمعون و یبصرون ویشفعون لعبادھم و یدبرون امورھم وینصرونھم فنصبوا علیٰ اسمائھم احجارا وجعلوھا قبلة عند توجھھم الیٰ ھٰؤلاء فخلف من بعدھم خلف" فلم یعطوا الفرق بین الاصنام و بین من ھو علیٰ صورتہ فظنوھا معبودات باعیانھا ولذٰلک رد اللّٰہ تعالیٰ علیھم تارة بالتنبیہ علی انّ الحکم والملک لہ خاصة و تارة ببیان انھا جمادات الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھا ام لھم آذان یسمعون بھا۔

لئے مستحق عبادت ٹھہرے جیسے کہ کوئی شہنشاہ کہ اُس کا غلام اُس کی خدمت کرتا ہے اور اچھی طرح خدمت کرتا ہے۔ پس بادشاہ اُسے بادشاہی خلعت عطا کرتا ہے اور اس کی طرف کسی شہر کی تدبیر سونپ دیتا ہے۔ پس اس شہر کے باشندے اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ اس اطاعت کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز مشرکین کا مذہب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی صورت میں مقبول ہوتی ہے۔ جب کہ اس کی عبادت کے ساتھ ان صالحین کی عبادت بھی مل جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا ہو تو مقبول نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ نہایت عظمت اور بلندی والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے تقرب کے لئے بالکل مفید نہیں۔ بلکہ انہیں صالحین کی عبادت ہی ضروری ہے۔ اور یہ صالحین اب بھی سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی عبادت کرنے والوں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں۔ پھر ان صالحین کے ناموں کے مطابق پتھروں کو کھڑا کر دیا اور ان صالحین کی طرف توجہ کرتے وقت ان پتھروں کو قبلہ بنایا۔ اس کے بعد ان کی اولاد ہوئی جنہوں نے ان بتوں اور صالحین

کے درمیان کوئی فرق نہ کیا اور انہیں بتوں کو سچا معبود یقین کر لیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر مختلف طور پر ردّ فرمایا۔ کبھی فرمایا کہ حکم اور ملک خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور کبھی فرمایا کہ یہ بے دست و پا ہیں۔ نہ اُن کے پاؤں ہیں کہ چل سکیں نہ ہاتھ ہیں کہ پکڑ سکیں نہ آنکھیں ہیں کہ دیکھ سکیں نہ کان ہیں کہ سُن سکیں[1]۔

ونیز انبیاء کرام واَولیاء عظام راصلوات اللہ و سلامہٗ علیہم اجمعین منصبِ شفاعت است باذنِ او سبحانہٗ وتعالیٰ بخلافِ اصنام۔

قال اللّٰہ تعالیٰ من ذالذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ ؕ وقال علیہ السلام اعطیت

اور نیز انبیاء کرام واَولیاء عظام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو منصبِ شفاعت باذنِ الٰہی ثابت ہے اور اصنام کو ہرگز ہرگز یہ بات حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کون ہے جو اس کی اجازت اور حکم کے سوا شفاعت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے شفاعت کا رُتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین صالحین کو معبود بناتے تھے اور ان کے لئے حاکمیت اور بادشاہت ثابت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تردید میں فرمایا کہ **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہ** یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نیز فرمایا کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ پس بادشاہ بھی وہی ہے اہلِ ایمان وتوحید انبیاء واَولیاء وصالحین کو معبود نہیں مانتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ہی حاکم اور بادشاہ مانتے ہیں ہاں وہ صالحین کو وسیلہ مانتے ہیں نہ ہی وہ صالحین کو مستحق عبادت جانتے ہیں اور نہ ہی اُن کی عبادت کرتے ہیں۔ ہاں اُن سے دُعا کراتے ہیں یا خود دُعا میں اُن کے ساتھ توسّل کرتے ہیں۔ (مترجم)

الشفاعة۔ وعن عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال اللّٰه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم یشفع یوم القیٰمة ثلٰثة الانبیاء ثم العلماء ثم الشهداء رواہ ابن ماجه۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔ قیامت کے دن تین قسم کے اشخاص شفاعت کریں گے۔ پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شُہداء۔ (رواہ ابنِ ماجہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال

عدم سماعِ موتیٰ از نصِ قرآنی **انک لا تسمعُ الموتی وما انت بمسمعٍ من فی القبور** ثابت است و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہ ہمیں آیت استدلال نمودہ حدیث **ما انتم باسمع** را تاویل کردہ **کما فی البخاری** پس استمداد از موتیٰ کاریست عبث۔

مُردوں کا کچھ نہ سُننا نصِ قرآن پاک سے ثابت ہے۔ (بے شک تم موتیٰ کو نہیں سُنا سکتے اور نہ اُن کو جو قبروں میں ہیں) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب ہے۔ اور اسی آیت سے اُنہوں نے استدلال کیا ہے اور حدیث کی تاویل کی ہے۔ جیسا کہ بُخاری شریف میں ہے۔ پس مُردوں سے مدد مانگنا بے فائدہ کام ہے۔

جواب

درآیتِ مذکورہ اسماعِ منفی ہمانست کہ در **انْ تُسمعُ الّا مَنْ یُؤمنُ بِاٰیاتنَا** ثبت گشتہ ومحصور وظاہر است کہ محصور در

آیت مذکورہ میں جو اسماع منفی ہے اسی کو **ان تسمع** کی آیت میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور اثبات بطریق حصر کیا گیا ہے[1]۔ ظاہر ہے کہ

[1] قرآن شریف میں یہ آیات اس طرح مذکور ہیں۔ **اِنکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتیٰ وَمَا اَنْت بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اِنْ تُسْمِعَ الّا مَنْ یُّؤمِنُ بِاٰیاٰتِنَا**۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

مومنین اسماع اجابت است نہ مطلق اسماع لعدم صحة الحصرِ یدل علیه قوله علیه السلام ما انتم باسمع لما اقول منهم غیر انهم لا یستطیعون ان یَرُدُّوا عَلَیَّ شیئًا۔ (اخرجہ الشیخان)	جس اسماع کا اثبات مومنین کے لے کیا گیا ہے وہ اسماع اجابت ہے نہ مطلق [1]۔ اور اگر مطلق اسماع کی نفی کی جائے تو سُنانے کو من یؤمن بآیاتنا میں حصر کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سُنتے۔ مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔ (بدور سافرہ للامام السیوطیؒ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ**) اِن آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسماع کی نفی کی گئی ہے۔ **موتیٰ** اور **من فی القبور** سے اور اثبات کیا گیا ہے بلکہ حصر کیا گیا ہے۔ **من یومن بآیاتنا** میں تو معلوم ہوا کہ جو اسماع منفی ہے وہی مثبت ہے اگرچہ اسماع کے متعلقین ہر دو جگہ مختلف ہیں مگر اسماع ایک ہی ہے۔ (مترجم)

[1] پس کفار سے نفی بھی اسماع اجابت کی ہوگی۔ پس اگر موتی اور **من فی القبور** سے ان کے حقیقی معنے لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو مُردے حالتِ کُفر میں مرگئے ہیں وہ اب آپ کی کلام کو سُن کر اجابت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ دارِ تکلیف سے نکل چکے ہیں۔ اُن کا کفر اب زائل نہیں ہوسکتا۔ یعنی ان کو اب نفع نہیں ہوسکتا۔ پس اس لحاظ سے من یؤمن سے بھی مؤمن مُردے مُراد لیے جائیں گے۔ یعنی اُن کو آپ کی کلام سُننے سے نفع ہوتا ہے۔ اور اگر مُراد موتی اور من فی القبور سے موتی قلب، دل کے مُردے ہیں یعنی زندہ کافر جو اصرار کفر پر کرتے ہیں تو معنے یہ ہوں گے کہ کفار مصرّین آپ کی کلام سُن کر اجابت نہیں کریں گے۔ اور اسلام نہیں لائیں گے۔ ہاں جو مومن ایمان لانا چاہتے ہیں اور ایمان میں پختگی چاہتے ہیں وہ آپ کا کلام سُن کر ضرور قبول کریں گے اور اگر مراد مطلق اسماع ہو تو اس کی نفی غیر ممکن ہے۔ اس لئے کہ اگر کفار مصرّین نے آپ کا کلام مبارکہ مطلقاً سُنا ہی نہیں تو کُفر کیسا۔ کفر کہتے ہیں انکار کو جب کوئی کلام ایک شخص سُنتا ہی نہیں تو وہ اس کا انکار کیسے کرے گا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں آیت شریف اس بحث سے خارج ہوگئی۔ اور پہلی صورت میں بھی سماع نافع کی نفی ہوئی نہ سماع مطلق کی۔ لہذا مخالف کا استدلال درست نہ ہوا۔ (مترجم)

ابن کثیر مے نویسد (وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ) ای کما لا ینتفع الاموات بعد موتهم الخ و نیز گفتہ قال تعالےٰ انک لا تسمع الموتیٰ ای لا تسمعهم شیئا ینفعهم (الیٰ ان قال) ان تسمع الامن یؤمن بآیاتنا فهم مسلمون. ای انما یستجیب لک من هو سمیع بصیر السمع والبصر النافع فی القلب الخ و در تفسیر کبیر نوشتہ (ثم قوله تعالیٰ ان الله یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ط وفیه احتمال معنیین الاوّل ان یکون المراد بیان کون الکفار بالنسبة الیٰ سماعهم کلام النبی والوحی النازل علیه دون حال الموتیٰ فان الله یسمع الموتیٰ والنبی لا یسمع من مات و قبر فالموتےٰ سامعون من الله والکفار کالموتےٰ لا یسمعون من النبی انتهیٰ.

علامہ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں (وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ) کی تفسیر یہ ہے کہ جیسے مُردے مرنے کے بعد نفع نہیں اُٹھا سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سماع نافع کی نفی ہے نہ مطلق سماع کی۔ نیز اُنہوں نے فرمایا ہے۔ قال تعالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی یعنی آپ انہیں ایسی چیز نہیں سُنا سکتے جو نفع دے۔ البتہ آپ ان لوگوں کو سُناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور مُسلمان ہیں یعنی تیری بات وُہی مانیں گے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ (ثم قوله تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ) بے شک اللہ جسے چاہتا ہے سُنا دیتا ہے اور تو قبر والوں کو سُنانے والا نہیں۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ پہلا یہ کہ کافر لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے کلام کی نسبت سے اور جو وحی آپؐ پر نازل ہوئی ہے اُس کی نسبت سے مُردوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو سُنوا سکتے ہیں۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام اُس شخص کو جو مر گیا اور دفن کیا گیا نہیں سُنوا سکتے۔ پس مُردے اللہ تعالیٰ سے سُنتے ہیں اور کفار مثل مُردوں کے نبی علیہ

وفی الدرالمنثور عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فی قولہ انک لا تسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم یقف علی القتلیٰ یوم بدر ویقول ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقًا یا فلان بن فلان الم تکفر بربک الم تکذب نبیک الم تقطع رحمک فقالوا یا رسول اللّٰہ ایسمعون ما تقول قال ما انتم باسمع منھم لما اقول فانزل اللّٰہ انک لا تسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور انتھیٰ موضع الحاجۃ۔ بناءً علیٰ ھذا مدلول آیت نفی اسماع است نہ نفی سمع فتدبر[1]

الصلوٰۃ والسّلام سے نہیں سُنتے۔ اور دُرِّ منثور میں ابنِ عباسؓ سے روایت ہے اس آیت کی تفسیر میں **انک لا تسمع الموتیٰ الآیہ** فرمایا ابن عباسؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن کافر مقتولین کے اوپر جا کھڑے ہوئے اور فرماتے رہے۔ آیا تم نے وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا تھا سچا پالیا۔ اے فلاں ابنِ فلاں کیا تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر نہیں کیا۔ اور کیا تو نے اپنے پیغمبر کی تکذیب نہیں کی۔ اور کیا تُو نے اپنے رشتہ کو نہیں کاٹا صحابہ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ کیا وہ سنتے ہیں جو آپؐ اُن کو فرما رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا **انکَ لا تُسْمِعُ الآیۃ** ان تفاسیر کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ آیت شریف میں نفی اسماع کی ہے یعنی تُو نہیں سُنوا سکتا سماع کی نفی نہیں کہ وہ خُدا کے سنوانے سے بھی نہیں سُنتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] بعضے از محققین در جواب منکرین سماع موتی تمسک مے گیرند بآیت **انک لا تسمع الموتیٰ** ونحوہ گفتہ کہ مُراد از موتی میت بموتِ قلبی (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] منکرین سماع موتی جو کہ آیت **انک لا تسمع الموتیٰ** سے تمسک پکڑتے ہیں۔ اس کے جواب میں بعض محققین کہتے ہیں کہ آیت میں واقع کلمہ موتی سے مُراد (باقی بر صفحہ آئندہ)

واستبعاد صدیقہ رضی اللہ عنہا سمع موتے را محض عقلی است پس تردید روایت ودرایت عُمر رضی اللہ عنہ کہ حاضر واقعہ قلیب بدر بود کردہ نمے تو اند۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا بجائے یسمعون درحدیث یعلمون گفتہ وقولہ علیہ السّلام **غیر انھم لا یستطیعون ان یردّوا علیّ شیئا** صاف دلالت مے کند بریں کہ موتے قلیب بدر می شنید ند فرمودۂ آں حضرت را صلی اللہ علیہ وسلم لیکن قادر نبو دند بر

باقی رہا یہ امر کہ حضرت صدیقہؓ نے سماعِ موتی کو بعید سمجھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ استبعاد محض عقلی ہے۔ پس حضرت امیر عُمر رضی اللہ عنہ کی روایت اور درایت کو باوجود اُن کے قلیب بدر کے موقع پر حاضر ہونے کے ردّ کرنا ممکن نہیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ردّ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دراصل آپؐ نے **یعلمون** فرمایا تھا حضرت عمرؓ نے **یسمعون** سمجھ لیا۔ مگر اس حدیث کا دوسرا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) است کما قولہ تعالیٰ او **من کان میتا فاحیینٰہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا** نہ میت حقیقی وعُرفی وبرتقدیر تسلیم مفاد آیت نفی اسماع است نہ نفی سماع۔ **ولو سلمنا** پس مُراد از عدم سماع عدم اثر سماع است۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حقیقی وعُرفی میت نہیں ہیں بلکہ موتی سے مُراد قلبی موت کا میت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔ کیا وہ شخص جو کہ قلبی موت سے مُردہ تھا ہم نے اُس کو ہدایتِ اسلام سے زندہ کیا۔ اور اُس کو نورِ ایمان عطا کیا جس کی روشنی و برکت سے لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکا ہوا ہو جس سے وہ نکل نہیں سکتا۔ اور اگر موتِ حقیقی کا میت مُراد ہو تب بھی آیت کا مفاد اسماع (سُنانے) کی نفی ہے نہ سماع (سُننے) کی اور بر تقدیر تسلیم عدم سماع سے مُراد عدم اثر سماع ہے۔ (اُن کا سُننا اُن کو کوئی فائدہ نہیں دیتا) ۱۲

رد جواب و نیز بودن موت غیر منافی للعلم کما قالت رضی اللہ عنہا رفع مے کند منافاۃ اورا براء سمع۔ در بوارق مے نویسد امام احمد وغیرہ از عائشہ رضی اللہ عنہا ہم آں حدیث روایت کردہ اند۔ ازیں جا صاف ظاہر مے شود کہ چوں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا دراں قصہ موجود نبو د دراوّل استماع استبعادی کہ بنظرِ سرسری بر الفاظ قرآن بخاطرِ عاطرش خطور کرد برزبان آورد و من بعد از اعیانِ صحابہ

جُملہ **غیر انھم الخ** ہے۔اور یہ صاف دلالت کرتا ہے کہ موتی قلیب بدر حضور پُرنُور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمودہ سُنتے تھے لیکن جواب دینے پر قادر نہ تھے۔اس کا دُوسرا جواب یہ ہے کہ جب صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک موت منافی علم نہیں تو اس طرح موت منافی سماع کیسے ہو سکتی ہے۔ کہ سماع بھی علم مسمُوعات کا نام ہے۔ بوارق میں لکھا ہے کہ مسندِ احمد میں یہی حدیث حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود روایت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا قلیب بدر کے واقعہ میں خود حاضر نہ تھیں اور قرآن شریف کی نظم مبارک پر سرسری نظر کرنے سے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مدلول کو بعید خیال فرماتی تھیں اور اس کو اپنی خاطر عاطر میں رکھ کر اسی مضمون کو زبان مبارک پر لائیں۔

حاضرین ثابت شد آں را خود[1] روایت فرمود بہ تامّل استبعاد مخالف قرآن برخاست۔ انتہیٰ۔

لیکن بعد میں جب خواص صحابہؓ سے یہ روایت مذکورہ ثابت ہو گئی تو اس روایت کو خود بیان فرمایا اور تامّل کرنے سے قرآن اور حدیث میں معارضت و مخالفت کا استبعاد دُور ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

[1] وتائید مے بخشد رجوع او را ضی اللہ تعالیٰ عنہا آں چہ روایت نمودہ شدہ است از و۔ قالت کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وانی واضع ثوبی۔ واقول انما ھو زوجی وابی۔ فلما دفن عمرؓ فواللہ مادخلتہ الا وانامشدودۃ علیّ ثیابی حیاء من عمر رواہ احمد والحاکم وقال ھذا حدیث صحیح علی شرطھما ولم یخرجاہ کذافی شفاء الاسقام۔ شیخ عبدالحق فرمودہ دریں حدیث دلیل واضح است بر حیات میت وعلم وے۔ ونیز حدیث صدیقہ رضی اللہ عنہا بوجہ عدم حضور مرجوح است فیترک وقال فی الاتقان ان استوے الاسناد ان فی الصحۃ فیرجح احدھما بکون روایۃ حاضر القصۃ۔ ونیز مخالف است بارجح قال فی شرح نخبۃ الفکر فان خولف بارجح منہ لمزید ضبط او کثرۃ عدد فالراجح یقال لہ المحفوظ ومقابلہ وھو المرجوح یقال لہ الشاذ ونیز لیسمعون قوی الدلالۃ است از لیعلمون وفی عمدۃ الاصول ویرجح قوی الدلالۃ علے غیرہ ۱۲ منہ

[1] زیارتِ روضہ منورہ والی حدیث حضرت صدیقہؓ کے استبعاد سے رجوع کی مؤید ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب میں زیارت کے لئے روضہ متورہ میں داخل ہوا کرتی تھی تو پردہ دار بڑی چادر کی ضرورت نہ سمجھ کر بغیر چادر کے جاتی رہی کہ یہاں صرف میرے زوجِ اکرمؐ اور میرے والد بزرگوارؓ ہیں۔ جب حضرت عُمرؓ مدفون کیے گئے تو حضرت عُمرؓ سے حیا کے باعث اپنے کپڑے خوب اوڑھ کر جاتی۔ امام احمد اور حاکم نے روایت کر کے کہا کہ یہ روایت شیخین (بخاری و مُسلم) کی شرط پر ہے گو انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ شفاء الاسقام میں اس طرح مذکور ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی رُو سے میت کی زندگی اور زائرین کے حال کا علم ثابت ہوتا ہے اور نیز حضرت صدیقہؓ کی حدیث بوجہ نہ حاضر ہونے واقعہ بدر کے مرجوح ہے۔ علامہ سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے اگر باہم متضاد حدیثوں کے اسناد صحت روایت میں مساوی ہوں تو حاضر واقعہ راوی کی حدیث کو ترجیح ہوگی اور نیز حضرت صدیقہؓ کی حدیث اس سے زیادہ راجح حدیث کے مخالف ہے۔ شرح نخبہ میں ہے اگر کسی حدیث کے مقابل دُوسری حدیث بوجہ مزید ضبط یا کثرت عدد کے راجح ہو تو حدیث راجح کو محفوظ کہا جاتا ہے اور اس کے مخالف حدیث کو شاذ کہا جاتا ہے اور نیز کلمہ لیسمعون کلمہ لیعلمون سے قوی الدلالۃ ہے۔ عمدۃ الاصول میں ہے کہ حدیث قوی الدلالۃ اپنی مقابل حدیث سے زیادہ راجح ہے۔

الحاصل ایں استبعاد صدیقہ رضی اللہ عنہا مثل استبعاد است در معراج جسمانی کہ در ہر دو جائے بسبب عدم حضور واقعہ و عدم اتفاقِ تحقیق از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم متحقق گشتہ والا از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روایت نمودے واللہ اعلم۔

الحاصل یہ استبعاد عائشہ صدیقہؓ کا اس استبعاد کی مثل ہے جو معراج جسمی کے بارہ میں ہو' تھا دونوں جگہ واقعہ میں حاضر اور موجود نہ ہونے کے باعث اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تحقیق کرنے کا اتفاق نہ ہونے کے باعث پہلے تردد اور استبعاد ہوا اور پھر نہ تردد رہا نہ استبعاد رہا۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عمرؓ کی روایت کو محض عقلی استبعاد کے باعث ردّ کیا۔ اس کی قوی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ استبعاد نقلی ہوتا تو وہ روایت جس کے باعث استبعاد ہوا تھا آنحضرتؐ سے ضرور روایت کرتیں۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا مقابلہ روایات جمِ غفیر از اعیان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو اند نمود۔ وہمیں حدیث و مثلِ او از صحاح قرینہ صارفہ است از حمل نمودن لاتسمع در حدیث عدم مطلق اسماع مبالغۃً و نیز مفاد آیتِ مذکورہ نفی اسماع است از موتی وآں اجساد اند نہ اَرواح۔

اسی لیے عائشہ صدیقہؓ کی روایت ان اعیان صحابہؓ کے جمِ غفیر کی روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور یہ حدیث اور اس کی امثال دُوسری صحیح احادیث کی وجہ **لا تسمع** کو مطلق عدم اسماع پر حمل نہیں کر سکتی اور ان احادیث کو لاتسمع کے مطلق عدم اسماع پر حمل کرنے سے قرینہ صارفہ قرار دیا جائے گا۔ پھر بھی اجسام موتی سے نفی ہے۔ نہ اَرواح سے۔

مسئلہ سماع موتےٰ را از تصنیفات شیخ عبدالحق دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاحظہ باید فرمود۔ وآں چہ نسبت اختیار قول بعدم سماع موتےٰ بسُوئے محقق ابن ہمام مے نمایند نزدِ

سماع موتی کا مسئلہ شیخ عبدالحقؒ دہلوی کی تصنیفات میں مُلاحظہ کرنا چاہیے۔ اور محقق ابنِ ہمامؒ کی طرف بھی لوگ نسبت کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی مردوں کا نہ سننا مختار ہے مگر فقیر کے نزدیک

فقیر صحیح نیست آرے محقق مذکور ایں قول را منسوب بجانب اکثر مشائخ خود نمودہ بعد از ذکر ایراد براں قول بحدیث **ما انتم باسمع لما اقول منھم** ونقل جواب از وبقولہ **واجابوا جواب او شان را تضعیف نمودہ حیث قال ویشکل علیھم ما فی مسلم ان المیت یسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا اللّٰھم الا ان یخصوا ذٰلک باول الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین** الخ دریں عبارت لفظ **اجابوا۔ ویشکل علیھم۔ اللّٰھم الا ان یخصّوا** را غور باید نمود وآں چہ فقہاء در بابِ ایمان ذِکر نمودہ پس مبنی است علی ماتقرر من ان بناء الایمان علی العرف۔

یہ انتساب صحیح نہیں۔ ہاں محقق مذکور نے اس قول کو اکثر مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور پھر ان اکثر مشائخ کے اس قول پر **ما انتم باسمع لما اقول** والی حدیث سے اعتراض کیا ہے اور پھر ان مشائخ کا جواب نقل کیا ہے جو انہوں نے اس حدیث کا دیا تھا اور جواب کا لفظ **اجابوا** سے نقل کیا ہے اس کے بعد ان کے جواب کو ضعیف قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے **ویشکل علیھم ما فی مسلم ان المیت یسمع** الخ یعنی میت دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آہٹ بھی سُنتا ہے جب وہ واپس ہوتے ہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ بات قبر میں رکھنے کے وقت نکیرین کے جواب کے لئے ہوتی ہے۔ تاکہ آیات واحادیث میں موافقت ہو جائے
محقق ابنِ ہمام کی اس عبارت میں تین لفظ غور کے قابل ہیں۔(۱) **اجابوا۔**
(۲) **ویشکل علیھم۔ اللّٰھم الا ان**
(۳) **یخصّوا۔**
اور وہ جو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بابِ ایمان میں ذکر کرتے ہیں۔ چوں کہ یمین اور قسم کا مدار عرف پر ہے لہذا عرف کا معاملہ اور ہے۔

الغرض نظر با حادیث مرویّہ شیخین و مذکورہ دربدورِ سافرہ للسیوطیؒ وغیرہ تطبیق بین الآیات والاحادیث ہمانست کہ بالا مذکور شدہ۔ واللہ اعلم۔

اور جب ہم ان احادیث پر نظر کرتے ہیں جو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں اور جو علامہ سیوطیؒ کے بدورِ سافرہ میں مذکور ہیں تو آیات و احادیث میں تطبیق کی وہی صورت ہے جو اُوپر مذکور ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال

رفتن بر قبور برائے دُعائے مغفرت للموتی مسنون است نہ برائے اِستمداد و اِستعانت از مُردگان۔

قبور پر جانا جو مسنون ہے وہ جانا وُہی ہے جس سے غرض موتی کے لئے دُعائے مغفرت ہو اور اہلِ قبور سے اِستمداد اور مدد مانگنے کے لئے جانا ہرگز مسنون نہیں۔

جواب

آرے مسنون ہمانست کہ گفتی لیکن بر عدم جواز استعانت از اَرواح کُمّل دلیلِ شرعی ہم قائم نہ شدہ و آیت **وتعاونوا علی البر والتقویٰ** اجازت استعانت از احیاء و اموات ہر دو مے بخشد۔ **اما الاستعانة عن الاحیاء فظاھر واما عن الاموات فلان الارواح احیاء" والموت وزوال الحیٰوة انما طرءَ علے البدن نعم اثر الموت فی الارواح ھو**

ہاں مسنون وُہی ہے جو تم نے کہا ہے لیکن کاملین سے استعانت کرنا بھی شرعاً ثابت ہے اور اس کے ناجائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہوئی اور آیتِ مبارکہ **وتعاونوا علی البر والتقویٰ** زندگان و مُردگان ہر دو سے استعانت کی اجازت بخشتی ہے۔ زندوں سے استعانت کی اجازت تو بالکل ظاہر ہے کہ مخالفین بھی اس کے منکر نہیں۔ باقی رہے اموات تو یہ بھی ثابت ہے اس لیے کہ ارواح زندہ ہیں۔ اور موت اور زندگی کا زوال

افتراقها عن الابدان وعوائق المادة وهو موجب" لاء زدياد قوتها واستفادتها من المبدء الفياض فی بساط القرب عند مليک مقتدر۔

محض بدن پر طاری ہوا ہے۔ ہاں موت کا اثر اَرواح پر یہ ہوتا ہے کہ وہ اَرواح بدن سے جُدا ہو جاتی ہیں اور مادی موانع اُن سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ چیز تو اَرواح کی قوت کے زیادہ ہونے اور مبداء فیاض سے استفادہ کے کامل ہونے کامُوجب ہے۔

قال مولانا ولی اللّٰه فی حجة اللّٰه البالغة اعلم انه قد استفاض من الشرع ان اللّٰه تعالیٰ عبادهم افاضل الملائكة ومقربوا الحضرة لا يزالون يدعون لمن اصلح نفسه وهذّ بها وسعیٰ فی اصلاح الناس فيكون دعائهم ذٰلک سبباً لنزول البركات عليه ويلعنون من عصی اللّٰه وسعی فی الفساد (الی ان قال) وان لأرواح افاضل الادميين دخولا فيهم ولحوقا بهم كما قال اللّٰه تعالیٰ يا ايتها النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربک راضية مرضية ط فادخلی فی عبادی وادخلی

مولانا شاہ ولی اللہؒ نے حُجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ شرع میں یہ امر مستفیض اور مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو افضل ترین فرشتے ہیں اور وہ درگاہِ اِلٰہی کے مقرّب ہیں۔ اُن کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ان بندوں کے لئے دُعا میں مشغول رہتے ہیں جو اپنے نفس کی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے نفس کی تہذیب اور تصفیہ کرتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح میں سعی کرتے ہیں اور ان ملائکہ کی دُعا کے سبب ان بندوں پر برکات کا نزُول ہوتا ہے کہ وہ اس کا سبب ہے اور ان کا یہ بھی کام ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور فساد کی کوشش کرتے ہیں اُن پر ہمیشہ لعنت کرتے ہیں اور شاہ صاحب نے یہاں تک فرمایا کہ انسانوں میں سے جو زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اُن کے ارواح بھی اُن ملائکہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور

جنتی ؓ وقال رسول اللّٰه صلی اللّٰہ علیه وسلّم رأیت جعفر ابن ابی طالب ملکا یطیر فے الجنّة مع الملائکة بجناحین۔ انتھیٰ۔

انہی کے لئے کام کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ("اے نفسِ مطمئنہ لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف خوش ہوتا ہوا خوش کیا گیا۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا") فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا میں نے جعفرؓ بن ابی طالب کو فرشتہ کی صورت میں جو ملائکہ کے ساتھ جنت میں دو پروں سے اُڑ رہا ہے۔ انتہیٰ۔

(و ایضاً قال فیه) واذا مات الانسان کان للنسمة نشؤة اُخرٰی فینشی فیضُ الروح الالٰھی فیها قوة فیما بقی من الحس المشترک تکفے کفایة السمع والبصر والکلام بمدد من عالم المثال۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جب انسان پر موت طاری ہوتی ہے تو اُس کی نسمہ (رُوح) کی دوبارہ نشوونما اور پرورش ہوتی ہے اور رُوحِ الٰہی کا فیضان اُس کی باقی ماندہ حِس مشترک میں ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جو عالم مثال کی مدد سے سمع، بصر اور کلام کے لئے کافی ہوتی ہے۔

(وایضاً فیه) فاذا مات انقطعت العلاقات ورجع الیٰ مزاجه فیلحق بالملائکة وصار منهم والهم کالهامهم وسعیٰ فیما یسعون و ربما اشتغل هؤلاء باعلاء کلمة اللّٰه ونصر حزب اللّٰه وربما کان

اسی حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ جب صالح آدمی مرجاتا ہے تو اس کے جسمانی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور اپنے مزاج پر لوٹ آتا ہے اور ملائکہ کے ساتھ مُلحق ہو جاتا ہے اور انہی میں سے ہو جاتا ہے اور انہی ملائکہ کی طرح الہام کیا جاتا ہے اور جن امُور میں ملائکہ سعی اور کوشش کرتے ہیں وہ بھی انہی امُور میں سعی کرتا ہے

لهم لمة خير بابن آدم وربما اشتهىٰ بعضهم الى صورة جسدية اشتيا قاشديداً ناشئًا من اصل جبلته فقرع ذٰلک بابا من المثال واختلطت به قوة منه بالنسمة الهوائية وصار کالجسد النورانیّ وربما اشتاق به بعضهم الى مطعوم ونحوه فاُمِدّ فیما اشتهىٰ قضاءً لشوقها۔	اور بسا اَوقات یہ صالحین اعلاء کلمۃ اللہ میں مشغول ہوتے ہیں اور جوب اللہ کی نُصرت کرتے ہیں اور کبھی ابنِ آدم کے دل میں خیر کا القاء کرتے ہیں اور بعض ان میں سے کبھی صورۃ جسمانیہ کا اشتیاق کرتے ہیں اور ان کو ایک نورِ جسمانی عطا کیا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات بعض ان میں سے غذا کا شوق ظاہر کرتے ہیں تو اُن کی خواہش پُوری کردی جاتی ہے۔
(وفیہ ایضاً) الملائکة والنفوس المجردة من العلائق الجسمانیة ینطبع فیها ما اراد اللّٰه من خلق العالم من اصلاح النظام ونحوه فتقلب مرضیاتها الیٰ ما یناسب ذٰلک النظام (الیٰ ان قال) واذا تمکنت العدالة من الانسان وقع اشتراک بینه و بین حملة العرش و مقربی الحضرة من الملائکة الذین هم وسائط نزول الجود والبرکات و کان ذٰلک بابا	اور اسی حُجۃ اللہ البالغہ میں ہے۔ ملائکہ اور نفوس جو علائق جسمانیہ سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ ان کے اندر اللہ تعالیٰ جو اِصلاح نظام وغیرہ پیدا کرتا ہے وہ منقش ہو جاتا ہے تو ان (ملائکہ اور نفوس) کے مرضیات اس نظام کے مطابق منقلب ہو جاتے ہیں اور جب انسان میں صفتِ عدالت متمکن ہو جاتی ہے تو اس کے اور ان ملائکہ کے درمیان جو حاملین عرش ہیں اور درگاہِ الٰہی کے مقرّب ہیں اور بخشش و برکات کے نزُول کے وسائط ہیں ایک قسم کا اشتراک پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نفس انسانی بھی انہیں ملائکہ کے رنگ میں رنگا

مفتوحاً بينه وبينهم ومُعدا لنزول الوانهم وصبغهم بمنزلة تمكين النفس من الهام الملٰئكة والانبعاث حسبها۔

جاتا ہے انہیں کی طرح الہام وغیرہ پر قادر ہو جاتا ہے۔

(وفيه ايضاً) وايضاً ان الروح اذ افارقت الجسد بقيت حساسةً مدركة بالحس المشترک وغيره وبقيت على علومها وظنونها التى كانت معه فى الحيوة الدنيا و يترشح اليها من فوقها علوم يعذب لها او ينعم وهم الصالحين من عباد اللّٰه ترتقى الىٰ خطيرة القدس۔ انتهىٰ۔

اور اسی حجۃ اللہ البالغہ میں ہے رُوح جب جسم سے جُدا ہو جاتا ہے۔ تو وہ حس اور ادراک بالحس المشترک پر باقی رہتا ہے اور علوم یا ظنون جو حیاتِ دُنیا میں اس کے ساتھ تھے وہ بھی باقی رہتے ہیں اور اُوپر سے اس پر علوم مترشح ہوتے ہیں جو عذاب اور تنعیم کا مُوجب ہوتے ہیں اور صالحین عباد اللہ کی ہمتیں خطیرۃ القدس تک بلند ہو جاتی ہیں۔

قال الشيخ رضى اللّٰه تعالىٰ عنه فى الفتوحات وهذا الامام هو الذى اعلم اصحابه ان ثم رجالاسبعة يقال لهذا الابدال يحفظ اللّٰه بهم الاقاليم السبعة لكل بدل اقليم واليهم تنظر روحانيات

فتُوحاتِ مکیہ میں شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے پھر یہاں سات مرد ہیں جنکو ابدال کہا جاتا ہے۔ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اقالیم سبعہ کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ہر ایک بدل کے لئے ایک خاص اقلیم ہے اور سمٰوات سبع کے رُوحانیات بھی انہیں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ اور سات آسمانوں میں جو انبیاء

السمٰوات السبع ولكل شخص منهم قوة من روحانيات الانبياء الكائنين فی هذه السمٰوات وهم ابراهیم الخلیل یلیه موسیٰ یلیه هارون یتلوه ادریس یتلوه یوسف یتلوه عیسیٰ یتلوه آدم سلام الله علیهم اجمعین۔
واما یحییٰ فلهٗ تردد بین عیسیٰ و بین هارون فینزل علی قلوب هٰؤلاء الابدال السبعة من حقائق هٰؤلاء الانبیاء، الخ (ثم قال بعید هذا) واما القطب الواحد فهو روح محمد صلی الله علیه وسلم وهو المُمِدُّ لجمیع الانبیاء والرسل علیهم السّلام والاقطاب من النشیء الانسانی الیٰ یوم القیامة قیل لهٗ صلی الله علیه وسلّم متیٰ کنت نبیًا فقال صلی الله علیه وسلّم و آدم بین الماء والطین (الی ان قال) ولهذا الروح المحمدی مظاهر فی

علیہما السلام سکونت فرما ہیں ان کے رُوحانیات سے ہر ایک بدل کو قوت پہنچتی ہے اور وہ انبیاء علیہم السّلام ابراہیم خلیل علیہ السّلام ہیں ان کے متصل نیچے مُوسےٰ علیہ السّلام اُن کے بعد ہارُون علیہ السّلام اس کے بعد ادریس علیہ السّلام اس کے بعد یُوسف علیہ السّلام اس کے بعد عیسٰی علیہ السّلام اس کے بعد آدم علیہ السّلام ہیں۔
اور یحیٰی علیہ السلام عیسی علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے درمیان آمدورفت رکھتے ہیں۔ پس ان ابدالِ سبعہ کے قلوب پر ان انبیاء علیہم السلام کے حقائق نازل ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اور قطب جو ایک ہے سب عالم کے لیے وہ رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آپؐ ہی تمام انبیاء اور رُسل کی امداد فرماتے ہیں۔ اور نوعِ انسانی سے قیامت تک جو قطب ہوں گے ان کی امداد بھی وُہی فرماتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپؐ کس وقت نبی ہوئے فرمایا آدم ابھی پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے اور اس رُوحِ محمدیؐ کے عالم میں بہت مظاہر ہیں اور اکمل مظہر آپ کا ایک قطب زمان ہے اور دوسرے افراد ہیں

العالم واكمل مظهره فى قطب الزمان و فى الافراد و فى ختم الولاية المحمّدى وختم الولاية العامة الذى هو عيسى عليه السّلام وهو المعبر عنه بمسكنه انتهىٰ۔

اور تیسرا ولایتِ محمدیؐ کا خاتم ہے اور چوتھا مطلق ولایت کا خاتم ہے جو عیسی علیہ السلام ہیں اور اس کو آپ کا مسکن بھی کہتے ہیں۔

الحاصل مابین اصنام و اَرواح کُمّل فرقیست بیّن واتیاز یست باہر پس آیات واردہ فی حق الاصنام رابر انبیاء و اولیاء صلوٰۃ اللہ و سلام علیہم اجمعین حمل نمودن کما فی تقویۃ الایمان تحریفی است قبیح وتخریبی است شنیع[1]

اب ہم اس بات کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ قبروں پر جانا میّت کے لئے دُعا و سلام کی غرض سے مسنون ہے۔ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبور پر تشریف لے جانا اسی غرض کے لئے تھا۔ اس لیے کہ آپؐ کے منصب عالی کا مقتضی یہی ہے اس واسطے کہ اس محلی وموقع پر استمد اداور دُعا طلبی مُردگان سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے متصور نہیں ہو سکتی اور نہ ہی آپ کا توسّل متصور ہے کہ آپؐ سب سے افضل ہیں بخلاف اُمّتِ مرحُومہ کے کہ اس اُمّت کے طالح اور گنہگار صالحین اور نیکو کاروں سے استمداد و توسّل کر سکتے ہیں۔ پس بتوں کی آیات کو انبیاء و اولیاء پر حمل کرنا یہ قرآن مجید کی تحریف ہے اور دین کی بہت بڑی تخریب ہے جیسا کہ تقویۃ الایمان کی عبارتوں میں ظاہر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

[1] یہاں تک حضرت مؤلفؒ نے اس بات کو ثابت فرمایا کہ جس طرح عالمِ ظاہر میں سلسلۂ اسباب ہے اسی طرح عالمِ غیب میں بھی کچھ باطنی اسباب ہیں جو باذنِ الٰہی مؤثر ہیں۔ لہذا اگر ان باطنی اسباب سے کسی کو خصوصی مناسبت ہو تو انہیں استعمال کرنا شرک ہے نہ حرام۔ ۱۲ مترجم

حُجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرمودہ ہر کہ استمداد کردہ مے شود بوَے در حیات اِستمداد کردہ مے شود بوَے بعد از وفات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ قبر مُوسیٰ کاظم تریاق مجرّب است دُعارا بالجُملہ اِیں معنے را از اہلِ کشف وشہُود باید پُرسید کہ چہا فیوض وفوائد از اَرواحِ کُمّل گرفتہ اند وبہمیں جہت اوشاں را اویسیاں مے گویند۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں جس شخص سے زندگی میں مدد طلب کی جا سکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مانگی جا سکتی ہے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک دُعا کے قبول کے لئے تریاق مجرّب ہے۔ الحاصل یہ معنے اہل کشف وشہُود سے پوچھنے چاہئیں کہ کس قدر فیُوض اور فوائد کاملین کے ارواح سے حاصل کیے ہیں اور اسی لیے ان کو اویسی کہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال

سلمنا کہ فرقیست بین وظاہر مابینِ اصنام و اَرواحِ کاملہ لکن اطلاع اوشاں بر دعوت مستعینان ومستمدان از اقاصی و اوانی موجب ثبوت علمِ غیب است برائے غیرحق سُبحانہ وتعالیٰ۔ **وھو خلاف ما نطقت به النصوص قال اللّٰه تعالیٰ قل لا يعلم من في السمٰوٰت والارض الغيب الا اللّٰه وما يشعرون ايان يبعثون وقال ايضًا۔ وعنده مفاتح**

ہم مانتے ہیں کہ اصنام اور اَرواحِ کاملین کے درمیان فرق واضح ہے لیکن اَرواح کاملین کو اپنے بُلانے والوں کی نداء اور استمداد پر نزدیک اور دُور سے اطلاع کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر ایسی اطلاع مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ اَرواحِ کاملین کو علم غیب ہو۔ حالانکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ اور اگر غیرحق کے لئے علم غیب مان لیا جائے تو یہ آیات قرآنی کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فرما دیجئے جو زمین وآسمان میں ہیں غیب نہیں جانتے ہاں خُدا جانتا ہے اور مخلوق کو یہ خبر بھی نہیں کہ کب زندہ کیے جائیں

الغيب لا يعلمها الاهو. والآيات فی هذا كثيرة"۔

گے۔ نیز ارشاد الٰہی ہے "خدا ہی کے پاس ہیں غیب کی چابیاں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ "اپنے غیب پر اللہ تعالیٰ کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر جسے برگزیدہ فرمالے رسُولوں سے" اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

جواب

غیب نام چیزیست کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ وعلم ضروری وعلم استدلالی غائب باشد و او مخصوص است بحق سُبحانہٗ و تعالیٰ کما فی المنصوص پس کسے کہ دعویٰ نماید اور ابرائے خود کافر است وہمچنیں مصدق آں۔ اما خبر نبی از جہت بودن او مستفاد از وحی واز پیدا نمودن حق سُبحانہ وتعالیٰ علم ضروری درو واز انکشاف حوادث برحواس او پس نیست داخل درعلم غیب۔ قال تعالیٰ لا یظھر علےٰ غیبہ احد الّا من ارتضیٰ من رسول۔ فکل ما اخبر بہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم من الغیب لیس ھو الا عن اعلام اللّٰہ تعالیٰ فلا ینا فی الاٰیات الدالۃ علی انہ لا یعلم الغیب لان المنفی علمہ من غیر

پہلے غیب کے معنے بتائے جاتے ہیں۔ غیب نام ہے اس چیز کا جو حواس ظاہرہ و باطنہ کے ادراک اور علم بدیہی اور استدلالی سے غائب ہو اور یہ علم حضرت حق سُبحانہ کے ساتھ مختص ہے جو کہ ان آیات میں مُراد ہے۔ پس اگر اس علم غیب کا کوئی مدعی ہو اپنے نفس کے لئے یا کسی غیر کے اس قسم کے دعوے کی تصدیق کرے تو وہ کافر ہے مگر جو خبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں۔ وہ یا تو بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا علم ضروری نبیؐ کے اندر پیدا فرما دیتے ہیں یا نبیؐ کی حس پر حوادث کا انکشاف فرمادیتے ہیں تو یہ علم غیب میں داخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اعلام اور جنوانے سے بتائی ہیں۔ ان آیات کے منافی نہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) غیب نہیں جانتے۔ اس لیے کہ آپؐ سے منفی وہ علم غیب

واسطة قال فی المواهب وقد اشتھر ونشر امرہٗ بین اصحابہ بالاطلاع علی الغیوب حتیٰ ان کان بعضھم یقول لصاحبہ اسکت فواللہ لو لم یکن عندہ من یخبرہ لاخبرتہ حجارۃ البطحاء در تفسیر عزیزی نوشتہ غیب نام چیزے است کہ از ادراک حواسِ ظاہرہ و باطنہ غیب باشد نہ حاضر تا مشاہدہ و وجدان دریافت شود و اسباب و علاماتِ آں نیز در عقل و فکر در نیاید تا بداہت واستدلال دریافتہ شود وایں غیب مختلف مے باشد پیشِ کور مادرزاد عالم الوان غیب است و عالمِ اصوات ونغمات والحان شہادت و پیشِ عنین لذت جماع غیب است و پیشِ فرشتہ ہا الم گرسنگی و تشنگی غیب است و دوزخ و بہشت شہادت ولہذا ایں قسم را غیب اضافی گویند وآں چہ نسبت بہ ہمہ مخلوقات غائب است غیب مطلق است مثل آمدن قیامت واحکامِ کونیہ وشرعیہ باری تعالیٰ و رہر روز ودر ہر شریعت و مثل حقائق ذات وصفات او تعالیٰ علیٰ سبیل التفصیل و ایں قسم را غیب خاص او تعالیٰ شانہ نا مند

ہے جو بلا واسطہ ہو۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ در بارہ اطلاع غیوب صحابہ کرامؓ میں اس قدر مشہور تھا اور اس قدر عقیدہ پھیلا ہوا تھا کہ بعض صحابہؓ اپنے ہمراہی کو کہتے کہ چُپ کر جا اور کوئی بات نہ کہہ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر آپؐ کے پاس کوئی خبر دینے والا نہ بھی گیا تو آپ کو بطحاء کے پتھر خبر دے دیں گے۔ تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ غیب اُس چیز کا نام ہے جو حواسِ ظاہرہ اور باطنہ کے ادراک سے غائب ہو نہ حاضر اگر حاضر ہو گی تو مشاہدہ اور وجدان سے معلوم ہو جائے گی اور اس کے اسباب اور علامات بھی عقل و فکر میں نہ آئیں تا کہ بداہت اور استدلال سے معلوم ہو اور یہ غیب مختلف ہوتا ہے۔ مادرزاد اندھے کے سامنے رنگ کا جہان غیب ہے اور آواز و نغمے اور سُروں کا عالم شہادت ہے اور نامرد کے لئے جماع کی لذت غیب ہے۔ اور فرشتوں کے لئے بھوک اور پیاس کی تکلیف غیب ہے۔ دوزخ اور بہشت شہادت ہیں اور اسی وجہ سے اس قسم کو غیب اضافی کہتے ہیں اور وہ چیز جو تمام مخلوقات کی نسبت غائب ہے۔ وہ غیب مطلق ہے جیسا قیامت کے آنے کا وقت اور اللہ تعالیٰ کے

فلا یظهر علیٰ غیبه احدا۔ پس مطلع نے کند برغیب خاص خود ہیچ کس را بوجہے کہ رفع تلبیس و اشتباہ و خطا بہ کلی دراں اطلاع حاصل شود واحتمال خطا واشتباہ اصلا نماند وہمیں اطلاع دادن کذائی ست کہ او اظہار شخص برغیب تو ان گفت۔ الیٰ آخرہ۔

احکام کونیہ جو ہر روز صادر ہوتے ہیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے تفصیلی حقائق اس قسم کو غیب خاص اللہ تعالیٰ کا کہتے ہیں یعنی اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں فرماتے۔ اس قسم کی اطلاع کہ تلبیس اور اشتباہ اور خطا کا بالکل اس اطلاع میں رفع ہو۔ خطا اور اشتباہ کا احتمال بالکل نہ رہے اور اس قسم کی اطلاع کو اظہار شخص برغیب کہہ سکتے ہیں۔

ما قال صاحب کشاف بناء برمذہب اعتزال خود در تحت ایں آیت نوشتہ **وفی هذا ابطال الکرامات لان الذین یضاف الیهم وان کانوا اولیاء مرتضین فلیسوا برسل آہ۔** لکن باوجود اِدّعائے دانشمندی ایں حرف ازو بسیار بعید واقع شدہ زیراں کہ ایں آیہ نفی اطلاع برغیب بوجہے کہ رفع تلبیس و اشتباہ بکلی دراں حاصل باشد از غیر رسولان مے کند نہ نفی اطلاع برغیب مطلقاً چہ جائے آں کہ کرامات دیگر را ابطال نماید و در تفسیر گذشت کہ اظہار شخص برغیب چیزے دیگر و اظہار غیب برشخص چیزے دیگر از نفی آن نفی ایں لازم نمے آید و اولیاء را اگر چہ اظہار برغیب حاصل نیست اما اظہار

صاحب کشاف نے اپنے مذہب اعتزال کی بناء پر جو اس آیت کے ماتحت لکھا ہے۔ **وفی هذا ابطال الکرامات** الخ (اس آیت میں کرامات کا ابطال ہے۔ اس لیے کہ جن لوگوں کی طرف کرامات منسوب کی جاتی ہے اگر چہ وہ پسندیدہ اولیاء ہیں مگر رسول نہیں) مگر باوجود دانشمندی کے دعوے کے یہ کلام اس سے بعید واقع ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت اس اطلاع برغیب غیر انبیاء سے نفی کرتی ہے جس اطلاع میں تلبیس اور اشتباہ بالکل نہ ہو اور مطلق اطلاع برغیب کی غیر انبیاء سے نفی نہیں کرتی چہ جائے کہ اطلاع غیب کے سوا دوسری کرامات کو بھی باطل کرے۔ تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اطلاع شخص برغیب اور چیز ہے اور اظہار غیب برشخص اور چیز ہے۔ ایک کی

غیب بر ایشان جائز واقع است الخ وہم دراں مقام نوشتہ وبعضے از ایشاں گفتہ اند کہ حصر بملاحظہ قیدِ اصالت است یعنی بالاصالت اطلاع بر غیب خاصۂ پیغمبران است و اَولیاء را اِطلاع بر غیب بطریق وراثت وتبعیّت حاصل مے شود۔ وایضاً فیہ۔ وبعضے از قدماء مفسرین اہل سُنت گفتہ اند کہ مُراد از غیب لوحِ محفوظ است واطلاع بر لوح ہیچ کس را سوائے پیغمبران حاصل نے شود و لیکن در کلام خلل است زیرا کہ اول اطلاع بر لوحِ محفوظ بمعنی مطالعہ آں لوح و نقوش بطریق صحیح مروی نیست کہ پیغمبر رابودہ باشد بلکہ از اخبارِ صحیحہ اختصاص ایں امر بحضرتِ اسرافیل است واوشاں رسُول نیستند۔

نفی سے دوسری کی نفی لازم نہیں آتی۔ اور اولیاء کو اگرچہ اظہار شخص بر غیب حاصل نہیں لیکن اظہار غیب بر شخص جائز ہے اور واقع ہے اور اس مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قید اصالت کا لحاظ کرتے ہوئے حصر ہے یعنی بالاصالۃ اطلاع غیب پر پیغمبروں کا خاصہ ہے اور اولیاء کو غیب پر اطلاع وراثت اور تبعیّت کے طور پر حاصل ہے۔ یعنی اولیاء کو اطلاع بوساطت انبیاء حاصل ہوتی ہے۔ نیز اس تفسیر میں یہ بھی ہے کہ بعض اہل سُنت کے قدماء مفسرین نے کہا ہے کہ غیب سے مُراد لوحِ محفوظ پر اطلاع اس معنے سے کہ لوح محفوظ اور اس کے نقوش منقوشہ کا مطالعہ ہو۔ یہ امر کسی صحیح روایت سے کسی نبی کے لئے ثابت نہیں۔ بلکہ اخبار صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر حضرت اِسرافیل علیہ السّلام کے ساتھ مختص ہے اور وہ رسول نہیں۔

دوئم ایں کہ مُراد از اطلاع بر لوح اطلاع بر موجودات نفس الامر یہ است کہ قبل از ظہور آن موجودات در خارج حاصل شود گو بمطالعہ نقش لوح باشد یا بے مطالعہ زیرا کہ مُراد از اطلاع بر کتاب اطلاع بر مضامین مرقومہ دراں کتاب مے شود نہ دیدن نقوش و

ثانیاً اس لیے کہ اطلاع لوحِ محفوظ سے مُراد یہ ہے کہ جو چیزیں نفس الامر میں موجود ہیں اُن کے عالم مظاہر میں موجود ہونے سے پہلے ان موجودات واقعیہ کی اطلاع ہو جاتی ہے اس لیے کہ کسی کتاب کے مطالعہ کے یہی معنے ہیں کہ اس کے مضامین پر اطلاع، جو اس میں

ایں معنی اولیاء رانیز حاصل مے گردد۔ پس دیدن وندیدن برابر شُد۔

درج ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ مطالعہ نقوش سے یہ اطلاع ہو اور یہ معنے اولیاء اللہ کو حاصل ہیں۔ پس لوحِ محفوظ کے نقوش کا دیکھنا اور نہ دیکھنا برابر ہوا۔

سوئم آں کہ اطلاع بر لوحِ محفوظ بمطالعہ و دیدن نقوش ہم از بعضے اولیاء اللہ بتواتر منقول است پس اختصاص وحصر صحیح نخواہد شُد۔ انتہےٰ۔

ثالثاً۔ اس لیے کہ لوحِ محفوظ پر اطلاع بذریعہ اس کے نقوش کے مطالعہ اور دیکھنے کی بھی بعض اولیاء اللہ سے متواتر منقول ہے پس اختصاص اور حصر صحیح نہ ہوگا۔ انتہیٰ۔

وہم چنیں خبر ولی کہ مستفاد است از نبی یا رؤیاء صالحہ یا نظر در لوحِ محفوظ یا الہام الٰہی۔ **اخرج البخاری عن عمرؓ قال قام فینا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی ادخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم وفی المتفق علیہ عن حذیفۃ رضی اللہ عنھا قال لقد خطبنا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خطبۃً ما ترک فیھا شیئًا الی قیام الساعۃ۔ الحدیث۔**

اور اسی طرح خبر ولی کی جو حاصل ہو نبی سے یا سچی خواب سے یا لوحِ محفوظ میں نظر کرنے سے یا الہام الٰہی سے (یہ خبر ان تمام طریقوں سے جائز اور واقع ہے پس اطلاع اُن کی غیب پر ثابت ہو گئی) امام بخاریؒ نے حضرت عُمرؓ سے اخراج کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خطبہ دیا۔ پس ابتداء خلق سے خبر دینا شروع فرمایا تا آں کہ اہل جنت کو ان کے منازل میں داخل کیا اور اہل نار کو ان کے منازل میں داخل کیا حضرت حذیفہؓ سے متفق علیہ حدیث ہے خدا کی قسم آں حضرتؐ نے ہمارے سامنے ایک ایسا خطبہ دیا جسے قیامت تک کی کسی چیز کو نہ چھوڑا بلکہ سب کو ذکر کر ڈالا۔

واخرج الطبرانی عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والیٰ ما ھو کائن فیھا الی یوم القیٰمۃ کانما انظر الیٰ کفے ھذا۔ قال الزرقانی قولہ علیہ السّلام قد رفع ای اظھر و کشف لی بحیث احطت بما فیھا وفی المسلم عن عمرؓ بن الاخطب فی حدیث طویل فاخبرنا بما کان و بما ھو کائن فاعلمنا احفظنا۔ وفی المشکوٰۃ فی حدیث طویل فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض۔ و فی فتح العزیز تحت قولہ تعالیٰ ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ یعنے وباشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوّت بر رتبہ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او مے شناسد گناہان شما را و درجاتِ

اور طبرانی نے اِبن عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث اخراج کی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً اللہ تعالیٰ نے دُنیا میرے سامنے ظاہر کر دی ہے پس میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس کی طرف بھی دیکھ رہا ہوں جیسا کہ اپنی اس ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ زرقانیؒ نے فرمایا ہے کہ رفع سے اظہار اور کشف مُراد ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے۔ اس کا میں نے احاطہ کر لیا ہے اور مسلم میں عُمر بن اخطب سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے پس خبر دی آپؐ نے ہم کو ہر اُس چیز سے جو ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے اور ہو گی۔ پس ہم سے زیادہ عالم وہ ہے جو زیادہ حافظ ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں ایک طویل حدیث کے اندر یہ جملہ ہے پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ اور تفسیر عزیزی میں **ویکون الرسول** الخ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ اور ہو گا تمہارا رسول تم پر گواہ۔ اس لیے کہ وہ مطلع ہے نورِ نبوّت سے اپنے دین کے ہر متدیّن کے رتبہ پر کہ میرے دین کے کسی درجہ پر پہنچا ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور جس سبب کے باعث وہ ترقی

ایمان شمار و اخلاص و نفاق شمارا انتہیٰ بقدر الحاجۃ قال العلامۃ الخطیب فی المواہب اذ **لا فرق بین موته و حیاته فی مشاهدته لامته و معرفته باحوالهم و نیاتهم و عزائمهم و خواطرهم وذالک عنده جلی" لا خفاء به** الخ

سے روکا گیا وہ کیا ہے۔ پس آں حضرتؐ پہچانتے ہیں تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمان کے درجات کو اور تمہارے تمام نیک و بد اعمال کو تمہارے اخلاص اور نفاق کو اور مواہبِ لدُنّیہ میں علامہ خطیب نے لکھا ہے کہ آپؐ کی موت اور حیات کے درمیان اس بارہ میں کوئی فرق نہیں کہ آپؐ اپنی اُمّت کا مشاہدہ فرمارہے ہیں۔ اور اُن (امت کے احوال، نیات، عزائم اور جو خیال اُن کے دل میں آتے جاتے ہیں ان سب کی معرفت آپؐ کو حاصل ہے اور یہ امر آپؐ کی نزدیک بالکل ظاہر ہیں اور اس میں اخفاء اور پوشیدگی نہیں۔

وقال علی القاری فی شرحه لشفاء ان روح النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم حاضر[1] فی جمیع بیوت المسلمین الخ **(حاشیه نبراس)** پس کسے کہ حبیب ازلی و شاہدلم یزلی را صلی اللہ علیہ وسلم نظر بہ **انما انا بشر" مثلکم۔ وما ادری ما یفعل بی ولا بکم وقل انی**

اور علی قاریؒ نے شرح شفاء میں لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تمام مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے یعنی ان کے احوال پر مطلع ہے (نبراس شرح عقائد) لہذا جو شخص حبیبِ ازلی اور شاہدلم یزلی کو **انما انا بشر مثلکم** الخ بے شک میں تمہاری طرح بشر ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا اور میں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] لعل المراد بالحضور هوالاطلاع علی احوالهم ۱۲ منه

[1] شاید حضور سے مُراد اُن کے احوال پر اطلاع ہے۔

لا املک لکم ضرا ولا رشدا ونظائرہا مثل سائر بنی نوع می داند ضال است ومضل ونمے فہمد کہ بعد از **مثلکم یوحی الیّ** چہ قدر امتیازے پیدا نمودہ۔ **ولا ادری ولا املک** بالنظر الی نفسہ است لا بالنظر الی الایحاء والاعلام الالٰہی و تملیکہ آرے علم رسول بشری یا ملکی را مساوی علم الٰہی دانستن وفقط در بالذات و بالواسطہ متمیز انگاشتن بعید است از صواب قال اللہ تعالیٰ **ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء** وامیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیدہ بود لشکرِ خود در نہاوند کہ علی الاکثر بمسافت پنج صد فرسنگ است از مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام وطولِ او ہشتاد وسہ (۸۳) درجہ وعرض اوسی و چہار (۳۴) است کما فی الزیج درحالیکہ او رضی اللہ تعالیٰ عنہ بر منبر در مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وتکریماً بیوم جمعہ فرمود در خطبہ **یا ساریۃ الجبل الجبل** درحق امیر لشکر کہ ساریہ نام داشت وسوال کرد از و عبدالرحمٰن بن عوف از کیفیتِ آن مقولہ فرمودہ مشرکین را مے بینم کہ برادرانِ مارا ہزیمت دادہ اند وپس وپیش

تمہارے لیے کسی نقصان اور ہدایت کا مالک نہیں۔ اور اس کے نظائر و امثال پر نظر کر کے تمام انسانوں کے برابر خیال کرے اور عقیدہ رکھے وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ **مثلکم** کے بعد **یوحیٰ الیّ** نے کس قدر امتیاز پیدا کر دیا ہے۔ **لا ادری** اور **لا املک** کا مطلب ہے کہ اپنے طور پر نہ کسی چیز کا مالک ہوں، نہ ذاتی طور پر کسی چیز کو جانتا ہوں۔ ہاں بذریعہ وحی الٰہی اور اس کے جتلانے سے اور اُس کی تملیک اذن سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن رسول بشر ہو یا رسول فرشتہ ہو دونوں کا علم خُدا تعالیٰ کے علم کے برابر جاننا اور محض بالذات اور بالواسطہ کا امتیاز رکھنا اور یہ عقیدہ رکھنا صواب سے بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ کسی چیز پر اس کے علم سے احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اور امیر المؤمنین عُمر بن الخطابؓ کے زمانہ خلافت میں اُن کا لشکر نہاوند میں کفار سے لڑ رہا تھا اور نہاوند مدینہ طیّبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پانچ سو فرسنگ یعنی ڈیڑھ ہزار میل دُور ہے۔ طول البلد اس کا ۸۳ درجہ ہے اور عرض البلد ۳۴ درجہ ہے جیسا کہ زیج میں ہے اور حضرت امیر عمرؓ مدینہ منورہ

اوشاں احاطہ نمودہ اند۔ بنابراں امر نمودم من امیرِ لشکر را کہ بجبل تکیہ گیرند یعنی پُشت ہائے را بسُوئے کوہ نمودہ بالمواجہہ با دُشمن جنگ کنند۔ پس آمد بشیر بعد از یک ماہ وگفت کہ دُشمن مارا ہزیمت دادہ بود بوقتِ نماز جمعہ پس شنیدیم ما منادی را کہ ندائے کرد **یاساریۃ الجبل الجبل**۔ پس گریخت دُشمن۔

زادہا اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً میں جُمعہ کے دن منبر پر خطبہ فرمارہے تھے۔ اثنا خطبہ من فرمایا **یا ساریۃ الجبل الجبل** یہ ساریہ لشکر کا سردار تھا اور اسی کو خطاب تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اس جملہ کی کیفیت دریافت فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مشرکین ہمارے بھائی مجاہدین کو شکست دے رہے ہیں اور ان کے آگے پیچھے احاطہ کردیا ہے اسی بناء پر میں نے ساریہ کو کہا کہ پہاڑ پر تکیہ کریں یعنی پہاڑ کی طرف پیٹھ کرکے دُشمن کے دَوبدَو جنگ کریں۔ پس ایک مہینہ کے بعد خوش خبری دینے والا آیا اور اُس نے کہا کہ دشمن نے ہم کو شکست دی تھی اور جمعہ کا دن تھا۔ ہم نے سُنا کہ مُنادی ندا کر رہا ہے۔ **یا ساریۃ الجبل الجبل** پس اس تدبیر سے دشمن بھاگ گیا۔

قال الشیخ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فی باب رابع عشر اویشاھد المنزل علیہ ذٰلک الحکم فی حضرۃ التمثل الخارج عن ذاتہ والداخل المعبر عنہ بالمبشرات فی حق النائم غیر ان الولی یشترک مع النبی فی ادراک ما تدرکہ العامۃ فی النوم فی حال الیقظۃ الخ

حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحات باب ۱۴ میں ذکر فرمایا ہے یا مشاہدہ کرتا ہے جو شخص جس پر حکم نازل کیا گیا ہے حضرت تمثل میں جو داخل ہے جیسے سونے والے کے متعلق مبشرات سے تعبیر کرتے ہیں مگر ولی پیغمبر علیہ السّلام کے ساتھ اس امر میں شریک ہوتا ہے کہ جس کو عوام خواب میں دیکھتے ہیں وہ پیغمبر علیہ السّلام کی طرح بیداری میں دیکھتا ہے۔

درمرقات نوشتہ للغیب مبادی ولواحق مبادیہ لا یطلع علیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل واما اللواحق فھو ما اظھر اللّٰہ تعالیٰ علی بعض احبائہ لوحۃ علمہ وخرج ذٰلک من الغیب المطلق وصار غیبا اضافیا و ذٰلک اذا تنور الروح القدسیۃ واذ داد نوریتھا واشراقھا بالاعراض عن ظلمۃ عالم الحس و تجلیۃ ذات القلب عن صداء الطبیعۃ والمواظبۃ علی

مرقات میں ہے غیب کے مبادی ہیں اور لواحق۔ پس مبادی پر تو کسی ملک مقرّب کو اطلاع ہوسکتی ہے نہ ہی نبی مرسل کو اور لواحق وہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بعض محبوبوں پر ظاہر کر دیتا ہے اور اپنے علم کی چمک ڈال دیتا ہے اور یہ غیب مطلق سے خارج اور الگ ہے اور یہ غیب اضافی ہے اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کہ رُوحِ قدسی خوب روشن ہو جاتا ہے اور اس کی نورانیت اور اشتراق زیادہ ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ عالم حس کے اندھیرے سے اعراض کرتا ہے اور قلب کی ذات کو عالم طبعی کی میل سے صاف کر کے روشن کر لیتا ہے اور علم و عمل اور انوارِ الٰہی کے فیضان پر

العلم والعمل وفيضان الانوار الالهيّة حتی یقوی النور و ینبسط فی فضاء قلبه فتعکس فیه النقوش المرتسمة فی اللوح المحفوظ ویطلع علی المغیبات و یتصرف فی اجسام العالم السفلی بل یتجلی حینئذ الفیاض الاقدس بمعرفته التی هی اشرف العطایا فکیف لغیره۔ انتهیٰ۔

مواظبت اور ہمیشگی حاصل ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ نور بہت قوی ہو جاتا ہے اور دل کا میدان بہت پھیل جاتا ہے۔ پھر اس میں لوحِ محفوظ کے اندر نقش شدہ انوار منعکس ہوتے ہیں اور غیبی اشیاء پر مطلع ہو جاتا ہے اور عالم سفلی میں تصرف کرتا ہے بلکہ فیاض اقدس جل جلالہٗ اپنی معرفت کی تجلی فرما دیتے ہیں جو سب عطیات سے اشرف ہے پھر دُوسری چیزوں کا کیا کہنا انتہیٰ۔

ایں جا حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارہ ارواحِ مفارقہ کُمّل در حجۃ اللہ البالغہ ذکر نمودہ و برخی ازاں قبیل ازیں نقل نمودہ ام یاد باید آورد مع ملاحظہ معنی غیب بحسب مامر انفاً خلاصہ آں کہ او سبحانہٗ وتعالیٰ بندگانِ خود را از کاملین بعد از الحاق بملاء اعلیٰ نورانیت و اشتراق عطا فرماید زاید براں کہ بُود مر اوشاں را در دُنیا پس مے باشند مثلِ ملائکہ متصرف بالہام و اطلاع در بنی نوع انسان و مطلع بر اقوال و افعال اوشاں۔

اس جگہ وہ مضمون یاد میں لانا چاہیے جو حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دربارہ اَرواحِ مفارقہ کاملین ذکر فرمایا ہے اور کچھ حصہ اس کا اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے اور اس مضمون کے ساتھ غیب کے جو معنے پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرما لینے چاہئیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ اپنے کامل بندوں کو جب کہ وہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ مل جائیں اس قدر نورانیت عطا فرماتے ہیں کہ دنیا والی نورانیت سے زیادہ ہوتی ہے پس وہ ملائکہ کی طرح بنی آدم میں الہام اور اطلاع علی الغیب کے باعث تصرف کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کے اقوال و افعال پر مطلع ہوتے ہیں

خاتم المحدّثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ در شرح مقام علیّین مے نویسند کہ رُوح را قُرب و بُعدِ مکانی مانع ایں دریافت نمے شود و مثالِ آں در وجُودِ انسانی روح بصری است کہ ستارہ ہائے ہفت آسمان را درُونِ چاہ مے تواں دید۔ انتہیٰ

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقامِ علیّین کی شرح میں لکھتے ہیں کہ روح کو جو دریافت اور اطلاع بنی انسان کے اقوال و افعال پر حاصل ہوتی ہے۔ اس میں مکان کا قُرب و بُعد مانع نہیں ہوسکتا اور اس کی مثال وجُودِ انسانی میں روحِ بصری ہے جس سے ساتوں آسمانوں کے ستارگان کو کنوئیں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

در حدیث صحیح آمده صلوا علی فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم۔ فی المرقاۃ۔ قال القاضی و ذٰلک ان النفوس الذکیۃ القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ عرجت و اتصلت بالملاء الاعلیٰ ولم یبق لھا حجاب فتری الکل کا المشاھد بنفسھا او باخبار الملک و فیہ سریطلع علیہ من تیسر لہ ذٰلک۔ ازیں جا ظاہر گشت جہالت کسانے کہ آیات و احادیثِ ذیل را شاہد ے آرند بر منع استعانت از ارواحِ کُمّل و عدم اِطلاع اوشان بر احوالِ مستغیثین و نفی علمِ غیب اضافی برائے آں

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث آئی ہے کہ درُود بھیجو مجھے اس لیے کہ تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ مرقات میں ہے کہ قاضی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ امر اس لیے ہوتا ہے کہ پاک اور مقدس روحیں جب بدنی تعلقات سے الگ ہو جاتی ہے تو ان کو عروج حاصل ہوتا ہے اور ملاء اعلیٰ سے مل جاتی ہے اور کوئی حجاب اور پردہ نہیں رہتا۔ پس سب اشیاء کو دیکھتے ہیں یا تو مشاہدہ بنفسہا ہوتا ہے یا فرشتہ اطلاع دیتا ہے اور اس میں ایک راز ہے جس کو وہ میسّر ہوگا وہی اس پر مطلع ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ جو لوگ آیات و احادیثِ ذیل کو بطور شاہد و دلیل پیش کرتے ہیں اور کاملین کے ارواح سے استعانت کی ممانعت اِن آیات و احادیث سے ثابت۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم واتباع او از ورثہ احوال فمنہا۔

کرتے ہیں نیز یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان ارواح کاملین کو ایسے فریاد کرنے والوں کے حالات پر کوئی اطلاع نہیں ہوتی۔ نیز ان آیات واحادیث سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے تابعین سے نفی علم غیب اضافی کی ثابت کرتے ہیں جاہل اور بے علم ہیں۔ اور حقیقت حال سے بالکل ناواقف ہیں۔ اب اُن آیات اور احادیث کو درج کیا جاتا ہے جو ان جُہّال کے دلائل ہیں۔ ان آیاتِ قرآنیہ میں سے بعض کا مضمون یہ ہے۔

۱۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ.

۱۔ کہ غیب کی کُنجیاں خُدا کے پاس ہیں۔ اُس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

۲۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ

۲۔ زمین و آسمان (تمام کائنات) میں خُدا کے سوا غیب دان کوئی نہیں ہے۔ اُن کو یہ بھی خبر نہیں کہ کب زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔

۳۔ ان اللّٰه عندهٗ علم الساعة۔

۳۔ قیام قیامت کا علم بے شک خُدا کے پاس ہے۔

۴۔ ومن اضل ممن يدعوا من دون اللّٰه من لا يستجيب له الىٰ يوم القيامة وهم عن دعائهم غافلون۔

۴۔ اُس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو شخص ایسے معبودانِ باطل کو پکارتا ہے جو اُسے تا قیامت جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔

۵۔ قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرًا الا ماشاء اللّٰہ۔	۵۔ یا رسولؐ اللہ! کہہ دو کہ میں اپنے لیے سوائے مشیّتِ الٰہی کے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔
۶۔ قل من بیدہ ملکوت کل شیء وھو یجیر ولا یجار علیہ۔	۶۔ ہر شے کی ملکوت وحقیقت اُس کے سوا کس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ غالب ہے اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا۔
۷۔ قل لا املک لکم ضرا ولا رشدا الخ	۷۔ میں تمہارے لیے کسی نفع وضرر کا مالک نہیں ہوں۔
۸۔ ویعبدون من دون اللّٰہ مالا یملک لھم الخ	۸۔ یہ لوگ ایسے معبودانِ باطلہ کی عبادت کرتے ہیں جو کہ ان کو کوئی نفع یا نقصان نہیں دے سکتے۔
۹۔ لا تدع من دون اللّٰہ مالا ینفعک ولا یضرک الخ	۹۔ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کر جو کہ تجھے نفع نقصان نہیں دے سکتے۔
۱۰۔ قل ادعو الذین زعمتم من دون اللّٰہ لا یملکون مثقال ذرۃ الخ	۱۰۔ انہیں کہو کہ اپنے زعمی معبودانِ باطلہ کو بلاؤ جو کہ ذرّہ بھر کے مالک نہیں ہیں۔

قال صلی اللّٰه علیه وسلم نمبرا دعی هذه وقولی بالذی کنت تقولین نمبر۲ وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها من اخبرک ان النبی علیه السّلام یعلم الغیب فقد کذب، واللّٰه لا ادری وانا رسول اللّٰه ما یفعل بی ولا بکم۔

حدیث شریف میں یہی وارد ہے کہ ایک صحابیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ایسا کہہ رہی تھی کہ ہم میں ایسا نبی ہے جو آئندہ کی خبریں جانتا ہے تو آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جو شخص تجھے یہ کہے کہ نبی علیہ السّلام غیب جانتے تھے اُس نے جھوٹ کہا۔ نیز حضور علیہ السّلام نے فرمایا۔ خُدا کی قسم باوجود رسول ہونے کے مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

چہ مفاد نصُوصِ مذکورہ اختصاص علم غیب حقیقی است با وسُبحانہٗ و تعالیٰ و دعوت بطریقِ عبادت ونفی علم وامداد بطریق اصالت والا فکیف یصح قوله صلی اللّٰه علیـه وسلم انا اوّل الناس خروجا اذ ابعثوا وانا خطیبهم اذا وفدوا و انا مبشرهم اذا یئسوا ولواء الحمد یومَئذٍ بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولافخر۔ اخرجه الترمذی عن انسؓ وعن ابن عمرو بن العاص قال اللّٰه تعالیٰ یا جبرائیل اذهب الیٰ محمد

اِن آیات واحادیث کے متعلق یہ تاویل ہے کہ نصُوصِ مذکورہ کا مفاد علم غیب حقیقی کا اختصاص بحق سُبحانہٗ وتعالیٰ ہے اور دعوتِ غیر سے مُراد دعوت بطریقِ عبادت ہے۔ اور علم و امداد کی نفی بھی بطریقِ اصالت ہے ورنہ بصُورتِ عدم درایت معاملہ عاقبۃ الامر حسبِ تقاضائے ظاہر حدیث واللّٰه لا ادری الخ آں حضور کا یہ ارشاد نبوی کہ قیامت میں سب سے پہلے میں اُٹھایا جاؤں گا۔ اور بارگاہِ الٰہی میں وفد جانے کے لئے میں خطیب ہوں گا۔ لوگوں کی نا اُمیدی کے بعد بشارت دینے والا ہُوں۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے رب کے ہاں اولادِ آدم سے زیادہ محترم و مکرم ہوں۔ یہ

فقل له انا سنرضیک فی امتک ولانسؤک عن جابرؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا تمس النار مسلماً رأنی اورأی من رأنی. اخرجه الترمذی عن ابی سعید. الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة اخرجه الترمذی عن جابرؓ لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرة اخرجه مسلم و ابو داؤد والترمذی وقال صلی اللّٰه علیه وسلم ابو بکر فی الجنة الخ ایں حدیث دربارہ عشرہ مبشرہ مشہوراست بل بشر صلی اللّٰه علیه وسلم بالجنة لاصحاب غذوة بدر وهم ثلث مائة و ثلثة عشر ولاصحاب بیعة الرضوان وهم الف واربع مائة۔

وحدیث حذیفہؓ بن الیمان وابنِ عمرؓ دربارہ علم اوصلی اللہ علیہ وسلم قبل ازیں گزشتہ فتدکر۔

واقعات ہوں گے صرف فخریہ کلمات نہیں ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ محمدؐ کو بشارت سُنا دے کہ یارسول اللہ میں تجھے تیری اُمت کے بارہ میں خوش کروں گا اور غم ناک نہ کروں گا۔ ترمذی میں حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے۔ آں حضورؐ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میری زیارت کی یا مجھے دیکھنے والے کی زیارت کی اُس کو دوزخ کی آگ مَس نہ کرے گی۔ ترمذی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے حضرات حسنین کرامؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ مسلم وابوداؤد کی روایات میں بیعت الرضوان تحت الشجرۃ والوں کو آگ سے نجات کی بشارت ہے۔ آں حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق اور دیگر نو (۹) صحابہؓ جن میں تینوں خُلفاء راشدین بھی ہیں سب کو جنتی ہونے کی خوش خبری سُنائی۔ یہ حدیث مشہور بلکہ آں حضورؐ نے اصحابِ غزوۂ بدر تین سو تیرہ اور اصحابِ بیعت الرضوان ایک ہزار چار سو کو بشارتِ جنت دی ہے۔

حذیفہ بن الیمانؓ وابن عُمرؓ کی روایات دربارہ علم نبویؐ اس سے پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ پس

ونیز بوضوح پیوست کہ بناء **مافیہ نحن اعنی** مسئلہ استمداد از اَرواحِ انبیاء و اولیاء بر الحاق اوشان بملاء اعلیٰ و جماعتِ ملائکہ است وافاضۂ خاص از جانبِ اوسبحانہٗ وتعالیٰ برائے اوشان از علوم واطلاع نہ بر سمع موتیٰ مطلقاً کہ مسئلہ مختلف فیہا است درحق مطلق مقبورین از عوام وخواص **فلا حاجة لنا الی الجواب عما اورده المعتزلة والمانعون من لزوم اعادة الروح فی البدن وهو مخالف" لقوله تعالیٰ لا یذوقون فیها الموت الا الموتة الاولی بان هذا یحصل بادنی تعلق للروح بالبدن سواء کان الروح فوق السماء السابعة او محبوسافی سجین وعلی هذا التعلق مدار ادراک الم العذاب ولذة النعیم. قال مولانا عبدالعزیز الفرهاروی وعندی فی هذا الجواب بحث" وهو ان الاحادیث الصّحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السوال**

اس کو یاد کر۔ نیز واضح ہو چکا ہے کہ **مانحن فیہ** یعنی اَرواحِ کاملین انبیاء اولیاء سے مدد مانگنے کی بناء اس پر ہے کہ ان کا الحاق ملاء اعلیٰ اور جماعتِ ملائکہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں فیضانِ خاص کے ذریعہ علم واطلاع ہوتی ہے اور اس کی بناء سماعِ موتیٰ پر مطلقاً نہیں جو تمام مقبورین خاص وعام کے بارہ میں ہے اور مختلف فیہ ہے۔ پس ہم کو معتزلہ اور مانعینِ استمداد کے اس اعتراض کے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اگر سماع کا قول اختیار کیا جائے تو لازم آئے گا کہ موتیٰ کہ روح بدن میں لوٹ آتی ہے۔ حالانکہ بدن میں اعادۂ رُوح کا قول اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مخالف ہے کہ اہلِ جنت وہاں جا کر پہلی موت کے سوا کوئی موت محسوس نہ کریں گے۔ علماء نے اس اعتراض کے جواب لکھے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ قبر میں رُوح کو بدن کے ساتھ ایک ادنیٰ سا تعلق ہوتا ہے چاہے رُوح آسمان پر ہو یا سجین میں ہو اور یہی تعلق دردِ عذاب اور لذتِ نعمت کے ادراک کا مدار ہے۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک یہ جواب غلط ہے۔ اس لیے کہ احادیثِ صحیحہ دلالت کرتی

فالجواب بانكار الاعادة غير موجه وقد اجاب المشائخ من هذه الآية بوجوه اخر۔	ہیں کہ قبر میں سوال کے وقت رُوح دوبارہ بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ پس ہونے کے انکار سے جواب دینا ٹھیک نہیں۔ اور مشائخ نے اس آیت کے بہت وجوہ سے جواب دیئے ہیں۔
احدٰها ان حيٰوة القبر وان كانت عند السوال باعادة الروح فهى حيٰوة ضعيفة فجاز ان لا يسمىٰ زوالها موتا وقال شيخ الاسلام ابن حجر ظاهر الخبر يدل علىٰ ان الروح دخل فى نصف الجسد الاعلىٰ۔	ا۔ منکر ونکیر کے سوال کے وقت بے شک روح کو لوٹایا جاتا ہے اور مُردہ زندہ ہو جاتا ہے مگر یہ زندگی ضعیف ہوتی ہے پس جائز ہے کہ اس کے زوال کو موت نہ کہا جائے۔ شیخ الاسلام ابنِ حجر فرماتے ہیں ظاہر خبر دلالت کرتا ہے کہ روح اُوپر کے نصف بدن میں داخل ہوتی ہے۔
ثانيها۔ ان الموت الحاصل بعد اعادة الرُوح مندرج فى الموتة الاولىٰ۔	۲۔ اعادۂ رُوح کے بعد جو موت حاصل ہوتی ہے وہ موتتِ اولیٰ میں مندرج ہے۔
ثالثها۔ ان الضمير للجنة والاستثناء تاكيد لعدم الذوق على سبيل التعليق بالمحال فالمعنىٰ لو امكن ذوقهم فى الجنة لذاقوها لكنه غير ممكن فلا موت فى الجنة۔ انتهىٰ۔	فیہا کا ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور استثناء سے مقصود یہ ہے کہ موت کے نہ چکھنے کی تاکید کی جائے اس لیے کہ یہ تعلیق بالمحال ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر جنت میں موت کا چکھنا ممکن ہوتا تو موت کو چکھتے۔ لیکن وہاں اس کا چکھنا تو ممکن نہیں۔ پس جنت میں موت نہیں۔ انتہیٰ۔

وآیَت **انک لا تسمع الموتیٰ۔ وما انت بمسمع من فی القبور۔** منافاۃ ندارد باستمداد از اَرواحِ کمل و علم و ادراک اوشان چہ من فی القبور و موتیٰ اجساد اند نہ ارواح **فلا حاجۃ فیما نحن بصددہ الیٰ اثبات سماع الموتیٰ۔** وبناء بر مذکور از لحوق اَرواح کمل بملائکہ حکیم الاُمت مولانا شاہ ولی اللہ در کتاب انتباہ[1] فی سلاسل الاولیاء در بحث اشغال فرمودہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ یک صد و یازدہ بار خواند۔

اور آیت **انک لا تسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور** ہر دو اَرواحِ کاملین سے مدد مانگنے اور اُن کے علم اور ادراک کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ من فی القبور اور موتیٰ جسم ہیں نہ اَرواح۔ پس استمداد کے مسئلہ کے بارہ میں ہمیں سماعِ موتیٰ کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اس مسئلہ کی بناء اس امر پر ہے کہ اَرواح کاملین ملائکہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے۔ سماع موتےٰ پر یہ موقوف نہیں۔ حکیم الامّت مولانا شاہ ولی اللہ نے انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بحثِ اشغال میں فرمایا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ ایک سو گیارہ (۱۱۱) مرتبہ پڑھا جائے۔

بالجملہ مبحث توسّل و نداء و اِستعانت را در کتاب مواہبِ لدُنیہ و حصنِ حصین و تفسیر عزیزی و تفسیر علامہ ابوالسعو د متعلق اقسام سحر

حاصل کلام یہ ہے کہ توسّل و ندا اور استعانت کے ابحاث کو مواہبِ لدنیہ حصنِ حصین تفسیر عزیزی اور تفسیر علامہ ابُو السعود اقسامِ سحر

☆☆☆☆☆☆☆

[1] در نسخہ مترجم یا شیخ الخ یافتہ نشدہ لکن بتحویل ثقات مثل صاحب بوارق وغیرہ غالباً ذکر او دراصل نسخہ انتباہ معلوم مے شود۔ ۱۲۔ منہ

[1] ترجمہ شُدہ نسخہ میں یا شیخ الخ نہیں ہے لیکن معتبر علمائے کرام مثل صاحب بوارق وغیرہ کے حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں ضرور ہے۔ ۱۲۔

درقصہ ہاروت وماروت باید دید[1]	ہاروت وماروت میں دیکھنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] وفی الفتاویٰ خیریتہ یا شیخ عبدالقادر فھو نداء" واذا اضیف الیہ شیء للّٰہ فھو طلب الشیء اکراماًللّٰہ فما الموجب للحرمۃ۔ انتھیٰ۔ ھکذا فی الانتباہ فی سلاسل الاولیاء لمولانا ولی اللّٰہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مثلہ فی الوسیلۃ الجمیلۃ[1] وانہار المفاخر[2] اقوےٰ دلائل برنداز زندہ برائے زندہ یا زندہ برائے میت از مکان بعید قولِ اوست صلی اللہ علیہ وسلم فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات للّٰہ والصلوٰۃ والطیبات السّلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ الحدیث رواہ السنۃ صحابہ کرام رادرحیات وبعدوفات آں	[1] اور فتاویٰ خیریہ میں ہے یا شیخ عبدالقادر، یہ ایک نداء ہےاور جب اس کے ساتھ شیئاً لِلّٰہ کوملایا جائے تو وہ کسی شے کا طلب کرنا ہے۔ اِکراماً لِلّٰہ۔ پس کوئی امر ایسا نہیں پایا گیا جو حُرمت کا سبب ہو۔ اور اسی طرح ہے انتباہ فی سلاسِل اولیاء اللہ جو مولانا شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے۔ اور اسی طرح ہے وسیلہ جلیلہ میں اور انہار المفاخر میں ندا زندہ کی زندہ کو یا ندا زندہ کی مکانِ بعید سے کسی ایسے شخص کو جو عالم آخرت میں چلا گیا ہو۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر ان سب دلائل سے اقویٰ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے کہ جب تم سے کوئی نماز پڑھے تو کہے۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ اس حدیث کو صحاحِ ستہ میں روایت کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا آپ کی زندگی میں اور بعد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الوسیلۃ الجمیلہ مولانا حکیم وکیل احمد سکندر پوری کی تصنیف ہے۔۱۲

[2] انہار المفاخر علامہ محمد غوث بن ناصر الدین محمد کی تالیف ہے۔

☆☆☆ ☆☆☆

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں معمول بودہ ونیز حدیث ضریر کہ اخراج نمودہ است وارترمذی ونسائی وبیہقی و طبرانی باسنادِ صحیح ازعثمان بن حنیف دلالت مے کند برتوسّل ونداء، ہردو۔ دریں حدیث لفظ **یا محمدانی اتوجہ بک الیٰ ربی فی حاجتی لیقضیٰ اللّٰھم شفعہ** فی محل استشہاداست وایں دُعا را صحابہ و تابعین بعد از وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز استعمال کردہ اند کمافی الطبرانی والبیہقی ۔**ولطالب التفصیل ان ینظر فی الوسیلۃ الجلیلۃ۔** وحدیث **اعینونی یا عباد اللّٰہ** دلالت مے کند بر مذکور فی المرقاۃ روی عن المشائخ انہ مجرب ذکر نمودہ است او راحافظ شمس الدین درحصنِ حصین وایں دلیل است بر صحتِ اولانہ **التزم ایراد الصحیح فی ھذالکتاب** وحافظ ابنِ حجر عسقلانی تحسین نمودہ است وابن ابی شیبہ وبزاز وطبرانی ازابنِ عباسؓ مرفوعاً و ابن سنی ازابنِ مسعودؓ (باقی برصفحہ آئندہ)

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) وفات یہی معمول رہا ہے۔ حالانکہ یہ ندا ہے۔ نیز ایک نابینا صحابی کی حدیث جس کو ترمذی، نسائی، بیہقی اور طبرانی نے باسنادِ صحیح عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے نداء اور توسّل پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث میں لفظ یا محمدؐ استشہاد کا محل ہیں۔ اور اس دعا کو صحابہؓ اور تابعین نے بعد از وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ طبرانی اور بیہقی سے پایا جاتا ہے۔ اور اگر تفصیل مطلوب ہو تو وسیلہ جلیلہ کو ملاحظہ فرمایا جائے اور حدیث **اعینونی یا عباد اللّٰہ** (اے خُدا کے بندو میری مدد کرو) بھی ندا اور مدد طلب کرنے پر دلالت کر رہی ہے۔ مرقات میں ہے مشائخ سے مروی ہے کہ یہ حدیث مجرّب ہے۔ اس حدیث کو حافظ شمس الدین نے حصنِ حصین میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کا ذکر حصنِ حصین میں اس حدیث کو صحت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ حافظ مذکور نے التزام کیا ہے کہ وہ اس کتاب میں صحیح حدیث ہی ذکر کرے گا۔ اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس حدیث کو زوائد بزار میں حسن شمار کیا ہے اور روایت کیا ہے۔ اس کو ابن

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) (وسیلہ جلیلہ) پس تحسین محدّثین وتعدد طرق ولو کانت ضعیفۃ گردانیدہ است حدیث مذکور را از حسان کما ہو مقرر فی اصول الحدیث شیخ عبدالوہاب در کشف الحجاب مے نویسد۔ **فاذا علمت حیات الکمّل فلا باس ان ینادیٰ لو احد فی قبرہ کما ینادی الحی و یستمدُ منہ کما یستمد الحی من الحی ولا احد من العلماء والجُھلاء ینکر ذٰلک فی الحیاء وھؤلاء الکمّل من الانبیاء والصحابۃ ومن حذا حذو ھم کذالک۔ انتھیٰ۔**

ابی شیبہ اور بزار وطبرانی نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً اور ابن سنی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا (وسیلہ جلیلہ) اور قاعدہ ہے کہ جس حدیث کے طرق متعددہ ہوں اور محدثین اس کے تحسین فرمادیں تو گو وہ طریق ضعیف ہوں حدیث حسن شمار ہوگی۔ شیخ عبدالوہاب کشف الحجاب میں لکھتے ہیں۔ جب تجھے یقین ہوگیا کہ کاملین زندہ ہیں تو اُن کی قبر پر ندا کرنے میں کیا ڈر ہے۔اس کی ندا ایسی ہے جس طرح زندہ کو ندا کی جاتی ہے۔اور ان کاملین سے مدد مانگنا جائز ہے جیسا زندہ سے زندہ مدد مانگا کرتا ہے۔اور زندہ سے مدد مانگنے کا نہ کوئی جاہل منکر ہے نہ کوئی عالم۔ اور کاملین انبیاء صحابہ اور جو ان کے مشابہ ہیں وہ بھی تو زندہ ہیں۔ شیخ عبدالوہاب کا کلام یہاں ختم ہوا۔

تالیفات علامہ سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وشیخ عبدالوھاب شعرانی وغیرھما از ثقافت ایقاظ موشح اندازیں معنی فلینظر ثمہ۔

تالیفات علامہ سیوطی وشیخ عبدالوہاب شعرانی اور دوسرے تمام ثقات اسی طرح پر خوبصورت اور عمدہ عمدہ تنبیہات کر گئے ہیں۔ وہاں دیکھئے۔

الحاصل او سبحانہ و تعالیٰ من جملہ سلسلۂ اسباب (باقی برصفحہ آئندہ)

الحاصل اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے مُرادیں حاصل کرنے اور حاجتیں پورا (باقی برصفحہ آئندہ)

صاحب تحقیق مستفید گر دو اسامی مجوزین سمجھنے میں غور اور تامل کرے یا کسی محقق عالم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) نیل مُرادات و قضاء حاجات توسّل بعباد اللہ و دُعائے اوشاں راگردانیدہ است **کما هو الثابت من الکتاب والسنۃ** بغیر آں کہ غیر او سُبحانہٗ وتعالٰی را از انبیاء و اولیاء خالق و موجد، نافع وضار علی الاستقلال قرار دادہ شود پس توجہ الی الغیر وتوسّل بدو بر نہج اوّل زندہ باشد یا مُردہ جائز است و بطریقِ ثانی شرک است وحرام **فتدبر فیما سبق من کلام مولانا ولی اللہ فی حجۃ اللہ البالغہ و مولانا عبدالعزیز رضی اللہ عنھم لیتضح لک العموم فی الاحیاء والاموات من الکُمّل۔** وبالجملہ[1] مجوزین توسّل و استغاثہ را تکفیر وتشریک نباید کرد کہ اوشاں جمِ غفیر اند از صحابہ و تابعین وائمۂ محدثین و (باقی بر صفحہ آئندہ)

کرنے کے بہت سے اسباب پیدا کیے ہیں۔ اور ان اسباب کا ایک سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کی ایک کڑی توسّل بعباد اللہ الصالحین اور ان کی دُعا کو بنایا ہے۔ جیسا کہ کتاب وسُنت سے ثابت ہے۔ ہاں غیر اللہ کو چاہے انبیاء ہوں یا اولیاء خالق، موجد اور نافع وضار بالاستقلال نہ بنایا جائے۔ اگر توجہ اِلَی الغیر پہلے طریق پر ہو چاہے زندہ کو وسیلہ بنائے چاہے مُردہ کو جائز ہے۔ اور اگر بر طریقہ ثانی ہو یعنی غیر اللہ کو خالق وموجد اور نافع وضار مستقل جان کر نِدا کرے یا مطلب اور حاجات طلب کرے تو شرک ہے اور حرام قطعی۔ مولانا ولی اللہؒ کا کلام جو حجۃ اللہ البالغہ سے نقل کیا گیا ہے۔ نیز مولانا عبدالعزیزؒ کے کلام میں تدبر کرنا چاہیے تاکہ واضح ہو جائے کہ کاملین چاہے زندہ ہوں یا مُردہ، اُن سب سے توسّل جائز ہے۔ الحاصل جو لوگ توسّل اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] حضرت مؤلفؒ کے اس خلاصہ کا مقصد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب وسُنت وسلف صالحین سے جو توسّل ثابت ہے اُس کے مطابق عمل کرنے والوں کو مشرک وکافر کہنا دین میں غلو اور تشدد ہے جس

سے پرہیز لازم ہے۔۱۲

استغاثہ وتوسل۔

سے استفادہ کرے اور اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) مفسرین وفقہاء و غیرہم **وللّٰہ درصاحب الوسیلۃ حیث سماھم** ومانیز ایں جانقل نمودن اسامی اوشان از ضروریات مے دانیم تاکہ ہرکس بہ تقلیدِ مانعین جرأت بر تکفیر اُمتِ مرحومہ نکند۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) استغاثہ کو جائز جانتے ہیں ان کی طرف نسبت کفر اور شرک نہ کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ وہ صحابہ تابعین ائمہ محدثین، مفسرین اور فقہاء وغیرہ کا جمِ غفیر ہے اور کیا ہی اچھا کیا ہے صاحبِ وسیلہ جلیلہ نے کہ اُن کے نام ذکر کردیئے ہیں اور ہم بھی اُن کے ناموں کو اس جگہ نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ ہر کوئی مانعین توسل وندا کی تقلید کرتے ہوئے امت مرحومہ کی تکفیر نہ کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اُن کے اسمائے گرامی جو استغاثہ اور توسل کو جائز جانتے ہیں:۔

(۱) حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ (۲) عمر بن الخطابؓ (۳) عائشہ صدیقہؓ (۴) علی بن ابی طالبؓ (۵) عبد اللہ بن عمرؓ (۶) عبد اللہ بن عباسؓ (۷) عبد اللہ بن مسعودؓ (۸) انس بن مالکؓ (۹) سواد بن قاربؓ (۱۰) عکاشہ (۱۱) عثمان بن حنیف (۱۲) نابغہ جعدی (۱۳) عقبہ بن غزوان و دیگر صحابہ بسبب اجماع[1] سکوتی۔ (۱۴) حسن بصری (۱۵) محمد بن المکندر (۱۶) امام علی بن موسیٰ رضا (۱۷) ابن ابی فدیک اُستاد امام شافعی (۱۸) محمد بن ادریس یعنی امام شافعی (۱۹) امام ابوکر بن المقری (۲۰) ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی صاحب معاجم ثلثہ (۲۱) ابن الجلاء (۲۲) ابو اللیث نصر سمرقندی (۲۳) حاتم اصم (۲۴) علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی سبکی صاحب شفاء السقام (۲۵) محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النواوی (۲۶) محمد بن حرب ہلالی (۲۷) ابوبکر بن ابی شیبہ (۲۸) عبد اللہ بن محمد اُستاد بُخاری و مسلم (۲۹) ابوبکر احمد بن الحسینی البیہقی صاحب سُنن (۳۰) بزار (۳۱) ابن سنی صاحب کتاب عمل الیوم واللیلۃ (۳۲) قاضی عیاض مالکی صاحب شفاء (۳۳) شہاب الدین احمد بن محمد البرنی المعروف بزروق شارح کتاب الحکیم (۳۴) شیخ ابو العباس حضرمی (۳۵) عبد الرحمٰن بن علی البغدادی المکنی بابی الفرج ابن الجوزی (۳۶) سراج الدین عمر بن حفص بلقینی (۳۷) عبد الرؤف مناوی شارح جامع صغیر فی حدیث البشیر النذیر (۳۸) ابو الشیخ عبد اللہ بن حسان مؤلف کتاب العظمۃ وغیرہا (۳۹) ابوبکر اقطع (۴۰) حافظ شمس الدین محمد ابن الجزری صاحب حصن حصین (۴۱) ابراہیم طرابلسی صاحبِ مواہب الرحمٰن و شرح آں بُرہان (۴۲) شیخ حسن شرنبلانی صاحب مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (۴۳) شیخ احمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ (۴۴) ابو عبد اللہ ابن الحاج محمد بن محمد عبدری فاسی مالکی صاحبِ مدخل۔ (۴۵) شہاب الدین احمد بن حجر مکی ہیتمی صاحب الجواہر المنظم (۴۶) شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی تلمیذ حافظ ابن حجر عسقلانی مؤلف مقاصدِ حسنہ و قول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع وغیرہ (۴۷) واقدی صاحبِ فتوح الشام (۴۸) ابو نصر صباغ ابن النجار البغدادی

[1] اجماع سکوتی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی صحابی سے سماع موتی کے خلاف ثابت نہیں۔۱۲

(۴۹) ابن عساکر دمشقی (۵۰) ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ بن النعمان مالکی صاحب مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام (۵۱) ابو حامد محمد بن محمد غزالی صاحب احیاء العلوم۔ (۵۲) کمال الدین محمد بن عبد الواحد سکندری معروف بہ ابن ہمام صاحب الفتح القدیر (۵۳) حسن بن منصور بن محمود فخر الدین قاضی خان (۵۴) ابو داؤد مالکی صاحب البیان والانتصار (۵۵) ابنِ شاہین (۵۶) شیخ الاسلام خیر الدین رملی صاحب فتاوی خیریہ (۵۷) شوبری محشی شرح منہج (۵۸) یحییٰ صرصری صاحبِ شعرِ مشہور (۵۹) موفق الدین ابن قدامہ حنبلی صاحبِ مغنی۔ (۶۰) ذوی الافہام نجم الدین احمد بن ہمدانی حرانی حنبلی صاحب الرعایۃ الکبریٰ (۶۱) ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن مفلح حنبلی صاحبِ فروع برماوی صاحب دلائل واضحات فی اثبات الکرامات فی الحیٰوۃ وبعد المماۃ (۶۲) شیخ الاسلام بن شحنہ حنفی (۶۳) شیخ عبدالباقی مقدسی حنفی (۶۴) شیخ احمد غنجی حنفی (۶۵) نور الدین علی سمہودی صاحب خلاصۃ الوفاء (۶۶) شیخ الاسلام برہان الدین ابراہیم بن جعبان جعبری صاحب عمدۃ المتحنین بعدۃ الحصن الحصین (۶۷) حافظ عبداللہ بن سعد مشہور بابن ابی جمرہ اندلسی مالکی صاحب شرح مختصر بخاری۔ (۶۸) شیخ ابو طاہر (۶۹) شیخ حسن خسلبی ہمزادی صاحب نفحات النبویہ فی الفضائل العاشریہ (۷۰) ابنِ اثیر صاحب نہایہ (۷۱) سید احمد حموی صاحب نفحات القرب والاتصال (۷۲) شیخ عبدالوہاب شعرانی صاحبِ لواقح الانوار (۷۳) علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۴) جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی صاحبِ درِ منثور (۷۵) شیخ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن سعید بوصیری صاحب قصیدہ بردہ (۷۶) ابن المفید صاحبِ مناسک المشاہد (۷۷) کمال الدین زملکانی صاحب عمل المقبول فی زیارۃ الرسول (۷۸) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی صاحبِ تفسیر کبیر (۷۹) عبداللہ بن قاضی بیضا صاحبِ تفسیر مشہور (۸۰) حافظ الدین صاحب عبد اللہ نسفی صاحب کنز ومدارک (۸۱) محمد فاضل دہلوی صاحب مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات (۸۲) عبدالرحمٰن جامی (۸۳) علی بن سلطان محمد المشہور بہ مُلّا علی قاری صاحب مرقاۃ (۸۴) شیخ عبدالحق محدّث دہلوی صاحب اشعۃ اللمعات (۸۵) شیخ الاسلام صاحبِ کشف الغطاء (۸۶) شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (۸۷) شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحبِ فتح العزیز (۸۸) مولوی رفیع الدین دہلوی بن شاہ ولی اللہ (۸۹) مولوی محمد مخصوص اللہ دہلوی

صاحب سعید الایمان جواب تقویۃ الایمان (۹۰) مُلا عابد سندھی مدنی اُستاد شاہ عبد الغنی دہلوی مجددی صاحب حصر شارد مُلا کا ایک خاص رسالہ وجیزہ جوازِ اِستغاثہ و توسّل میں ہے۔ (۹۱) مولوی محمد عبد الحلیم لکھنوی صاحب نور الایمان بزیارۃ حبیب الرحمٰن (۹۲) مولوی تراب علی لکھنوی صاحب سبیل النجاح اِلیٰ تحصیل الفلاح (۹۳) مولوی فضل الرسول بداؤنی صاحب تصحیح المسائل۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال

سلمنا کہ زیارتِ قبور برائے اہداء ثوابِ فاتحہ ودُعاء مغفرت بحق موتی مسنون واستعانت واستمداد از انبیاء واولیاء جائز واقلش آں کہ مرتکب او را مشرک و کافر گفتن اصلاً جائز نے۔ اِلّا درصورتِ اعتقاد استقلال و معبودیّت لکن از جہت کثرت بدعت و شیوع فسق و فجور نزدِ مزاراتِ متبرکہ چگونہ برائے مسلمان متبع سنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام روا ے باشد حاضر بُودن بہ ہچنیں مشاہد۔

چلو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قبروں کی زیارت فاتحہ اور ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کے لئے مسنون اور جائز ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی ارواح طیبہ کے ساتھ استعانت اور استمداد بھی جائز ہے کم از کم استمداد کے مرتکب کو کافر اور مشرک کہنا تو قطعاً ناجائز ہے بشرطیکہ ان کے مستقل مختار اور معبود ہونے کا عقیدہ نہ ہو لیکن آج کل اکثر مقاماتِ متبرکہ اور مزاراتِ شریفہ پر فسق و فجور اور بدعات کا ارتکاب عام ہے لہذا اندریں حالات ایک متقی اور متبع سنت انسان کے لئے وہاں جانا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

جواب

بصحت رسیدہ کہ صفاء ومروہ را از شعائر اللہ بُودن محض بہ برکتِ ہاجرہ رضی اللہ عنہا بُود کہ معیتِ خاصہ او سُبحانہٗ وتعالیٰ درحق اوشان میانِ ہمیں دوکوہ متجلی گشتہ وحلِ مشکلِ ایشان فرمودہ وازاں باز معنی شعائر اللہ درین ہردو کوہ بمنزلہ جوہرِ ذاتی گشتہ کما فی فتح العزیز ونیز برناظرِ قرآن کریم وحدیث شریف مخفی نیست کہ نہادن اصنام وعملِ بُت پرستی نزد

صفا اور مروہ کا شعائر اللہ میں سے ہونا تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ امر ہے۔ اولاً حضرت ہاجرہؓ کی برکت سے ان پہاڑیوں کے درمیان حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کی معیتِ خاصہ کی تجلی ظاہر ہوئی اور ان کی مشکل حل فرمائی اور بعد ازاں شعائر اللہ کا معنی ان دو پہاڑیوں کا جوہر ذاتی ہو گیا۔ جیسا کہ تفسیر فتح العزیز میں ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ علیہ

ہمیں دو کوہ از مشرکین الی ممرّ الدہور صادر گشتہ مع آں کہ خباثتِ ایں شرک ہیچ نوع اثر در رفع و ترک نمودن سعی بین الصفا والمروہ نہ نمودہ پس ہمچنیں فسق و فجور اہلِ معاصی و ابتداع مبتدعین زیارتِ قبور را از مسنونیت خارج کردہ نمی تواند الاّ در صورتے کہ معبود گردانیدہ شود اہلِ قبو. راو نیست کلام درو۔

التحیۃ والتسلیم کا مطالعہ کرنے والے پر واضح ہے کہ مدت مدید اور عرصۂ بعید تک کفار و مشرکین نے ان پہاڑیوں پر اپنے بُت کھڑے کرکے بُت پرستی جاری رکھی۔ لیکن اس شرک و بدعت کی خباثت نے صفا و مروہ کا سعی چھوڑ دینے میں کوئی اثر نہ کیا۔ اسی طرح غلط کار لوگوں کے فسق و گناہ اور اہلِ بدعت کی بدعتوں کی وجہ سے جائز طریقہ پر قبروں کی زیارت سُنت کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ یہ اور بات ہے کہ قبر والوں کی پرستش شروع کردی جائے اور انہیں معبود بنا لیا جائے۔ جس کے خلاف شرع ہونے میں کسی مسلمان کو کلام نہیں۔

ایں جا بر ذکر چندے از انفاس متبرّکہ حضرت خاتم المحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ نقل نمودہ است آنہا را مولانا فضل رسول قادری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکتفا نمودے مے آید۔

یہاں حضرت خاتم المحدثینؒ کے چند انفاسِ متبرّکہ جن کو مولانا فضل رسول قادری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے۔ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قال مولانا **مقولہ اوّل**: در تفسیر عزیزی در دیباچہ بہ تمہید تصنیف تفسیر نوشتہ برائے ایضاح معانی سورہ فاتحۃ الکتاب و دو سپارۂ آخرین از حضرت قرآن مجید کہ اکثر مسلمین در صلوٰۃ خمسہ و جمعہ و جماعات و محاضر اَرواح

مقولہ اوّل: تفسیری عزیزی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ اور آخری دو سیپاروں کی تفسیر لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر مسلمانوں کو نمازوں اور جمعہ اور جماعات وغیرہ میں اور انبیاء اور اولیاء کے پاک رُوحوں کے حاضر

مقدسہ انبیاء و اولیاء وزیاراتِ قبورِ صُلحاً و عرفاء بتلاوتِ ایں سورہا تشرف مے نمائند۔ انتہیٰ۔ لفظ محاضر اَرواحِ انبیاء و اَولیاء را باید دید و معنی آں از قرن شیطان باید پُرسید۔

مقولہ دوئم: در تفسیر **ایاک نعبد** عبادت را منقسم نمودہ مے نویسد و آں چہ تعلق بچشم دارد دیدن مشاہد خیر مثل کعبہ شریفہ و قرآن مجید و دیدن بزرگان مثل انبیاء و اولیاء و زیارتِ قبور شہداء و صالحین کہ جان خود را در راہِ او باختہ اند و اَوقاتِ عزیز خود را دریادِ او گزارند انتہیٰ زیارتِ قبورِ شُہداء و صالحین عبادتِ خُدا است۔

مقولہ سوم: اما عبادت قلب پس محبت است بمحبو بانِ او و بغض داشتن بمغضُو بانِ او۔

مقولہ چہارم: **ایاک نستعین** یعنی و از تو مدد می خواہیم این لفظ برائے آں آوردہ شدہ تا از نسبت عبادت بخود عُجبی در دل پیدا نہ شود پس گویا مے گوید کہ عبادتِ تو بدون

ہونے کے مقامات اور صالحین کے مزارات کی زیارت کے موقعہ پر ان سُورتوں کی تلاوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب لفظ محاضرِ اَرواح پر غور کرتے ہوئے منکرین کے شیطانی گروہ سے مطلب دریافت کرنا چاہیے۔

مقولہ دوئم: **ایاک نعبد** کی تفسیر میں عبادت کی تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آنکھوں سے جو عبادت متعلق ہے وہ اچھے مناظر کا مشاہدہ کرنا ہے۔ کعبہ شریف اور قرآن مجید کی زیارت بزرگوں کا دیکھنا مثلاً انبیاء اور اولیاء شہداء اور صالحین کی قبروں کی زیارت کہ جن لوگوں نے اپنی پیاری جانیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان کر دی ہیں اور اپنی زندگی کے تمام عزیز اوقات اس کی یاد میں صرف کر دیئے ہیں۔ اس عبارت سے ان امور کا عبادت ہونا معلوم ہوگیا۔

مقولہ سوم: دل کی عبادت اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے ساتھ محبت رکھنا اور دشمنوں کے ساتھ عداوت رکھنا۔

مقولہ چہارم: اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ اس لفظ کے کہنے کی ضرورت اس لیے پیدا ہوئی کہ جب نمازی **ایاک نعبد** سے عبادت کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرتا

طلب مدد از تو صورت نے بندد و نیز در عالم سہ طائفہ اند۔ جبریان مے گویند کہ ہیچ اختیار نداریم و مانندِ سنگ و چوب بے اختیار از ما حرکات سر بر مے زنند۔ وقدریان مے گویند کہ اختیار تمام داریم و حرکات و افعال بایجاد ما از صادر مے گردد و ایں ہر دو طائفہ مردود و بر طریقۂ نامحمود اند اوّل ابطالِ شرائع و تکلیفات مے کنند و طائفۂ دوئم دعوے' شرکت در کارخانۂ خالقیت مے نمائند۔ پس ایں دو لفظ برائے ردِ عقیدہ آن ہر دو طائفہ آوردہ اند **ایاک نعبد** ردِ عقیدۂ جبر است و **ایاک نستعین** ردِ عقیدۂ قدر است و راہِ راست نصیبِ طائفۂ سوم است کہ سنیان باشند مے گویند کہ بندگی مے کنیم و توفیق از تو مے جوئیم۔ بعض اہلِ معرفت گفتہ اند کہ استعانت دریں جا طلبِ عَون نیست بلکہ طلب عین و معاینہ است یعنی عبادت از ماست و مرتبہ معائنہ دادن و بعین الیقین رسانیدن کارِ تست۔ شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ روزے در نمازِ شام امامت مے کرد۔ چوں **ایاک نعبد و ایاک نستعین** گفت بے ہوش افتاد چوں بخود آمد گفتند اے شیخ ترا چہ شدہ بود گفت چوں ایاک نستعین گفتم ترسیدم کہ مرا بگویند کہ

ہے تو تکبر پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے **ایاک نستعین** کہہ کر نفس کے اس واہمہ کو دُور کر دیا گیا ہے یعنی اِلٰہ العالمین تیری عبادت بھی تیری مدد کے بغیر مجھ سے متصوّر نہیں ہو سکتی اور اس لیے بھی کہ دُنیا میں تین قسم کے لوگ موجود ہیں ((۱) ایک جبری جن کا اعتقاد ہے کہ ہمیں کوئی اختیار نہیں۔ ہم پتھر کی مانند ہیں۔ یہ سب حرکات و سکنات غیر اختیاری طور پر ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ (۲) دوسرے قدری۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بالکلیہ مختار ہیں۔ تمام افعال و حرکات جو ہم سے صادر ہوتے ہیں اُن کے ہم خود خالق ہیں ان دونوں گروہوں کا عقیدہ غلط ہے کیونکہ پہلے گروہ نے اپنے باطل عقیدہ کے ضمن میں تمام شرائع اور احکام کا انکار کر دیا ہے۔ اور دوسرا گروہ کارخانۂ تخلیق میں شرکت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ دو لفظ ان دو گروہوں کی تردید کے لئے فرمائے ہیں۔ **ایاک نعبد** سے جبریوں کے عقائد کی تردید ہوگئی اور **ایاک نستعین** سے قدریوں کے خرافات کا ابطال ہو گیا۔ اور صراط مستقیم تیسرے گروہ کے حصہ میں آیا جسے اہلسُنّت کہا جاتا ہے۔ فرمایا اس طرح کہو۔

اَے دروغ گوئے چرا از طبیب دارُوے جوئی و از امیر روزی واز پادشاہ یاری ے جوئی۔ لہذا بعضے از علماء گفتہ اند کہ مرد را باید کہ شرم کند ازاں کہ ہر روز وشب پنج نوبت۔ در مواجہتہ پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ باشد۔ لیکن دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد براں غیر باشد و او را مظہرِ عونِ الٰہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است و او را یکے از مظاہرِ عون دانستہ ونظر بر کارخانہ اسباب وحکمتِ او تعالیٰ دران نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز وروا ست وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بہ غیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ بحضرتِ حق است لا غیر۔ انتہیٰ۔

بندگی ہم کرتے ہیں اور بندگی کی توفیق تجھ سے طلب کرتے ہیں۔ بعض اہل معرفت کا قول ہے کہ اس آیت میں اعانت طلب نہیں کی گئی بلکہ عین اور معائنہ طلب کیا گیا ہے۔ یعنی عبادت ہماری طرف سے اور معائنہ اور عین الیقین کا درجہ عطا کرنا تیرے اختیار میں ہے۔ شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن شام کی نماز کی امامت فرمارہے تھے۔ جب **ایاک نعبد و ایاک نستعین** زبان پر جاری ہوا تو بے ہوش گئے۔ لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا ''جب میں نے **ایاک نستعین** کہا تو میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ فرمائے اَے جھوٹے زبان سے یہ کہتے ہو اور عمل کے طور پر اس کے برخلاف طبیب سے دارُو طلب کرتے ہو۔ امیر سے روزی مانگتے ہو۔ بادشاہ سے مدد چاہتے ہو''۔ لہذا اس معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ انسان کو شرم کرنی چاہیے اور دن رات میں پانچ دفعہ اللہ تعالیٰ کے رُوبرُو کھڑے ہو کر جھوٹ نہ بولے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ غیر سے اس قسم کی استعانت کہ غیر کو مددِ خداوندی کا مظہر نہ سمجھے بلکہ مستقل بالذات نافع اور ضار سمجھے تو یہ حرام

اگر التفات حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف ہو اور غیر کو فقط خُدا کی مدد کا مظہر سمجھے تو شرعاً یہ استعانت جائز ہے اور عین عرفان ہے۔ اولیاء اور انبیاء نے اس قسم کی استعانت غیر سے کی ہے۔ یہ قسم درحقیقت استعانت بالغیر نہیں بلکہ بعینہ حضرت حق کے ساتھ استعانت ہے۔

اھ ک

مقولہ پنجم: تقدیم **ایاک بر نستعین** مفید حصر است یعنی از غیر تو استعانت نداریم و ایں استعانت یا خاص است برائے عبادت یا عام است در جمیع امورِ دُنیا و دین اگر خاص است پس آں است کہ عبادت ہر چند کسب بندہ است مگر عملِ بندہ بہ پیدا کردن خداست و اگر عام است پس وجہِ اختصاص آں است کہ ہر کہ غیرِ خود را اعانت مے کند۔ منتہیٰ کار او آں است کہ در دلِ او داعیہ اعانت آں غیرے انداز دو ایں فعل فعلِ او تعالیٰ است پس گویا بندہ مے گوید غیر ترا اعانتِ من ممکن نیست مگر چوں اُو را تو اعانت فرمائی تا اسباب اعانت بہم رساند باز در دل او داعیہ اعانت من اندازی پس من از وسائط قطع نظرے کنم و غیر از اعانت ترانے بینم انتہی ملخصاً۔

مقولہ پنجم: لفظ **ایاک** کو **نستعین** پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے اب یہ استعانت یا خاص ہے۔ مثلاً عبادت کی توفیق وغیرہ یا عام ہے تمام دین اور دُنیا کے امور میں اگر خاص ہے تو اس طرح کہ عبادت اگرچہ انسان کا کسب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوا ہے۔ اگر عام ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی انسان دُوسرے انسان کی مدد کرتا ہے تو مدد کرنے کا یہ خیال اس کے دل میں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ تو گویا یہ استعانت بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہوئی۔ گویا **ایاک نستعین** کہنے والا وسائط اور اسباب سے قطع نظر کر کے کہتا ہے کہ درحقیقت سب مدد تیری طرف سے ہے غیر

کی طرف سے ناممکن ہے کیونکہ مدد کرنے کی توفیق، مدد کرنے کا خیال یہ سب تیرے پیدا کردہ ہیں تو پھر غیر کی طرف سے کس طرح سمجھوں۔ اھ ملخصاً۔

مقولہ ششم: دربیانِ افراط و تفریط استعانت نوشتہ کہ ملائکہ و اَرواحِ انبیاء و اَولیاء را در پردہ صُوَر و تماثیل و قبور و تعزیہا معبود ساز د و رزق و فرزند و خدمت و منصب ازیشاں بالاستقلال درخواست کند و شفاعت و عرض ایشاں را در جناب او تعالیٰ واجب القبول مگر مکرُوہ آنجناب باشد بداند۔ انتہیٰ۔

مقولہ ششم: استعانت میں افراط وتفریط کے بارے میں لکھا ہے کہ فرشتوں اور انبیاء اَولیاء کے اَرواح کو ان کے مجسموں، تصویروں اور قبروں اور تعزیوں کے پردے میں پُوجنا اور رزق، اولاد و منصب وغیرہ مستقل طور پر اُن سے طلب کرنا اور بارگاہ خُداوندی میں اُن کی سفارش اور عرض و دُعا کو لازماً منظور سمجھ لینا خواہ وہ معاملہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند بھی ہو۔ یہ سب کام اسلام وتوحید کے خلاف ہیں۔

مقولہ ششم: صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی راہ کسانے کہ انعام کردہ بر ایشاں و ایں لفظ را در جائے دیگر از قرآن مجید تفسیر فرمودہ اند بچہار فرقہ کہ انبیاء و صدّیقان و شہیدان و صالحان باشند پس معلوم شد کہ راہِ راست راہِ ایں چار فرقہ است و در وقتِ مناجات با پروردگار بندہ راے باید کہ ایں ہر چہار فرقہ را ملحوظ نظر اجمالی سازد و راہ آں ہا طلب کند الیٰ آخر ما قال باید دانست کہ عوام مومنین را رفاقتِ

مقولہ ششم: صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اُن لوگوں کا راستہ عطا فرما جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ ایک اور جگہ قرآن مجید کی تفسیر میں اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تفسیر چار فرقوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ انبیاء، صدیقین، شُہداء اور صالحین، لہٰذا دُعا کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان چار فرقوں کی راہ طلب کرنا چاہیے اور ان چاروں فرقوں کو اس وقت نظرِ اجمالی کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں واضح ہو کہ عام مومنین کو چاہیے کہ صالحین

صالحین طلب باید کرد و صالحاں را رفاقتِ شہیداں و شہیداں را رفاقتِ صدیقاں و صدّیقاں را رفاقتِ انبیاء و اگر کسے از عوام مؤمنین خواہد کہ رفاقتِ انبیاء نماید او را از رفاقتِ ایں سہ گروہ درجہ بدرجہ ناچاریست چُنانچہ اگر کسے رفاقتِ بادشاہ خواہد بدون رفاقتِ جماعہ داری کہ او در رفاقتِ رسالہ داری و او در رفاقت امیرے از اُمراء کبار باشد ممکن نیست ولہٰذا دخول در طریقہ اہل اللہ و توسل بآں ہا جستن محمود اہلِ اسلام شدہ۔ انتہیٰ۔

کی رفاقت طلب کریں اور صالحین شہداء کی رفاقت، شُہداء صدیقین کی اور صدیقین انبیاء کی رفاقت، عام آدمی کو ان چاروں کی رفاقت درجہ بدرجہ طلب کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو بادشاہ کی مصاحبت مطلوب ہو تو پہلے اُسے جماعت دار کی رفاقت ضروری ہے جو ایسے رسالہ دار کی رفاقت میں ہو جسے بڑے اُمراء سے کسی امیر کی رفاقت حاصل ہو۔ اب اگر کوئی شخص ان سب وسائط اور وسائل کو ترک کر دے تو بادشاہ کی مصاحبت ممکن نہ ہو گی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اہلِ معرفت کے طریقوں میں داخل ہونے اور اہل اللہ کے ساتھ توسّل کرنے کو تمام اہل اسلام نے اچھا اور مُبارک سمجھا ہے۔ اھ

وہم در حالاتِ شان مے نویسد و برکت در کلام و در انفاس و در افعال و در مکاناتِ ایشاں و در ہم صُحبتانِ ایشاں و در اَولاد و در نسلِ ایشاں و در زیارت کنندگان ایشاں پے در پے ظاہر مے گرداند و نزدِ خود ایشاں را جاہ و مرتبہ مے بخشد کہ دُعائے ایشاں مستجاب مے شود۔ بلکہ در ہر حاجتے بایشاں توسل نمایند حاجت او روا مے گردد و خصوصیات و

بزرگوں کے حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی کلام، انفاس، افعال اور مکانات میں برکت عطا کرتا ہے۔ اور اُن کے ہم مجلس لوگوں، اولاد، نسل اور زیارت کرنے والوں میں متواتر طور پر برکات و فیوض کا ظہور فرماتا ہے اور اپنی بارگاہ میں اُنہیں وہ مرتبہ اور شان عطا کرتا ہے کہ اُن کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں ان کے متوسلین کی

علاماتے کہ در عالم برزخ و مؤقف قیامت و در عالم ملکوت مے دہند ازاں قبیل نیست کہ عوام مؤمنین بآن استدلال تو انند کرد الّا بعد از مشاہدۂ آن عوالم۔ انتہیٰ۔

حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور عالمِ برزخ، میدانِ قیامت اور عالمِ ملکوت میں جو خصوصیات انہیں عطا کی جاتی ہیں وہ اس قسم سے نہیں جنہیں عوام اہلِ ایمان ان جہانوں کے مشاہدہ کے بغیر عقلی دلائل سے معلوم کر سکیں۔

وہم درآں جا نوشتہ شہید آنست کہ قلبِ او بمشاہدہ متحقق باشد و آنچہ از انبیاء علیہم السّلام باو رسیدہ بہ نہجے قلبِ اُو قبول کُند کہ گویا مے بیند لہذا دادن جان نزدِ او سہل باشد گو بحسبِ ظاہر مقتول نہ شدہ باشد۔

پھر اسی موقع پر لکھتے ہیں شہید وہ ہے جس کا دل ہر وقت مشاہدہ میں مشغول ہو۔ اور جو کچھ انبیاء علیہم السّلام سے اُسے پہنچا ہے۔ اُسے اس طرح قبول کرے گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے دینا اُسے بالکل آسان نظر آئے گو ظاہری طور پر مقتول نہ ہوا ہو۔

مقولہ ہشتم: در اقسامِ فرشتہ ہا نوشتہ۔ اوّلاً فرشتہ ہائے کہ متعلق باجسام اند خواہ علوی مثل حاملانِ عرش و خازنانِ کرسی و داروغہ ہائے بہشت و دوزخ و ساکنانِ سدرۃ المنتہٰی و مجاورانِ بیت المعمور و کشندگانِ ستارہ ہائے و محرکانِ سمٰوات و دربانانِ آنہا خواہ باجسام سفلی تعلق داشتہ باشند مانند فرشتہ ہائے کہ بہ ابر و باد مربوط اند و ہمراہ ہر قطرہ نزول مے کنند و بر دریا ہا و کوہ ہا و درختان موکل و محفظِ بنی آدم و نوشتن اعمالِ ایشاں و امداد و اعانت

مقولہ ہشتم: فرشتوں کے اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جو فرشتے اجسام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں خواہ علوی ہوں جیسا کہ حاملانِ عرش، خازنانِ کرسی، بہشت و دوزخ کے داروغے، سدرۃ المنتہٰی کے مقام پر سکونت اختیار کرنے والے، بیت المعمور کے مجاور، ستاروں کو کھینچنے والے، آسمانوں کو حرکت دینے والے، آسمانوں کے دروازوں کے دربان وغیرہ خواہ سفلی ہوں جیسا کہ وہ فرشتے جو بارش کے ہر قطرہ کے ساتھ زمین پر نازل

تالیان اسماء اللہ و عزیمت خوانان ارتباط دارند۔ سوم مقربین کہ امورِ عظام در عالم بہ تدبیر ایشاں وتوسطِ ایشاں صورت مے گیرد و مثلِ انزالِ وحی و شریعت و ایصالِ رزق و دولت و امداد و نُصرت و برہم زدن دولت ہاو مُلک ہا و قبضِ اَرواحِ بنی آدم۔ انتہیٰ۔

ہوتے ہیں درختوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے موکل، انسانوں کے محافظ، اعمال لکھنے والے، عزائم اور اسماءِ الٰہی کا ورد کرنے والوں کی اعانت اور امداد کرنے والے تیسری قسم وہ مقرب فرشتے ہیں کہ دُنیا کے سب بڑے کام ان کی تدبیر اور توسط سے ہوتے ہیں۔ مثلاً وحی کا نزول، شریعت کا انبیاء تک پہنچانا، رزق و دولت پہنچانا، نصرت و مدد کرنا اور ہلاکت و تباہی وغیرہ لانا، اَرواحِ انسانی کا قبض کرنا۔ اھ ک

وبعضے از فرشتگان برائے تمشیت امر غذا در بدن آدمی نیز موکل اند زیرا کہ فائدہ غذا آنست کہ جزوے ازطعام قائم مقام جُزوے از بدن کہ بہ سبب حرکات متحلل شدہ است گردد پس لابد فرشتہ مے باید کہ غذا را سوئے گوشت واستخوان کشیدہ برد زیرا کہ غذا جسم ثقیل است بالطبع حرکت بہ پائیں دارد نہ بجوانب دیگر۔

انسان کے بدن میں غذا پہنچانے کے لئے بھی بعض فرشتے موکل ہیں مثلاً غذا کا فائدہ یہ ہے کہ بدن کا ایک حصہ بن جائے لہذا غذا کو گوشت اور ہڈیوں تک پہنچانے کے لئے بھی ایک فرشتے کی ضرورت ہے کیونکہ غذا ثقیل ہونے کی وجہ سے طبعی طور پر نیچے کو حرکت کرتی ہے نہ کسی دوسری سمت کو۔

وفرشتہ دیگر مے باید کہ آں غذا را در عضو نگاہ دارد و فرشتہ سوم تا صورت خون را از اں غذا خلع کند۔ چہارم تا صورت گوشت و استخوان پوشاند پنجم تا دفع فضلہ نماید ششم تا جنس بجنس چپانیدہ یکساں نماید ہفتم تا مراعات

دوسرا فرشتہ غذا کو اُس عضو میں نگاہ رکھنے کے لئے ہو تیسرا غذا سے خون کے اجزا حاصل کرنے کے لئے۔ چوتھا خون کو گوشت اور ہڈیوں کی شکل میں تبدیل کرنے کے لئے پنجم فضلہ دفع کرنے کے لئے چھٹا جنس کو جنس کے

مقدار نماید و پستی و بلندی در صورت عضو پیدا نشود۔ پس ایں ہفتہ فرشتہ برائے غذائے ہر عضو در کار اند و بعض اجزائے بدن مثل چشم و دل زیادہ از صد فرشتہ را محتاج اند و ہمہ ایں فرشتہ ہائے ارضی را مدد از ملائکہ آسمانی است و آں ہمہ را از حملۃ العرش۔ انتہیٰ۔

ساتھ متصل کرنے کے لئے۔ ساتواں مقدار اور وزن کا لحاظ کرنے والا تاکہ ایک اندام کا کوئی حصہ موٹا اور کوئی لاغر نہ ہو جائے۔ لہذا یہ سات فرشتے تو ایک عضو کی غذا کے لئے ضروری ہیں۔ پھر بعض اجزاء مثلاً آنکھ اور دل کے لئے سینکڑوں فرشتوں کی حاجت ہے۔ اور ان سب ارضی فرشتوں کو آسمانی فرشتوں سے امداد پہنچتی ہے اور سب آسمانی فرشتوں کو حاملانِ عرش سے اعانت حاصل ہوتی ہے۔

مقولہ نہم: **اماتهٗ فاقبره** نوشتہ کہ در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشند علاقہ روح با بدن از راہِ نظر و عنایت بحال مے ماند و توجہ بزائرین و مستانسین و مستفیدین بسہولت مے شود کہ بسبب تعین مکانِ بدن گویا مکانِ رُوح متعین است و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ و تلاوتِ قرآن مجید چوں دراں بقعہ کو مدفنِ بدنِ اوست واقع شود بسہولت نافع مے شود۔ پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکنے برائے روح ساختن است بنا بر ایں است کہ از اولیاء مدفونین و دیگر مومنین انتفاع و استفادہ جاری است و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور و در تفسیر سُورہ

مقولہ نہم: **اماتهٗ فاقبره** کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ چونکہ دفن کرنے سے بدن کے تمام اجزاء یکجا رہتے ہیں لہذا روح کا تعلق بدن سے اُسی طرح قائم رہتا ہے۔ زائرین اور مستفیدین کی طرف توجہ آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ بدن کے مکان متعین ہونے کی وجہ سے رُوح کا مکان بھی متعین ہو جاتا ہے اور اس عالم کے اثرات یعنی صدقہ و خیرات، تلاوتِ قرآن مجید، فاتحہ وغیرہ کا فائدہ اُس قطعے میں جہاں اُس جسم کا مدفن ہے سہولت کے ساتھ پہنچ سکتا ہے۔ برخلاف اُس کے جسم کو جلانا گویا رُوح کو بے گھر کرنا ہے اور دفن کرنا گویا رُوح کے لیے مکان بنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدفون اَولیاء کرام اور عوام مومنین

انشقت نوشتہ اول حالتے کہ بجر دجُدا شُدن رُوح از بدن خواہد شد فی الجُملہ اثر عبادتِ سابقہ و اُلفتِ بدن و دیگر معرُوفان از ابنائے جنس خود باقیست و آں وقت گویا برزخ است درمیانِ زندگانی دُنیا و استغراق عالم قبر کہ چیزے ازیں طرف و چیزے ازاں طرف دارد و ایں حالت حالتِ اِنکشاف جزائے برزخی از نیکیہا و بدیہاست و مدد زندگان دریں حالت زُود ترے رسد و مُردگان منتظر لحوق مدد ایں طرف مے باشند و چناں گماں برند کہ ہنوز زندہ ایم ولہذا در حدیث شریف در احوالِ قبر وارد است کہ مرد مُسلمان درآں جا می گوید **دعونی اصلی** یعنی بگذارید مرا تا نماز بخوانم و نیز وارد است کہ مُردہ دراں حالت مانندِ غریقی ست کہ انتظارِ فریاد رسی مے برد و صدقات و ادعیہ و فاتحہ درآں وقت بسیار بکار او مے آید و ازیں جاست کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام مے نمایند و روح مُردہ نیز در قُربِ موت در عالم تمثّل

سے استفادہ جاری ہے اور انہیں افادہ امداد بھی متصور ہے۔ سُورۂ **انشقت** کی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ جب بدن سے رُوح جُدا ہوتی ہے تو پہلی حالت میں سابقہ عبادت، بدن کی اُلفت، ابنائے جنس کی محبت کا اثر باقی ہوتا ہے۔ گویا یہ وقت رُوح کے لئے دُنیاوی زندگی اور عالمِ قبر کے استغراق کی وجہ سے برزخ کی مانند ہوتا ہے۔ روح پر کچھ دُنیا کے حالات اور کچھ قبر کے حالات طاری ہوتے ہیں۔ یہ وقت عالمِ برزخ کے انکشاف اور سزا و جزا کا وقت ہوتا ہے۔ اُس وقت مُردوں کو زندہ لوگوں کی امداد کی سخت حاجت ہوتی ہے اور وہ امداد جلدی بھی پہنچ جاتی ہے اور اُنہیں ابھی تک یہ گمان ہوتا ہے کہ ہم زندہ ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مُسلمان قبر میں جب سوال و جواب کے لئے زندہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے **دعونی اصلی** مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اُس وقت مُردہ کی حالت ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح ہوتی ہے وہ فریاد رسی کا سخت منتظر ہوتا ہے۔ پسماندگان کے صدقہ و خیرات

مُلاقاتِ زندگان مے کند و مافی الضمیر را اظہار مے کند۔

اور فاتحہ وغیرہ اُس کے لئے بہت کارآمد ہوتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اکثر لوگ ایک سال تک اور خاص طور پر چالیس دن تک اسی قسم کی امداد میں کوشش کرتے ہیں اور موت کے قریب عرصہ میں اموات کی اُرواح عالم مثال میں اکثر زندہ لوگوں سے ملاقات کر کے اپنی حالت کا اظہار کرتی ہیں۔

دوئم حالتے ست کہ بعد از انقطاعِ تعلقِ زندگانی دُنیا بالکلیہ رُدے دہد و استغراقِ عظیم در مشاہدہ کیفیّتِ مکسوبہ خود از نیکی و بدی اُورا حاصل مے شود و قوئی مدرکہ و متصرفہ ازیں عالم گسستہ شدہ بآں طرف متوجہ مے گردند حِس و حرکت معنوی او ازیں جہاں مطلق بے کار مے شود و ایں حالت عوام مردگانست و بعض از خواص اَولیاء اللہ را کہ جارحہ تکمیل و اِرشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند و دریں حالتِ تصرّف در دُنیا دادہ استغراق آنہا بجہتِ کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد۔ اویسیاں تحصیلِ کمالاتِ باطن از انہا مے نمایند و اربابِ حاجات و مطالب حلِ مشکلاتِ خود از انہا طلبند و مے یابند و زبانِ حالِ آنہا درآں وقت ہم مترنم

دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ دُنیاوی زندگی کے تعلقات بالکلیہ منقطع ہو جاتے ہیں۔ نیکی اور بُرائی کی کیفیات کے مشاہدے میں جو اُس نے دُنیا میں کسب کیے تھے۔ عظیم استغراق حاصل ہوتا ہے۔ اُس کی ادراک کرنے والی قوتیں عالمِ دُنیا سے منقطع ہو کر عالمِ برزخ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور اس کی معنوی حس و حرکت اس جہان سے مطلق بے کار ہو جاتی ہے۔ یہ عام مُردوں کی حالت ہے۔ خواص اولیاء اللہ جنہوں نے زندگی میں اپنا سب کچھ رضائے الٰہی اور بنی نوعِ انسان کی بہبود اور ارشاد میں صرف کیا ہوتا ہے۔ عالم برزخ میں ہوتے ہوئے بھی دُنیا کے معاملات میں اُنہیں تصرف عطا کیا جاتا ہے اُن کا استغراق وُسعتِ ادراکات کی وجہ سے اس

بایں مقالات است۔ ع

من آیم بجاں گر تُو آئی بہ تن

طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوسکتا۔ اکثر اویسی مسلک کے حضرات باطنی کمالات کا استفادہ انہی اولیاء کرام سے کرتے ہیں اور حاجتمند انسان اپنے مطالب کا حل ایسے بزرگوں سے طلب کرتے ہیں اور حاصل بھی کر لیتے ہیں۔ گویا ان کی زبان حال نظامی کے اس مصرعہ سے مترنم ہوتی ہے۔ ع

"اگر تُو تن کے ساتھ آتا ہے تو

مَیں جان کے ساتھ آتا ہوں"

خاتمہ

باید دانست کہ التزامِ کفر آں است کہ شخصے مدلول نص را مدلول نص دانستہ وحکمِ شرعی را حکمِ شرعی فہمیدہ انکار نماید وگوید کہ ہرچند ایں حکم حکمِ شارع است امّا من ایں معنے را قبول ندارم ولزومِ کفر آنست کہ بسبب جہل ونادانی یا بتاویل کفر برو لازم آید پس التزامِ کفر سببِ تکفیر است یعنے کسے کہ دانستہ کفر را برسرِ خود قبول کند اورا کافر گفتہ مے شود ولزومِ کفر سببِ تکفیر نے باشد لہذا محققین از فقہاء بعد ذکر کلماتِ کفر جہل متکلم را از عذرات شمردہ اند ومُراد فقہاء از قولِ اوشاں **یکفر** آنست کہ **فعَلَ فعل الکفر** نہ آں کہ اورا کافر گفتہ شود۔

معلوم ہونا چاہیے کہ التزام کُفر یہ ہے کہ ایک شخص نص کے مدلول کو نص کا مدلول سمجھتے ہوئے اور حکمِ شرعی کو حکمِ شرعی جانتے ہوئے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے میں جانتا ہوں یہ شارع علیہ السّلام کا حکم ہے لیکن میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ لزومِ کفر یہ ہے کہ جہالت اور نادانی کے باعث یا غلط تاویل کی وجہ سے اُس پر کفر لازم آتا ہے۔ پس التزام کُفر سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ لزومِ کُفر سے اُس پر کفر کا فتوے عائد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے فقہاء نے کلماتِ کفر ذکر کرنے کے بعد متکلم کے جہل کو عُذر شمار کیا ہے۔ باقی جن فُقہاء نے یکفر لکھ دیا ہے۔ اس کا معنےٰ یہ ہے کہ اُس نے کُفر والا کام کیا ہے۔ نہ یہ کہ وہ کافر ہو گیا ہے۔

در بحر الرائق نوشتہ و فی جامع الفصولین روی **الطحاوی عن اصحابنا لا یخرج الرجل من الایمان الا جحود ما ادخله فیه ثم ماتیقن انه ردة یحکم بها وما یشک انه ردة لا یحکم بها اذ الاسلام**

بحر الرائق میں موجود ہے کہ جامع الفصولین میں طحاوی نے ہمارے اصحابِ حنفیہ سے روایت کی ہے کہ آدمی کو ایمان سے اس چیز کا انکار نکال سکتا ہے جس کے اقرار نے اس کو ایمان میں داخل کیا تھا لہذا جو چیز یقیناً ارتداد کا باعث ہے اس پر ارتداد کا حکم ہوگا۔ جس چیز

الثابت لا يزول بالشك مع ان الاسلام يعلو ولا يعلى وينبغى للعالم اذا رفع اليه هذا ان لا يبادر بتكفير اهل الاسلام مع انه يقضى بصحة اسلام المكره اقول قدمت هذه لتصير ميزاناً فيما نقلته فى هذا الفصل من المسائل فانه قد ذكر فى بعضها انه كفر مع انه لا يكفر على قياس هذه المسئله فليتامل انتهىٰ۔

کے باعث ارتداد ہونے میں شک ہے اس پر ارتداد کا حکم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ثابت شدہ اسلام محض شک کی وجہ سے زائل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اسلام ہر چیز پر غالب ہے کوئی چیز اسلام پر غالب نہیں آ سکتی۔ لہذا اہل علم حضرات پر واجب ہے کہ ایسے مسائل میں مسلمانوں کو کافر کہنے میں جلدی سے کام نہ لیا کریں جب کہ بحالتِ جبر بھی اسلام لانے کو شریعت میں درست سمجھا گیا ہے میں نے بطور میزان و معیار یہ مسئلہ اس فصل میں پہلے ذکر کیا ہے تاکہ آئندہ ذکر شدہ مسائل میں جن پر لکھا گیا ہے کہ یہ کفر ہے معلوم ہو جائے کہ ان کے ارتکاب سے مطلقاً کافر کہہ دینا درست نہیں۔ اھ ک

وفى الفتاوىٰ الصغرىٰ الكفر شىء عظيم فلا اجعل المومن كافرا متى وجدت رواية انه لا يكفر۔ انتهىٰ۔

فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ کفر بہت بڑی چیز ہے۔ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتا۔ جب تک اُس کے کافر نہ ہو سکنے کی ایک روایت بھی دستیاب ہو سکے۔ اھ

وفى الخلاصة وغيره اذا كان فى المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع التكفير فعلى المفتى ان يميل الى الوجه الذى يمنع

خلاصہ میں جب ایک مسئلہ میں بہت سی وجوہ کفر کی مقتضی ہوں اور ایک وجہ ایسی پائی جائے جو کفر سے مانع ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ مسلمان پر حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے اسی وجہ کو ترجیح دے جو تکفیر کو منع کرتی ہے۔ اھ

التـكـفير تـحسينـا لـلظـن بـالمسلم و فى التاتارخانيه لا يـكـفـر بـالـمحتمل لان الكفر نهـاية فـى العقوبه فيستدعى نهـاية فـى الـجـنـاية ومع الاحتمال لا نهاية. انتهىٰ۔

تا تار خانیہ میں ہے ایسے کلام سے جس میں مختلف احتمال موجود ہوں کافر نہیں کہنا چاہیے۔ کیونکہ کفر انتہائی سزا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی عقوبت انتہائی جرم پر ہو اور جب تک احتمال باقی ہے انتہائی جُرم نہ ہوگا۔

والـذى تـحـر رانـه لا يـفـتـى بتـكـفـير مسـلـم امـكن حمل كـلامـه عـلىٰ مـحمل حسن اوكـان فـى كفره اختلاف ولو بـرواية ضـعيفة فـعـلـى هذا فاكثر الفاظ التكفير المذكورة لا يـفـتـى بـالـتـكـفير بها وقد الـتـزمـت عـلـى نفسـى ان لا افـتـى بشـئى منها وہم در بحرالرائق نوشتہ والـحـق ان مـاصـح عن الـمـجتهدين فهو علـى حقيقة وامـامـا يثبت من غيرهم فلا يفتى به فى مثل التكفير ولذا قـال فـى فتـح الـقدير فى باب البـغـاة الـذى صـح عـن الـمجتهدين فى الخوارج عدم تكفيرهم ويقع فى كلام اهل

مسلمان کے کلام کو جب تک اچھے محل پر حمل کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو خواہ ضعیف روایت ہی سے کیوں نہ ہو کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔ یہاں کفر کے جو الفاظ ذکر کیے گئے ہیں اُن کے تکلم سے فوراً کفر کا حکم لگانا درست نہیں۔ میں نے اس بات کا اپنے نفس پر التزام کیا ہے کہ ان الفاظ سے کسی مسلمان کو کافر نہ کہوں گا۔ بحرالرائق میں لکھتا ہے کہ حق یہ ہے جو کچھ مجتہدین سے ثابت ہے وہ حقیقت ہے اور اُن کے سوا کسی دوسرے کے قول کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دینا درست نہیں۔ اس لیے فتح القدیر باب البغاۃ میں محقق ابن ہمام نے لکھا ہے کہ خوارج کے بارے میں مجتہدین سے عدم تکفیر ثابت ہے۔ باقی اکثر اہل مذہب کے کلام میں اُن کی تکفیر مذکور ہے لیکن وہ مجتہدین میں سے نہیں ہیں لہذا اُن کا کوئی اعتبار نہیں۔ دُرمختار باب المرتد میں لکھا ہے کہ کفر لغت

المذهب تكفير كثير لكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل عن غيرهم ولا عبرة لغير الفقهاء درِ مختار درباب المرتد نوشتہ الكفر لغة الستر شرعا تكذيبه صلى الله عليه وسلم فى شىء مما جاء به من الدين ضرورة والفاظه تعرف فى الفتاوىٰ بل افردت بالتاليف مع انه لا يفتى بالتكفير فى شىء منها الاما اتفق عليه المشائخ كما سيجئ قال البحر الرائق فقد الزمت نفسى ان لا افتى بشئى منها.

میں چھپانے کو کہتے ہیں اور شرعاً ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرنا جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ کفر کے الفاظ اہلِ فتاوے نے نقل کیے ہیں۔ میں نے بھی اس مسئلہ میں ایک علیحدہ کتاب تالیف کی ہے۔ لیکن میں اُن میں سے کسی لفظ سے بھی کُفر کا فتویٰ دینا صحیح نہیں سمجھتا۔ ہاں اُس صورت میں جس میں تمام مشائخ کا اتفاق ہو۔ بحرالرائق نے بھی کہا ہے کہ میں نے اپنے نفس پر یہ التزام کیا ہے کہ کسی مسلمان کو ان الفاظ سے کافر نہ کہوں گا۔

وہم دران باب نوشتہ اعلم انه لا يفتى بتكفير مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن او كان فى كفره خلاف ولو كان ذٰلك برواية ضعيفة كما حرره فى البحر و عزاه فى الاشباه الى الصغرى مُلّا علی قاری در شرح فقہ اکبر در ذیل قول استحلال المعصية كفر" اذا

اور اسی باب میں لکھا ہے کہ جب تک مسلمان کے کلام کا محمل اچھا ہونا ممکن ہو کافر نہیں کہنا چاہیے یا اس کے کفر میں خلاف ہو۔ گو وہ روایت ضعیف ہی ہو۔ اس فیصلہ کو اشباہ نے صغریٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مُلّا علی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں استحلال المعصية كفر" کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ جب اس کا معصیت ہونا دلالتِ قطعیہ کے ساتھ ثابت ہو (یعنی محض گمان کی بناء پر

ثبت کونها معصية بد لا لة قطعية ے نویسد والجمع بين قولهم لا يكفر احد من اهل القبله وقولهم يكفر من قال بخلق القرآن او استحالة الروية او سب الشيخين ولعنهما وامثال ذٰلک مشكل كما قال شارح العقائد و كذا قال شارح المواقف ان جمهور المتكلمين والفقهاء على انه لا يكفر احد من اهل القبلة وقد ذكر فى كتب الفتاوے' ان سب الشيخين كفر وكذا انكار اما ستهما كفر ولا شک ان هذه المسئلة متولة بين جمهور المسلمين فالجمع بين القولين المذكورين مشكل ووجه الاشكال عدم المطابقة بين المسائل الفرعية والدلائل الاصولية التى من جملتها اتفاق المتكلمين على عدم تكفير اهل القبلة المحمدية ويد فع

کفر کا حکم صادر نہ فرما دیں) آگے چل کر لکھتا ہے کہ **جمہور متکلّمین** اور فقہاء کے ان اقوال کو جمع کرنا مشکل ہے۔ایک طرف تو وہ کسی اہلِ قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھتے۔اور دوسری طرف خلقِ قرآن اور استحالۂ روایت کے قائل کو اور سب شیخین کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں۔شارح العقائد اور شارح المواقف اسی طرح فرماتے ہیں کہ جمہور متکلمین کے اقوال کو جمع کرنا مشکل ہے۔جمہور متکلمین اور فقہاء اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں سمجھتے۔اور کتب فتاوے' میں شیخینؓ (حضرت صدیقؓ و فاروقؓ) کو گالیاں دینے اور اُن کے خلیفۂ حق ہونے سے انکار کو کفر لکھتے ہیں۔اشکال کی وجہ یہ ہے کہ مسائل فرعیہ اور دلائل اصولیہ میں مطابقت موجود نہیں۔اہلِ قبلہ کی عدم تکفیر بھی اصول کا مسئلہ ہے جس پر متکلّمین کا اتفاق ہے۔اشکال کو دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہلِ فتاوے' کے نقول جن کے نہ قائل معلوم ہیں اور نہ دلائل مذکور ہیں قطعاً حجت کے قابل نہیں۔کیونکہ مسائل دینیہ میں اعتقاد کی مدار دلائل قطعیہ پر رکھی گئی ہے۔علاوہ ازیں ایک مسلمان کو کافر کہنے میں اور بھی بہت سے ظاہری اور باطنی مفاسد ہیں۔لہذا البعض

الاشكال بان نقل كتب الفتاویٰ مع جهالة قائله وعدم اظهار دلائله ليس بحجة من ناقله اذا مدار الاعتقاد فی المسائل الدينية علی الادلة القطعية علیٰ ان فی تكفير مسلم قد يترتب مفاسد جلية وخفية فلا يفيد قول بعضهم انما ذكروه بناءً علی الامور التهديدية والتغليظية وقد تصدی الامام الهمام فی شرح الهداية للجواب عن هذا الاشكال حيث قال اعلم ان الحكم يكفر من ذكرنا من اهل الاهواء وما ثبت عن ابی حنيفة والشافعی من عدم تكفير اهل القبلة من المبتدعة كلهم محمله ان ذلك المعتقد فی نفسه كفر فالقائل به قائل بما هو كفر وان لم يكفر بناء علی كون قوله ذلك من استفراغ وسعه مجتهدا فی طلب

لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم نے تغلیظ اور تہدید کے لیے کفر کا فتویٰ دیا ہے بالکل غلط ہے۔ محقق ابنِ ہمام نے فتح القدیر میں اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ تمام اہلِ ہویٰ کو کافر کہنے (حالانکہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہلِ قبلہ کو کافر کہنا درست نہیں) کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعتقاد چونکہ فی نفسہٖ کفر ہے لہٰذا اس کلام کا قائل کلمۂ کفر کا قائل ہے۔ اگرچہ وہ کافر نہیں کیونکہ طلبِ حق کے لئے سعی و کوشش کرنے کی وجہ سے اُس نے یہ بات کی لیکن فقہاء کے اقوال کو جمع کرنے کی یہ صورت اس لیے مشکل ہے کہ تمام فقہاء اہلِ ہوا کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ حالانکہ جب وہ اس عقیدہ سے کافر نہیں ہوئے تو عدم جوازِ نماز کا حکم کیا معنے رکھتا ہے۔ ہاں اگر عدم جواز کا معنی عدم الحل کیا جائے۔ یعنی صحیح العقیدہ مسلمان کو اُن کی اقتدا کرنی درست تو نہیں لیکن اُس نے اگر ایسا کر لیا ہے تو نماز ہو جائے گی۔ یا یہ جواب دیا جائے کہ احتیاط کی بناء پر اُن کی اقتداء ناجائز کہنا ان کے کافر سمجھنے کو مستلزم نہیں جیسا کہ حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو فقہاء نے احتیاطاً منع کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اس بات

الحق لكن جزمهم ببطلان الصّلوٰة خلفهم لا يصحح هذا الجمع اللّٰهم الاان يراد بعدم الجواز خلفهم عدم الحل اى عدم حل ان يفعل وهو لاينافى صحة الصّلوٰة والا فهو مشكل انتهىٰ ولا يخفى انه يمكن ان يقال فى رفع الاشكال ان جزمهم ببطلان الصّلوٰة خلفهم احتياط لا يستلزم جزمهم بكفرهم الا ترىٰ انهم جزموا ببطلان الصّلوٰة مستقبلا الى الحجر احتياطا مع جزمهم بانه ليس من البيت بل حكموا بموجب ظنهم فى انه منه فاوجبوا الطواف من ورائه۔ وہم در شرح فقہ اکبر نوشتہ و فرق بين نفى العام و نفى العموم۔

کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ حطیم کا ٹکڑا بیت اللہ شریف میں داخل ہے۔ اسی وجہ سے طواف اُس کے باہر سے کرنے کا حکم دیا ہے۔ شرح فِقہ اکبر میں موجود ہے کہ نفی العام اور نفی العموم میں بہت فرق ہے۔

والواجب[1] انما هو نفى العموم

واجب عمومی کی نفی ہے (یعنی سب کو کافر کہنا درست نہیں ہے) [illegible]

[illegible]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] نفی العام کی مثال یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان نہیں اور نفی العموم یہ کہ سب کو کافر کہنا درست نہیں (ترجمہ)۔ [illegible] (مترجم)

مناقضة لقول الخوارج الذين يكفرون بكل ذنب و طوائف من اهل الكلام والفقه والحديث لا يقولون ذٰلك فی الاعمال لكن فی الاعتقادات البدعية وان كان صاحبها متأ ولا فيقولون بكفر من قال هذا القول لا يفرقون بين المجتهد المخطی وغيره ويقولون بكفر كل مبتدع وهذا القول يقرب الی مذهب الخوارج والمعتزلة فمن عيوب اهل البدعة انهم يكفر بعضهم بعضا ومن مما دح اهل السنّة انهم يخطؤن ولا يكفرون۔ (بوارق)

معتزلہ اور خوارج کے خلاف کہ وہ ہر گنہگار کو کافر کہتے ہیں۔ بعض اہل کلام محدثین اور فقہاء اعمال کے لحاظ سے تو ہر گنہگار کو کافر نہیں سمجھتے۔ مگر اعتقاداتِ بدعیہ کی وجہ سے کافر کہتے ہیں خواہ وہ اعتقاد رکھنے والا متأول ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس بارے میں مجتہد مخطی اور غیر مخطی میں بھی فرق نہیں کرتے بلکہ ہر بدعتی کو کافر کہتے ہیں۔ یہ قول بھی خوارج اور معتزلہ کے قریب قریب ہے۔ اہلِ بدعت اور اہلسنّت میں یہی فرق ہے کہ اوّل الذِّکر ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور مؤخر الذِّکر غلط اعتقاد والے کو خطا کی طرف نسبت کرتے ہیں کافر نہیں کہتے۔ اھ (بوارق)

علماء کرام[1] را بحسب مقتضائے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ واجب است کہ در امر معروف ونہی عن المنکر مساعی جمیلہ بکار برند

علماء کرام کو چاہیے کہ اپنی تمام تر توجہ اور سعی بحسب اقتضائے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر میں صرف

☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] حضرت مؤلف قدس سرّہٗ کا یہ کلام تکفیر کے بارے میں خاص طور پر قابل غور ہے۔ (مترجم)

نہ آں کہ فقط بہ تکفیر عوام کالانعام جوشش شرعی ظاہر نمایند۔ در سراج المنیر آمدہ اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر ووجه" واحد" یمنعه فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تجنباً عن سوء الظن بالمسلم۔ انتھیٰ

فرمائیں۔ نہ یہ کہ عوام کالانعام کے کافر بنانے میں ہی پُورے جوش کا اظہار کرتے پھریں۔ سراج المنیر میں ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں بہت سے وجوہ کُفر کے مقتضی ہیں اور صرف ایک وجہ کفر کو منع کرتی ہے تو مفتی کو مسلمان پر حسنِ ظن رکھتے ہوئے اسی ایک وجہ کی طرف میلان کرنا چاہیے۔

وفی کتاب الیواقیت والجواهر و نقل الشیخ ابو طاهر القزوینی فی کتابه سراج العقول عن احمد بن زاهر السرخسی اجل اصحاب الشیخ ابی الحسن الاشعری رحمه الله قال لما حضرت الشیخ ابا الحسن الاشعری الوفاة فی داری ببغداد قال لی اجمع لی اصحابی فجمعتهم فقال لنا اشهد واعلیّ انی لا اقول بتکفیر احد من عوام اهل القبلة لانی رأیتهم کلهم یشیرون الی معبود واحد والاسلام یشملهم ویعمهم۔ انتھیٰ

الیواقیت والجواہر میں ہے کہ شیخ ابو طاہر قزوینی نے اپنی کتاب سراج العقول میں احمد بن زاہر سرخسی سے نقل کیا ہے (جو شیخ ابوالحسن اشعری کے اجل شاگردوں میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابوالحسن اشعری بغداد میں فوت ہونے لگے تو انہوں نے فرمایا کہ میرے تمام شاگردوں کو جمع کرو۔ پس میں نے سب کو جمع کیا تو فرمایا تم سب گواہ رہو کہ میں اہلِ قبلہ میں سے ایک کو بھی کافر نہیں کہتا۔ کیونکہ وہ سب ایک خُدا کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اسلام سب کو شامل ہے۔

قال الشيخ ابو طاهر فانظر كيف سماهم مسلمين وكان الامام ابو القاسم القشيري رحمة الله يقول من نقل عن الشيخ ابي الحسن الاشعري انه كان يقول لا يصح ايمان المقلد فقد كذب لان مثل هذا الامام العظيم يبعد منه ان يجرح غالب عقائد المسلمين بما يكفرون به ولا يصح لهم معه ايمان. انتهى.

شیخ ابو طاہر کہتے ہیں۔ دیکھا شیخ نے کس طرح سب کو مسلمان کہا ہے۔ امام ابو القاسم قشیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ابو الحسن اشعری سے نقل کرے کہ اُس نے فرمایا ہے کہ مقلد کا ایمان صحیح نہیں" تو وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ ایسے بڑے امام سے یہ قول بالکل بعید ہے کہ وہ اکثر مسلمانوں کے عقائد کو مجروح خیال کرے اور مومن نہ سمجھے۔ اھ ک۔

خلاصہ آنکہ اہل قبلہ را کافر نباید گفت۔ الا در صورتے کہ انکار نمایند امرے را از ضروریاتِ دین مثلِ صوم و صلوٰۃ یا مطلق امرِ شرعی بودن آن و پس ذابح لقدوم الامیر علی اسمہ تعالیٰ را و ہمچنین ذابح منذور للولی علی اسمہ تعالیٰ را بے تحاشا کافر گفتن و بہ تحریمِ ذبیحِ او را قطعی حرام بعید است از شانِ محققین۔

خلاصہ کلام اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ مگر اس صورت میں کہ وہ ضروریاتِ دین کا انکار کر دیں۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ یا کسی شرعی حکم کو شرعی سمجھتے ہوئے منکر ہو جائیں۔ لہذا کسی بادشاہ یا امیر کی آمد پر ذبح کرنے والے کو جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے یا ولی اللہ کی منذورہ جو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذبح کی جائے اُن اشخاص کو بے تحاشا کافر کہنا اور ذبیحہ کو قطعی حرام کا فتویٰ دینا محققین کی شان سے بعید ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال

اجماع منعقد است بریں کہ ذابح للتقرب الی غیر اللہ مُرتد است و مذبوحش حرام کمافی النیسابوری وغیرہ **اجمع العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحة وقصد بذبحها الی التقرب الیٰ غیر اللّٰہ صار مرتد او ذبیحة مرتد۔**

اجماعی طور پر تقرب اِلی الغیر کے ارادہ سے ذبح کرنے والے کو مُرتد کہا گیا ہے اور اس کی ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا ہے کمافی النیشاپوری اگر کوئی مسلمان جانور ذبح کرے اور تقرب اِلی الغیر کا ارادہ کرے تو عُلماء کا اجماع ہے کہ وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اُس کی ذبیحہ مُرتد کی ذبیحہ ہوتی ہے۔

جواب

فقہاءِ عظام مے نویسند کہ کتابی اگر براسمِ مسیح ذبح کند حلال نیست آرے درصورتِ ذبح نمودنِ او براسمِ اللہ وارادہ کردن مسیح از و حلال است کمافی السراجیہ وغیرہا نظر بدین آں مے خواہد کہ ذبیحہ مسلم براسمِ خُدائے عزوجل حلال باشد گو در دلِ خود نیتِ خبیثہ را جائے دادہ باشد یعنی تقرب اِلی الغیر و بعد التأمل مأخذ شرط کونہ خالصاً للّٰہ یعنی **وما ذبح علی النصب** شامل نیست صورۃ مذکورہ راچہ او از برائے ذکرِ نامِ خُدا عندالذبح داخل نیست درما **ذبح علی النصب** زیرا کہ مُشرکین بوقتِ ذبح **ما ذبح علی النصب** نامِ خُدائے

فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ عیسائی اگر عیسےٰ علیہ السّلام کا نام لے کر ذبح کرے تو حلال نہ ہو گا۔ ہاں اگر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے اور ارادہ عیسیٰ علیہ السّلام کا کرے تو جانور حلال ہو گا۔ کمافی السراجیہ یہ عبارت مقتضی ہے کہ وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے اور دل میں خبیث نیت ہو یعنی تقرب اِلَی الغیر کا ارادہ ہو تو اس کی ذبیحہ حلال ہوگی۔ یہ صورت ماذبح علی النصب کے ماتحت داخل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مسلمان ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتا ہے اور مشرکین ماذبح علی النصب پر بتوں کا نام لیتے تھے۔ حضرت خاتم المحدثین نے حرمت ثابت کرنے کے لئے

گرفتند۔ و مثبت حرمت شدہ نمے تو اند آنچہ حضرت خاتم المحدثین مابہ الامتیاز بین الصورتین پیدا نمودہ اند یعنی کتابی خطاً در عنوان نہ کردہ کہ نامِ خُدا را گرفتہ بلکہ در معنون کہ مُراد از و مسیح داشتہ ازیں جہت ذبیحہ او حلال است۔ و ذابح للتقرب الی الولی وقتے کہ شہرت داد بنامِ غیر خُدا پس در عنوان و معنون ہر دو خطا کردہ لہٰذا ذبیحۂ او حرام شدہ۔ انتہیٰ بحصلہ۔

ان دونوں صورتوں کے درمیان جو مابہ الامتیاز پیدا کیا ہے وہ قطعاً ان کا مقصد ثابت نہیں کر سکتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ عیسائی نے چونکہ زبان سے خُدا کا نام لیا ہے۔ لہٰذا اُس سے عنوان میں خطا سرزد نہیں ہوئی۔ ہاں خُدا سے چونکہ اُس نے عیسیٰ علیہ السّلام مُراد لیا ہے۔ اس لیے معنون میں ضرور اُس نے خطا کی ہے بدیں وجہ وُہ ذبیحہ حلال ہے۔ اور اس کے برخلاف مسلمان نے جو جانور تقرب ولی کے ارادے سے ذبح کیا ہے۔ اُس نے جب غیر خُدا کا نام اُس پر مشہور کیا ہے تو عنوان اور معنون دونوں میں خطا کی ہے۔ لہٰذا اُس کی ذبیحہ حرام ہوگی۔

بلکہ مابہ الامتیاز مذکور مثبت حلیتِ مذبوح است در صورتِ مسطورہ چہ ذابح للتقرب الی غیر اللہ چونکہ عند الذبح نامِ خُدا گرفتہ و مُراد از و بغیر از ذاتِ حق چیزے نداشتہ پس بوجہ خطا نہ کردن و مصیب بُودن در عنوان و معنون باید کہ ذبیحہ اش بطریق اولیٰ حلال باشد از ذبیحہ کتابی کہ خطا در معنون کردہ اگر کوئی ازیں کہ گفتی شرط ذکر اسمِ خدا من حیث العنوان والمعنون بصحت رسیدہ لنا از جہت انتفاء شرطِ دیگر کہ کونہ خالصاً للہ است حُرمتش

اب اگر انصاف کی نظر سے مُلاحظہ فرمائیں تو ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ بعینہٖ یہی مابہ الامتیاز ذبیحہ مذکورہ کی حلت کا مثبت ہے۔ کیونکہ جب ذابح نے ذبح کے وقت خُدا کا نام لیا اور دل میں بھی ارادہ ذاتِ حق کے بغیر کسی چیز کا نہیں کیا تو عنوان اور معنون دونوں میں مصیب ہونے کے باعث بطریق اولیٰ حلال ہوئی۔ برخلاف عیسائی کے اُس نے معنون میں تو خطا کی تھی۔ اگر آپ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنے کی جو شرط

ثابت است۔ گویم پیش ازیں شنیدی کہ عند التامل ماخذ ایں شرط صورتِ مسطورہ را شامل نیست **بل مباین" له فلا یتعدی حکم التحریر الیها فتامل**[1]۔ غالباً از برائے ہمیں معنی علماء را در تکفیر ذابح مذکور و حُرمتِ ذبیحہ او اختلاف واقع شدہ کمافی الدُّر المختار **وهل یکفر قولان بزازیه و شرح وهبانیه قلت وفی صید المنیة انه یکره ولا یکفر انتهٰی۔**

تھی وہ تو عنوان اور معنون کی حیثیت سے درست ہے۔ لیکن خالصاً لِلّٰہ کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے حُرمت ثابت ہو جائے گی۔ تو جواب یہ ہے کہ شرط مذکور کا ماخذ ای **ماذبح علی النصب** یقیناً اس صورت کو شامل نہیں جیسا کہ گزرا۔ بلکہ اس کے مباین ہے۔ لہٰذا اُس کا حکم تحریم اُس کی طرف ہرگز متعدی نہ ہوگا۔ فتامل[1] غالباً اسی وجہ سے علماء نے ذابح مذکور کی تکفیر اور ذبیحہ مذکورہ کی حرمت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ کمافی الدُّر المختار۔ کیا وہ شخص کافر ہو جائے گا۔ تو اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ہیں (بزازیہ و شرح و ہبانیہ) میں کہتا ہوں۔ صید المنیہ میں ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کافر نہیں ہوتا۔ اھ ک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] اشارت است بسوئے سوال و جواب تقریر سوال آں کہ قول بعدم ثبوت حرمت ما ذبح للتقرب الی غیر اللہ منافی است باں چہ سابق گذشتہ یعنی حرمت ماذبح للتقرب الی غیر اللہ جوابش آں کہ ایں جا کلام در عدم ثبوت قطعیّت حرمت است بمقابلہ تشدد فی التکفیر و در سابق ثبوتِ حُرمت است فی الجملہ فلا منافاۃ ۱۲ مؤلف

[1] یہ سوال و جواب کی طرف اشارہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ماذبح للتقرب الغیر کی حرمت ثابت نہ ہونے کا قول منافی ہے اس کے جو پہلے گزر چکا ہے۔ یعنی ذبیحہ مذکورہ کی حرمت کے قول کو جواب یہ ہے کہ یہاں کلام تکفیر میں تشدد کے مقابل حُرمت کی قطعیّت ثابت نہ ہونے میں ہے۔ اور پہلے جو حرمت کا حکم مذکور ہو چکا ہے۔ وہ فی الجملہ حُرمت کے ثبوت کے متعلق ہے۔ فلا منافاۃ ۱۲

وبر تقدیر تسلیم حرمت لزوم کفر خواہد بود نہ التزام۔ وآں چہ در نیسا پوری اجمع العلماء نوشتہ حقیقت ایں اجماع را از اختلاف مذکور دریاب فالمراد بالاجماع ہی الکثرۃ و بالارتداد والکفر لزومہ لا التزامہ بناء علی ماقلنا قبیل ہذا وغرضہم رحمہم اللہ التہدید والتنبیہ و عندی ان الاہتمام وتشمیر الذیل لتعلیم العوام وتفہیم اصوب من التکفیر۔

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ کافر ہو جاتا ہے تو یہ لزوم کفر ہے التزام کفر نہیں۔ کما مر۔ اور تفسیر نیشا پوری نے جو اجماع نقل کیا ہے۔ اس سے کثرت مُراد ہے ورنہ اس اختلاف سے ہی آپ اس اجماع کی حقیقت معلوم کر سکتے ہیں اور ارتداد اور کفر کے حکم۔ سے یہی لزوم کفر مراد ہے جیسا کہ ہم ابھی واضح کر چکے ہیں نہ التزام کفر اور اس حکم سے بھی فقہاء کا مقصد تہدید اور تنبیہ ہے۔ میرے نزدیک لوگوں کو کافر بنانے پر زور لگانے کی بجائے افہام وتفہیم اور صحیح نذر کا طریقہ سمجھانے کا جہاد زیادہ بہتر ہے۔

--------- خلاصہ آں کہ در ذبح چونکہ مسلم بودن ذابح شرط نے وبعد الایمان بتورات و انجیل خبث باطنی او ہم در حلیت ذبیحہ مضر نے کما قالوا عزیر بن اللہ والمسیح بن اللہ۔ پس محمدیؐ بے چارہ اگر از فرط جہل ونادانی باوجود۔ ایمان اجمالی او بما جاء بہ ہذا النبی العربی القریشی الہاشمی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا مرتکب منکری از منکرات گردد او را کشان کشان از حیطۂ اسلام بیرون نباید کشید۔ بالخصوص منکرے کہ از وسعت دائرہ او اختلاف علماء را رضی اللہ عنہم الی یومنا ہذا محیط باشد۔ اولاً صحابہ و تابعین را رضی اللہ تعالیٰ عنہم

خلاصۃ المرام جب عیسائی اور یہودی علی الاعلان عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ کہتے ہیں اور مسلمان بھی نہیں ہیں۔ اور توریت اور انجیل پر برائے نام ایمان رکھنے کے بعد بھی اُن کا خبثِ باطنی ذبیحہ مذکورہ کی حلت میں حارج نہیں ہوتا تو بے چارہ محمدیؐ اگر نادانی اور جہالت کی وجہ سے کسی بُرائی کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ حالانکہ وہ اجمالی طور پر حضورؐ نبی عربی قریشی ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے لائے ہوئے احکام پر ایمان رکھتا ہے تو اُسے آپ کھینچ تان کر زبردستی دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی سعی بلیغ فرماتے ہیں خصوصاً ایسے جُرم کی پاداش میں جس کے متعلق علماء کا

اختلاف بُودہ است درذبیحہ کافر کتابی۔

ابو درداءؓ وعبادہؓ بن صامت وابنِ عباسؓ و زہری وربیعہ وشعبی ومکحول اورا مطلقاً حلال مے گویند گو کہ یہودی نامِ عزیر ونصرانی نام مسیح عند الذبح گفتہ باشد وعلی کرم اللہ وجہہ و عائشہ صدیقہؓ وابنِ عُمرؓ مے فرمایند کہ اگر مے شنوی تو کہ عند الذبح نامِ غیر خُدا اگرفتہ اند پس مخور ذبیحۂ اوشاں۔ و ایں اختلاف وقتی است کہ مارا علمِ باشد بذکر نمودن اوشاں نامِ غیر خُدا را عند الذبح امادر صورتِ عدم علم پس حلیت آں مذبوح باجماع ثابت است لقولہ تعالیٰ **وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ** وبرائے احادیث صحیحہ کہ وارد اند دریں باب چنانچہ یہودیہ بُزے را بحضورسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اختلاف چلا آتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ ذبیحہ[1] کافر کتابی کے متعلق اوّلاً خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا اختلاف موجود ہے۔

حضرت ابو الدرداءؓ عبادہؓ ابن صامت، ابن عباسؓ ،زہری، ربیعہ شعبی اور مکحول وغیرہ حضرات کرام اُسے مطلقاً حلال فرماتے ہیں۔ گو نصرانی اور یہودی نے عیسیٰ علیہ السّلام اور عزیز علیہ السّلام کا نام ذبح کے وقت لیا ہو۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابنِ عُمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے خود ان سے ذبح کے وقت غیرِ خُدا کا نام سُنا ہے تو ان کی ذبیحہ نہ کھاؤ۔ اور اگر تم نے خود نہیں سُنا اور تمہیں اس بارے میں کوئی علم نہیں تو وہ ذبیحہ بالا جماع حلال ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور احادیث صحیحہ بھی اس بارے میں موجود ہیں۔ مثلاً ایک

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] وجہ ارتباط ایں مسئلہ بمانحن بصدورہ آں کہ بناء حل ذبیحہ ایں طائفہ بر امر ظاہری است وخُبثِ باطنی اوشاں موجب حُرمت نے گردد **فکذا فیما نحن فیہ**۔۱۲از موٗلف

[1] **ما نحن فیہ** کے ساتھ اس مسئلہ کا ربط یہ ہے کہ ذبیحہ کتابی کی حلت کی بناء جب امرِ ظاہری پر ہے اور خبثِ باطن اس میں کوئی اثر نہیں رکھتا تو مسلمان کی ذبیحہ میں کیوں اثر کر جاتا ہے۔

ہدیہ آوردہ بُود وآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازو تناول فرمود وغیرہ وغیرہ۔ فتح البیان بحصلہ۔

یہودی عورت نے بکری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ھدیہ پیش کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس میں سے تناول فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ (فتح البیان)

ثانیاً علماء را اختلاف است دریں کہ حُرمت صورتِ مسطورہ علی سبیل القطعیت ثابت است بہ نص **کما علیه المکفرون والمحرفون** یا نہ بلکہ مکروہ است **کما هو عند القائل بالکراهة** وثالثاً در بُودن ذبیحہ منذورہ للاولیاء مصداق برائے **ما ذبح للتقرب الیٰ غیر اللّٰه** نیز علماء را اختلاف است کمامر۔ ورابعاً ذبیحہ منذورہ خارج است از **ما ذبح لغیر اللّٰه علی قول من فسره بما ذکر علیه اسم غیر اللّٰه عند ذبحه کما فی النووی و تفاسیر السلف۔ فالحق هو کفّ اللّسان عن التکفیر۔**

دوم علماء کا اختلاف کہ ذبیحہ مذکورہ کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہے جیسا کہ مکفّرین اور محرفین کا مذہب ہے یا مکروہ ہے جیسا کہ قائلین کراہت کا مسلک ہے تیسرا خود اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ ذبیحہ مذکور **ما ذبح لتقرب الغیر** کا مصداق ہے یا نہ؟ چوتھا امام نووی اور تفاسیر سلف کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے کہ منذورۂ اولیا **مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ** سے خارج ہے کیونکہ انہوں نے آیت مذکورہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ بوقت ذبح اُس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ لہٰذا ان مندرجہ بالا گزارشات کو مدّنظر رکھتے ہوئے حق یہی ہے کہ مسلمانوں کی تکفیر سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تنبیہ

باید دانست کہ چُنانچہ تحلیل ما حرمہُ اللہ تجاوز است از حدودِ الٰہیہ ہم چُناں تحریم ما حَلّلَہ اللہ نیز آیت **مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ** شاہدِ عدم است بریں پس آں چہ معتاد و مرکوز خاطر ابناء زمان گشتہ از علماء وعوام کہ در تحریم و تکفیر جسارت وعجلت می نمائند و ایں را بزعمِ خود از کمال تقویٰ وحمایت شرع مے شمارند مبنی ست بر غفلت از انچہ شنیدی۔

جس طرح حرام خُداوندی کو حلال کہنا حدودِ الٰہیہ سے تجاوز ہے اسی طرح حلال کو حرام کہنا بھی ناجائز ہے۔ لقولہ تعالیٰ۔ **مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ**۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ اور سائبہ نہیں بنائے۔ لہذا عادت کے طور پر ابنائے روزگار مشغلۂ تکفیر کو کمالِ تقوے اور امر بالمعروف کا فریضہ سمجھتے ہیں وہ اُن تمام حقائق سے یکسر غافل ہیں جو صفحہ قرطاس پر ہم نے پیش کیا ہے۔ **وما توفیقی الا باللّٰہ**۔

اعتبار

ناظر ایں سطور را باید کہ مطابق ارشاد **فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ** از مسئلہ حلت وحُرمتِ ذبیحہ عبرت گیرد و زمانی متامل گردد دریں کہ طہارت و زکوٰۃ حیوان مذبُوح را چونکہ منوط و وابستہ نمودہ اند بذکرِ نام پاک حق سُبحانہ وتعالیٰ وبغیر از ذکر او نجس ومردار است پس وائے برآں کہ ہر نفس ودمِ او بغیر ذکر ایں نام مقدس مُردار مے گردد۔ و از ابتداء بلوغ تا دمِ حال بے تعداد حیوانات اومُردار گشتہ۔ کسے کہ یک حیوان مملوک او

ان سطور کے ناظرین کرام کو بمقتضائے ارشادِ خُداوندی **فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ** عبرت اور نصیحت حاصل کرنی چاہیے کہ جب جانور حیوان کی طہارت اور پاکیزگی اور حِلّت کی مدار اللہ تعالےٰ کے ذکر پاک کے ساتھ وابستہ ہے تو افسوس ہے اُس انسان پر جو اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اپنے ہر سانس کو اللہ تعالیٰ کے ذکرِ مقدس کے بغیر مُردار کر رہا ہے۔ اور ابتدائے بلوغ سے دمِ حال تک لاتعداد انفاسِ قُدسی جو اس کے

مُردار گردد چہ قدر حسرت و رنج مے بیند۔ وائے بر حال آں کہ لکھو کھا بے تعداد حیوانات او ضائع شوند و او بے خبر باشد ازیں۔ برادر بگوشِ ہوش بشنو محبوب تو **لیس کمثله شیء ولم یکن له کفواً احد** است۔ واِیں دمِ تو رفتہ بہ ہیچ حیلہ باز نہ مے آید۔ پس بر تو لازم کہ ایں بے بدل را در ہمان بے مثل در بازی۔ واز زمرۂ **يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ** گردی۔

حیطۂ اقتدار میں تھے اس کی غفلت شعاری کی وجہ سے مُردار ہو گئے ہیں۔ جس انسان کا ایک جانور مُردار ہو جاتا ہے۔ وہ کس قدر حسرت اور رنج کا اظہار کرتا ہے اور تُف ہے اُس کے حال پر جس کے لاکھوں حیوان مملو کہ مُردار ہو جائیں۔ اَے دوست تیرا محبوبِ حقیقی **لیس کمثله شیء** ہے جس کی کوئی شے مثل نہیں۔ اور یہ دم جو جا چکا ہے کسی صورت واپس نہیں آئے گا۔ کیا تجھ پر لازم نہیں کہ اس بے مثل دم کو اُسی بے مثل محبوب کی رضا میں صرف کرے۔ اور **يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا** کے گروہ پاک میں شامل ہو جائے جو کھڑے بیٹھے خُدا کی یاد کرتے ہیں۔

یاد دارم کہ حضرت جدّی و شیخی فی القادریّت پیر فضل الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکثرت مصراع ذیل را برائے تنبیہ طالبان حق مے فرمودند۔

ع واقفِ دم باش بے جا دم مزن

ونیز ایں بیتِ حضرت فریدُ الدینؒ عطار اقدس سرّہٗ مے خواندند

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے جدِّ بزرگوار اور سلسلۂ قادریہ میں میرے شیخ حضرت پیر فضل الدین شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اکثر یہ مصرع طالبانِ حق کی تنبیہ کے لئے وردِ زبان رکھتے تھے۔

واقفِ دم باش بے جا دم مزن

اور حضرت فرید الدینؒ عطار کا یہ بَیت پڑھا کرتے تھے۔

بَیت

گر خبر داری زِ حَیّ لا یمُوت
بر دہانِ خود بنہ مہر سکوت

اگر خُدائے حیّ و قیوم سے خبر رکھتا ہے
تو اپنے مُنہ پر خاموشی کی مہر لگا دے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

از اختتامِ مثنوی

خود شہ شیرین است نامِ پاک تو — خوشتر از آب حیات ادراک تو
اَے پروردگار تیرا نام مُبارک کس قدر شیریں ہے — تیری معرفت آبِ حیات سے بھی عُمدہ ہے
نامِ تو چوں بر زبانم میرود — ہر بُنِ مُو از عسل جُوئے شود
جب تیرا اسم گرامی میری زبان پر جاری ہوتا ہے — تو ہر سِرِ مُو شہد کی نہر محسوس ہوتا ہے
اللہ اللہ ایں چہ شیرین ست نام — شیر و شکرے شود جانم تمام
اللہ اللہ یہ کس قدر شیریں نام ہے — جس سے میری جان شیروشکر ہو جاتی ہے
اللہ اللہ ایں چہ نام خوش مذاق — حرفِ حرفش مے دہد جاں را رواق
اللہ اللہ یہ کس قدر عمدہ ذوق کا نام ہے — جس کا ہر حرف جان کو خوشی بخشتا ہے
اللہ اللہ ایں چہ احساں کردۂ — در چنیں برزخ چناں در پردۂ
اللہ اللہ تو نے یہ کیسا احسان فرمایا ہے — کہ اِس طرح کے برزخ میں در پردہ ہے
ایں چنیں حبل المتیں دادی مَرا — کاعتصامش عرش راشد مرتقی
مجھے ایسا قوی ذریعہ عطا فرمایا — جس کا اعتصام عرش کے لئے بھی موجب رفعت ہے
اللہ اللہ خود چہ نیکو کردۂ — آشکارا ہستی و در پردۂ
اللہ اللہ تُو نے کیا خوب کیا — کہ آشکارا ہوتے ہوئے پردہ میں ہے
وہ چہ بدکارم کہ جُملہ نیستم — پس چرا پیشت بہ ہستی ایستم
میں کس قدر بُرا ہوں کیونکہ نیست محض ہوں — پھر تیرے سامنے ہستی کے ساتھ کیسے ٹھہر سکتا ہوں
اللّٰـہ اللّٰـہ انت لی نعم الوکیل — انـت ربـیّ انـت حسبـی یـا جلیل
اللہ اللہ تُو میرا بہترین وکیل ہے — تُو ہی میرا پروردگار اور میرے لیے کافی ہے
اللہ اللہ لیس غیرک فی الوجود — ھـل تـری الـدیـار فـی دیـر الشھود
اللہ اللہ تیرے سوا عالم ہستی میں کوئی نہیں — عالمِ شہود میں اس کے بغیر بھلا کون نظر آ رہا ہے
اللہ اللہ لَا اِلٰہ بہر چیست — چوں کہ اِلَّا اللہ خورشیدِ جلیست
اللہ اللہ لا اِلٰہ کی نفی کس لیے ہے — جب کہ اِلَّا اللہ کا اثبات خود واضح آفتاب ہے

چشمِ ظاہر بیں بہ نفی آمد مقل ے تواں کردن بلے جہد المقل
ظاہر بین آنکھ کے لئے اغیار سے نگاہ اُٹھالینا مشکل ہے لیکن اس کے لئے سخت کوشش چاہیے
اللہ اللہ اسمِ ذات پاک دوست اسمِ اعظم از برائے قُربِ اوست
اللہ اللہ دوست کا اسمِ پاک۔ اُس کے قُرب کے لئے اسمِ اعظم ہے
اللہ اللہ گو بُرو تا سقف عرش۔ پیشِ معراجِ تو گردد چرخ فرش
اللہ اللہ کا ذکر کرتا کہ تجھے عرش پر رسائی ہو اور آسمان تیرے عرُوج کے سامنے فرش ہو جائے
چُوں برارم دم باللہ الصَّمَدْ چرخ نعرہ لیتنی کنت زند
جب میں اللہ الصّمد کے ساتھ سانس نکالتا ہوں تو آسمان میرے اس ذکر پر رشک کرتا ہے
اسمِ اعظم ہست اللہ العظیم جانِ جان و محی عظم رمیم
اللہ العظیم اسمِ اعظم ہے جانِ جان اور بوسیدہ ہڈیوں کو جان بخشنے والا ہے
اللہ اللہ مستم از نامِ خُدا ے چکد از ہر رگم راوق جُدا
اللہ اللہ خُدا کے نام سے مست ہُوں میری ہر ایک رگ سے شرابِ محبت ٹپکتی ہے

ساقیم آن بادہ اندر جام کرد
میرے ساقی نے وہ شراب جام میں ڈالی
کہ زما ومن بہ آوردست گرد
جس نے ماومن کو ختم کر دیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تصنیفات

فاتحِ قادیانیت، مجدّدِ دین وملّت

اعلیٰ حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی قدس سرہ العزیز

(۱) تحقیق الحق فی کلمۃ الحق: ۔ یہ کتاب کلمہ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے جو کہ حضرات صوفیائے کرام کے مکشوفات میں سے ہے اور ساتھ ہی لکھنؤ کے مشہور صوفی مولانا سیّد عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کی کتاب کلمۃ الحق کا جواب بھی ہے جس میں شاہ صاحب موصوف نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمہ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام اُمت کو اس کشفی مسئلہ کے ساتھ مکلّف ہونے پر کافی دلائل پیش فرمائے تھے۔ آنجنابؒ نے اپنے خداداد علمی وعرفانی کمالات سے ایک طرف شاہ صاحب مرحوم کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی، جس سے اُمت مسلمہ کے اکثر افراد کا کلمہ طیبہ پر ایمان سے محروم ہونا لازم آتا ہے اور دوسری طرف صوفیائے کرام کے مسلک کے مطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی تشریح فرمائی جو اربابِ علم وذوق کے لیے خضرِ راہ ہے۔ آخر میں صوفیائے وجودیہؒ کے سلوک اور توجہ کے طریقہ کو نہایت ہی عمدہ انداز میں بیان فرما کر بطور تبرک حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی مختصر سیرت طیبہ اور نہایت ہی مفید اور کارآمد وصیتوں پر کتاب کو ختم فرمایا ہے۔

(۲) شمس الہدایہ: ۔ یہ کتاب حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر کتاب وسنت کی روشنی میں ایک لاجواب تحفہ ہے، جس کے پڑھنے سے موجودہ دور کے بعض غلط خیالات کی پوری تردید سامنے آجاتی ہے۔ جن کی وجہ سے ختم نبوت جیسے متفقہ اور

اجماعی عقیدہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کافی کوشش کی گئی تھی۔ کتاب اُردو میں ہے جس سے اکثر طبقہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) سیف چشتیائی:۔ یہ کتاب حیات مسیح علیہ السلام کے موضوع پر قادیانیت کے رَد میں لکھی گئی ہے اور بلاشبہ اس موضوع پر قوت استدلال اور طرز بیان کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور ہر طبقہ کے علماء میں مقبول ہے۔

(۴) فتاویٰ مہریہ:۔ یہ کتاب آنجناب ؒ کے قلمی فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس میں بغرض سہولت آپ کے دیگر تصنیفات میں مختلف مقامات پر بیان کردہ بعض دیگر مسائل بھی ساتھ شامل کر دیے گئے ہیں۔ جو کہ اہل علم وعقیدت حضرات کے لیے نہایت ہی مفید ہے۔

(۵) اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اُہِلَّ بہٖ لغیر اللہ:۔ یہ کتاب وما اہل بہٖ لغیر اللہ کی تفسیر ہے جس میں مسائل نذر و نیاز، سماع موتیٰ، استمداد اولیاء کرام وغیرہ کو نہایت ہی شستہ انداز میں بیان فرمایا گیا ہے اور ان مسائل میں مدت سے اہل اسلام میں جو اختلاف چلا آرہا تھا اسے نہایت ہی اعتدال وانصاف کے ساتھ ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۶) مکتوبات طیبات:۔ یہ کتاب آنجناب ؒ کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے۔ جو وقتاً فوقتاً آپ نے احباب اور متعلقین کو لکھے ہیں اور اکثر اُردو میں ہیں۔ جن کے مطالعہ سے شریعت وطریقت کے بہت سے مسائل حل ہو جاتے۔

(۷) ملفوظات طیبات:۔ یہ آنجناب ؒ کے علمی وروحانی ارشادات کا مجموعہ بمع ترجمہ اُردو طبع ہو چکا ہے۔

(۸) الفتوحات الصمدیہ:۔ غیر مقلدین کے دس سوالات اور آپؒ کی طرف سے اُن کے جوابات پر مشتمل ہے۔اس میں اعلیٰ حضرتؒ نے غیر مقلدین پر بارہ سوال کیے تھے اور پیش گوئی فرمائی تھی کہ ''جواب سے جواب ہی ہوگا'' چنانچہ آج تک کوئی اُن کا جواب دینے پر قادر نہیں ہوا۔

(۹) تصفیہ مابین سُنی وشیعہ:۔ اس کتاب کی وجہ تالیف میں صفحہ (ج) پر خود فاتح مرزائیت ، مجدِ ددین وملت اعلیٰ حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ ارشاد فرماتے ہیں۔(تخالف مذہبی مابین سُنی وشیعہ کوئی نیا اختلاف نہیں جسے رفع کرنے کے لیے طالبانِ حق موجودہ زمانہ کے علماء سے التجاء کریں۔اس سے قبل سلف صالحین علیہم الرضوان حسبِ تدبیر الٰہیہ وقتاً فوقتاً اہل بیت کرام سے محبت رکھنے کے وجوب اور خلافت خلفائے اربعہ کی حقانیت کے اہم موضوع پر نہایت شائستہ انداز میں اظہار خیال فرماتے چلے آئے ہیں۔البتہ حال ہی میں اس تخالف میں ایک نئے رجحان کا اضافہ ہوا ہے۔اور یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اہل سنت والجماعت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اہل بیت کرام کے خلاف بغض اور بنی امیہ کے ساتھ محبت رکھے۔حالانکہ اہل سنت کبھی بھی اس شقاوت میں ملوث نہیں ہوئے۔اوران کے عقائد میں رسول پاک ﷺ کے خاندان سے دوستی ومودّت مدارِ ایمان اور فرض مانی گئی ہے۔اس نئے رجحان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے بمقابلہ اہل تشیع اپنے مواعظ ونصائح کی مجالس میں صرف دفع ملاعن ومطاعن کی طرف ہی رخ کیا۔اور اہل بیت علیہم السلام کے فضائل ومناقب بیان کرنے کی طرف کم توجہ فرمائی۔

(۱۰) مرأة العرفان:۔ نعتیہ کلام فاتح مرزائیت، مجدّد دین وملت حضور قبلۂ عالم سیّدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۱) ہدیۃ الرسول:۔ اس کتاب میں فاتح مرزائیت، مجدّد دین وملت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ نے قرآن وحدیث کی رُو سے اثباتِ حیاتِ عیسیٰ بن مریم اور اُن کے آسمانوں پر زندہ سلامت اٹھائے جانے اور دوبارہ بعینہٖ زندہ سلامت دنیا پر تشریف لانے کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کے اعتراضات کا جواب بھی دیا۔ اور اس کے علاوہ عقل وفلسفہ محض کا نہایت بلیغ انداز میں ردّ کر کے شریعت مطہرہ کی بالادستی بیان فرمائی۔

☆☆☆